○

جمیل الدین عالی

○

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی نمبر ۱

(انجمن کی ایک سو چار کتابوں کے مقدمے)

جمیل الدین عالی

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی نمبر ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفے چند

(انجمن کی ایک سو چار کتابوں کے مقدمے)

جمیل الدین عالی

انجمن ترقی اردو ، پاکستان
بابائے اردو روڈ ، کراچی نمبر ۱

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو، پاکستان نمبر ۲۷۲

اس کتاب کی اشاعت کے لیے حکومت پاکستان
نے اکادمی ادبیات پاکستان کے توسط سے
مالی امداد فراہم کی ہے۔

اشاعت اول ۱۹۸۸ء

تعداد ایک ہزار

طابع انجمن پریس کراچی

قیمت سو روپے

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق

اور

جناب اختر حسین مرحوم

(صدر انجمن ترقی اردو پاکستان)

◐

جن کی وجہ سے مجھے یہ
حروف لکھنے کی سعادت ملی

◐

جمیل الدین عالی

مندرجات

۱۔ نمبرشمار ۱۱،۱۲،۲۰ کے حرفے چند کا متن اوّل تا آخر ایک جیسا ہے اس لیے کتاب میں صرف ہفت مقالہ کا "حرفے چند" شامل ہے۔

۱۔ نمبر شمار ۴۶ کا حرفے چند شامل نہیں ہے۔

۱۹۷۷ء

۱۹۷۸ء

۱۹۷۹ء

۱۹۸۰ء

۱۹۸۱ء

۱۔ نمبر شمار ۵۳، "سب رس" کا حرفے چند اس کتاب میں شامل نہیں ہے۔

۱۔۲۔ نمبر شمار ۸۳،۸۲ کے حرفے چند کتاب میں شامل نہیں ہیں ۔

۱۹۸۵ء

۸۸-۱۹۸۷ء

مشفق خواجہ

مقدمہ

تحریکیں ہوں یا ادارے، ان کی روح ہمیشہ کوئی ایسی شخصیت ہوتی ہے جو ان تحریکوں یا اداروں کے مقاصد کو خود اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتی ہے ۔ رسمی طور پر کسی عہدے پر فائز رہنا اور بات ہے، کسی ادارے کے لیے اپنی تمام قوتیں اور توانائیاں وقف کردینا دوسری بات ہے ۔ یہی دوسری بات کسی ادارے اور فرد میں روح و تن کا تعلق پیدا کرتی ہے اور من وتو کا فرق مٹادیتی ہے ۔ ہمارے سامنے بے شمار مثالیں ایسی ہیں کہ کسی مرکزی شخصیت کے انتقال کے بعد کسی ادارے کی زندگی خطرے میں پڑگئی ۔ یا تو وہ ادارہ ختم ہوگیا یا پھر وہ رسمی طور پر "زندہ" رہ کر اپنے مقاصد سے بے تعلق ہوگیا ۔ مولوی عبدالحق کی وفات کے بعد انجمن ترقی اردو کے بارے میں بھی بہت سوں نے سوچا تھا کہ

اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے

کے مصداق یہ ادارہ بھی بہت جلد اپنی زندگی کے دن پورے کرے گا ۔ ایسا سوچنا ناگزیر تھا، اس لیے کہ انجمن ترقی اردو دراصل مولوی عبدالحق کا ہی دوسرا نام تھا ۔ ان کے بغیر انجمن کا تصوّر کرنا ایسا ہی تھا جیسے روح کے بغیر کسی جسم کا ۔ مولوی عبدالحق نے اپنی زندگی کے پچاس سال اس ادارے کی نذر کیے اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک ذیلی شعبے کو جس کی حیثیت صرف کاغذی تھی، برّصغیر کا سب سے بڑا علمی و ادبی ادارہ بنادیا ۔ کسی زبان سے محبت کی

ایسی کوئی دوسری مثال شاید ہی مل سکے۔
خوش قسمتی سے مجھے مولوی عبدالحق کے ساتھ ان کی زندگی کے آخری چند برسوں میں کام کرنے کا موقع ملا ۔ اس ساری مدّت میں میں نے انھیں انجمن کے مستقبل کے لیے پریشان دیکھا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مولوی صاحب کی انجمن کو ان سے چھین لیا گیا تھا ۔ اس کی تفصیل خود مولوی صاحب کے قلم سے "انجمن ترقی اردو کا المیہ" کے نام سے چھپ چکی ہے ۔ اس لیے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ صدر مملکت محمد ایوّب خان کے ایک مارشل لا آرڈر کے ذریعے انجمن پر قابض گروہ کو الگ کیا گیا اور مولوی صاحب کی سربراہی میں نئی انتظامیہ نے انجمن کے معاملات ہاتھ میں لیے ۔ مولوی صاحب اب بھی خوش نہیں تھے ۔ پہلے انجمن مفاد پرستوں کے قبضے میں تھی تو اب کراچی کی انتظامیہ کے دفتری اہل کاروں کے قبضے میں ۔ اس سے پہلے کہ یہ صورت حال مولوی صاحب کی مرضی کے مطابق تبدیل ہوتی، وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ۔ مولوی صاحب کے بعد انجمن کلّی طور پر کراچی کی انتظامیہ کا ایک غیر فعّال شعبہ بن کر رہ گئی ۔ انجمن کی مجلس انتظامی میں کچھ اہل علم و ادب ضرور شامل تھے لیکن انھیں انجمن کے روزمرّہ معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا ایک سال تک انجمن جسد بے جان کی حیثیت سے موجود رہی اور اس کا مستقبل تاریک سے تاریک تر نظر آنے لگا ۔
۱۹۶۲ء میں حالات نے نئی کروٹ لی اور ایک سرکاری حکم کے تحت انجمن کی ایک نئی انتظامیہ وجود میں آئی ۔ اس نئی انتظامیہ کے صدر اختر حسین تھے اور معتمد اعزازی جمیل الدین عالی ۔ میں انجمن کا ایک ادنیٰ کارکن ہونے کی حیثیت سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھا کہ دونوں کلیدی عہدوں پر ایسے اشخاص فائز ہوئے

جنھیں میرے خیال میں، انجمن کے مقاصد سے کوئی دل چسپی نہیں ہوسکتی تھی ۔ ایک بیوروکریٹ اور دوسرا شاعر۔ مولوی عبد الحق اس قسم کے لوگوں سے بہت گھبراتے تھے ان کے آخری دنوں میں دو ریٹائرڈ اعلیٰ[1] افسروں کو جو شاعر بھی تھے، یکے بعد دیگرے انجمن کا معتمد بنانے کی کوشش کی گئی تو انھوں نے فرمایا: پھر تو انجمن کا نام تبدیل کرکے "بیت الغزل" رکھنا پڑے گا کیوں کہ مشاعرہ گاہ کے لیے نام موزوں ہے ۔

چند ہی دنوں میں اندازہ ہوگیا کہ اختر حسین مرحوم صرف بیوروکریٹ نہیں تھے، اور عالی صاحب صرف شاعر نہیں ہیں —— اور اب پچیس سال بعد جب میں پیچھے مڑکر دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ ان لوگوں نے انجمن ہی کو نہیں بابائے اردو کو بھی زندہ رکھا ۔ اختر حسین مرحوم کا نام اور عالی صاحب کا کام انجمن کی حیات نو کا ضامن بن گیا ۔

گزشتہ پچیس برسوں میں انجمن ترقی اردو کو زندہ فعّال رکھنے اور اس کے اردو کالج کو ایک عظیم الشان تعلیمی ادارہ بنانے کے لیے عالی صاحب نے جس طرح تگ ودو کی ہے، وہ ایک الگ داستان ہے ۔ میں یہاں صرف اتنا عرض کروں گا کہ علمی وادبی کاموں کی وہ روایت جسے مولوی عبد الحق نے شروع کیا تھا اور جو انجمن کا اصل کام ہے، اسے عالی صاحب نے نہ صرف جاری رکھا بلکہ بعض حیثیتوں سے آگے بھی بڑھایا ۔اسی کا ایک ثبوت زیرنظر کتاب ہے۔ یہ ان دیباچوں کا مجموعہ ہے جو عالی صاحب نے انجمن کی شائع کردہ کتابوں پر لکھے ۔ اس مجموعے سے یہ اندازہ نہیں کرنا چاہیے کہ اس عرصے میں انجمن نے صرف اتنی ہی کتابیں شائع کیں کیوں کہ کئی کتابوں پر عالی صاحب نے کسی نہ کسی وجہ سے دیباچے نہیں لکھے اور کئی دیباچے ایسے ہیں جو

موجود اس مجموعے میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں [1]۔

کہا جاتا ہے کہ بعض کتابیں تاریخ ساز ، بعض تاریخی اور بعض تاریخ کے کسی لمحے کے تقاضوں اور رجحانات کی تفہیم میں معاون ہوتی ہیں ۔ عالی صاحب کی زیرنظر کتاب آخر الذکر شق سے تعلق رکھتی ہے ۔ یہ گزشتہ پچیس برس کے علمی، ادبی اور تحقیقی رجحانات اور برصغیر میں اردو زبان و ادب کے فروغ کے سب سے اہم اور قابل ذکر ادارے کی عملی کاوشوں کا آئینہ ہے

بابائے اردو مولوی عبدالحق کو اردو کا سب سے بڑا "مقدمہ باز" کہا جاتا ہے ۔ یہ کوئی ایسی غلط بات نہیں ۔ مولوی صاحب نے کتابوں پر سیرحاصل، پُرمغز اور محققانہ مقدمے لکھنے کی جس روایت کا آغاز کیا تھا، اس کے سب سے بڑے عامل بھی وہ خود ہی تھے ۔ مولوی صاحب کے بعض مقدمے اردو ادب میں یادگار حیثیت رکھتے ہیں ۔ "حیات النذیر" اور "معرکۂ مذہب وسائنس" کے مقدمے ایسے ہیں کہ ان سے خود ان کتابوں کی اہمیت بڑھ گئی جن پر یہ لکھے گئے ہیں ۔ انجمن ترقی اردو کے صدر اور بعدازاں معتمد اعزازی کی حیثیت سے مولوی صاحب نے انجمن کی مطبوعات پر مقدمے لکھے ۔ ان مطبوعات میں شعرا کے تذکرے، انتخابات ، تحقیقی مقالے، قدیم متون، جدید ادب سبھی کچھ شامل ہے ۔ مولوی صاحب نے کسی کتاب پر سرسری مقدمہ نہیں لکھا۔ انھوں نے کتاب کے جملہ پہلوؤں کا تاریخی اور تنقیدی تجزیہ کرتے ہوئے موضوع کتاب کے بارے میں خود اپنے خیالات کو بھی قلم بند کیا ۔ یہی وجہ ہے کہ انجمن کی کتابوں پر مولوی صاحب کے مقدمے ہر اعتبار سے

۱۔ عالی صاحب کے لکھے ہوئے جو حرفے چند اس مجموعے میں شامل نہیں ہیں ان کی نشان دہی مندرجات میں کردی گئی ہے ۔

دیانت دارانہ علمی جائزے ہیں جن میں ایک مرد جہاں دیدہ کی ساری زندگی کے علمی تجربوں اورمشاہدوں کی جھلک جابجا نظر آتی ہے ـ مولوی صاحب نے ایک طویل عمر پائی، انھوں نے برصغیر میں مسلمانوں کی تحریک آزادی کو پروان چڑھتے اور کامیابی سے ہم کنار ہوتے بچشم خود ملاحظہ کیا ـ سرسیّد احمدخاں کی چار نسلیں دیکھیں ـ دادا اور پوتے (سرسیّد اور سر راس مسعود) دونوں کے ساتھ کام کرنے کی سعادت حاصل کی ـ اس وجہ سے مولوی صاحب کی نظر میں غیرمعمولی وسعت پیدا ہوئی تھی اور وہ خود تاریخ بن گئے تھے ـ مولوی صاحب نے اپنی تحریروں میں اس خصوصیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور انجمن کی تمام مطبوعات جو ان کے عہد میں اشاعت پذیر ہوئیں اپنے مقدموں سے بہت وقیع بنادیا ـ

جمیل الدین عالی انجمن ترقی اردو میں مولوی صاحب کے جانشین اور ان کی قائم کردہ علمی و ادبی روایات کے امین ہیں ـ ان کی زندگی کا ایک بڑا حصّہ پاکستانی ادیبوں کی تنظیم اور فلاح میں صرف ہوا ہے ـ انھوں نے پاکستان میں ادب کی تاریخ کو بنتے ہوئے دیکھا ہے اور تاریخ کو بنانے میں نمایاں اور مثبت کردار ادا کیا ہے بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ وہ خود پاکستانی ادب کی تاریخ کا ایک حصّہ ہیں ـ پاکستانی ادب کے رجحانات و میلانات پر ان کی دسترس محرمانہ ہے کیوں کہ ان رجحانات اور میلانات کو بروئے کار لانے میں وہ خود بھی شریک رہے ہیں ـ اگرچہ عالی صاحب بنیادی طور پر شاعر ہیں اور اس وجہ سے ان کے طرز احساس میں شاعرانہ لطافت و نزاکت کو زیادہ دخل ہے لیکن انھوں نے ہر لکھے جانے والے لفظ کی عظمت و اہمیت کو پوری طرح محسوس کیا اور اسے

تحفظ فراہم کرنے میں پوری کوشش کی ہے۔

ادب ، ادبی تحریکوں اور ادیبوں سے عالی صاحب کے ذاتی تعلق کی دو سطحیں ہیں ۔ پہلی سطح تخلیقی ہے جو سفرنگاری، کالم نویسی اور دیگر تحریروں کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے ۔ انھوں نے پاکستانی ملت کو متعدد ایسے نغمے عطا کیے ہیں جو ہمارے قومی شعور کی علامت بن گئے ہیں ۔ ان کی غزل قدیم و جدید کے خوب صورت امتزاج کا ایک ایسا مرقع ہے جو اپنی الگ شناخت رکھتا ہے ۔ جدید عہد میں دوہے لکھنے کی روایت انھیں کی مرہون منت ہے، اور حق تو یہ ہے کہ اس صنف کا حق صرف وہی ادا کرپائے ہیں ۔ اگرچہ ان کی تقلید میں بہت سوں نے اس ذریعۂ اظہار کو اپنایا ہے لیکن دوہا صرف اور صرف عالی ہی سے مخصوص ہوکر رہ گیا ہے ۔

نثرنگار کی حیثیت سے عالی صاحب جن مختلف جہتوں میں نظر آتے ہیں، وہاں بھی انھوں نے اپنی انفرادیت کے نقوش ثبت کیے ہیں ۔ انھوں نے کئی اچھے شخصی خاکے لکھے ہیں جن میں نواب سراج الدین احمد سائل دہلوی کا خاکہ یادگار حیثیت رکھتا ہے ۔ یہ بدلتی ہوئی قدروں کی سفاکی اور قدیم معاشرتی وضع داری کا ایک ایک ایسا اشاریہ ہے جو بڑے خلوص اور ہمدردی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے ۔ عالی صاحب ایک جہاں دیدہ سیاح بھی ہیں ۔ انھوں نے اردو میں سفرنامے کی روایت کو ازسرنو زندہ کیا ہے۔انھوں نے سفرنامے کو سفرنامہ ہی رہنے دیا ہے، افسانہ و افسوں نہیں بنایا ۔ اسے ایک معنی خیز اور فکر انگیز صنف ادب بنادیا ہے ۔

عالی صاحب پاکستان کے ان چند کالم نویسوں میں سے ہیں، جنھوں نے ربع صدی سے زیادہ عرصے سے اس دشت

کی سہاگی اختیار کر رکھی ہے ۔ اخباری کالم جیسی وقتی اور ہنگامی چیز کو انھوں نے دوامی اور مستقل حیثیت دے دی ہے ۔ عالی صاحب کے کالم کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے ہیں ۔ ان کتابوں کی ایک اپنی مستقل اہمیت ہے ۔ ان کی کالم نویسی کی ایک نمایاں خصوصیت غیر معمولی وطن دوستی اور اپنے وطن کے افتخار کو نمایاں کرنا ہے ۔ عالی صاحب کی وطن دوستی جزو ایمان کا درجہ رکھتی ہے ۔ اس خصوصیت نے ان کی کالم نویسی کو بے شمار نئے افق عطا کیے ہیں ۔ پاکستان کے پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں ، معدنی دولت ، زرعی پیداوار، تہذیب و ثقافت، رسوم رواج اور طرز معاشرت ، معاشی حالات وغیرہ کے بارے میں انھوں نے جس دل سوزی کے ساتھ لکھا ہے، وہ انھیں کا حصّہ ہے۔ کبھی وہ خدا کی عطاکردہ نعمتوں پر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں، اور کبھی ان نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھانے پر اظہار افسوس۔ غلط اور نقصان دہ رسوم و رواج کے خلاف انھوں نے جس دردمندی اور خلوص کے ساتھ لکھا ہے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی ۔

عالی صاحب کی کالم نویسی کا دوسرا اہم موضوع فروغ دانش ہے ۔ آج ساری دنیا میں علم کے فروغ کا غلغلہ ہے ۔ خود ہمارے ہاں بھی اس کا چرچا کم نہیں ہے ۔ کتابیں چھپتی ہیں، دانش گاہوں میں رونق رہتی ہے، علمی ادارے سرگرم عمل رہتے ہیں ، ان سب کے باوجود یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا ہم نے اپنی قومی دانش میں کچھ اضافہ کیا ہے؟ ظاہر ہے اس کا جواب ایک افسوس ناک نفی کے سوا کچھ اور نہیں ۔ خواندگی کی شرح میں معمولی اضافہ ، کچھ نئی کتابوں کی اشاعت ، کچھ علم وفضل کی گفتگو فروغ دانش نہیں ہے ۔ علم ودانش کو جس انداز سے قومی مزاج میں سرایت

کرنا چاہیے، قومی کردار کی تشکیل میں حصّہ لینا چاہیے، اس کا ہمارے یہاں دور دور تک کوئی تصوّر نہیں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نئی نسل نے علم و دانش کو اپنا شعار بنانے کی بجائے جارحیت عصبیت اور درشتی کو اختیار کیا ہے ـ عالی صاحب کو اس خطرناک صورت حال کا پورا احساس ہے، اسی لیے ان کی کالم نویسی کا ایک مقصد اس صورت حال کے خلاف ایک مؤثر احتجاج ہے ـ

وہ اعدادوشمار کے حوالوں سے، دوسری قوموں کی ترقی کے تذکرے سے، ازمنۂ قدیم کی تاریخ کے تصوّرات سے ہمیشہ یہ تاثر عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قوموں کی ترقی کی بنیاد حصول دانش پر ہے، دانش کے فریب میں مبتلا ہونا نہیں جو ہمارا شعار اور مزاج بنتا جارہا ہے، بلکہ دانش کی اصل روح کو اپنانا جو روزمرّہ زندگی کی ترجیحات میں تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں ـ عالی صاحب نے اس سلسلے میں اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس پر سنجیدگی سے غور کرنے اور عمل پیرا ہونے سے ہم اپنے بہت سے قومی مسائل کو حل کرسکتے ہیں ـ

عالی صاحب کی کالم نگاری کی سب سے بڑی خوبی جرأت اظہار ہے ـ آج کے دور مصلحت کوش میں بیشتر لکھنے والے آزادانہ اظہار خیال سے گریز کرتے ہیں ـ ملکی مسائل ہوں یا معاشرتی اور ثقافتی معاملات، علمی دیدودریافت ہو یا ادبی تنقید، سچّی باتیں کم سننے میں آتی ہیں ـ اظہار خیال تحفّظات کی چھاؤں میں ہوتا ہے ـ یہ صورت حال ایک بڑے خطرے کی نشان دہی کرتی ہے ـ عالی صاحب اس صورت حال کے خلاف مسلسل جہاد کررہے ہیں ـ انھیں سچّی بات برملا کہنے میں طمانیت محسوس ہوتی ہے ـ لگی لپٹی رکھنا، امداز

کا انداز اختیار کرنا ان کا شیوہ نہیں ۔ وہ شمشیر برہنہ ہیں جس کی کاٹ اپنے پرائے کا لحاظ نہیں کرتی اسی وجہ سے ان کا یہ حال ہے کہ

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش

بہرحال کوئی نہ کوئی تو سچ بولنے والا ہونا چاہیے ۔ بقول حافظ

گفت آں یار کرد گشت سردار بلند
جرمش آں بودکہ اسرار ہویدا می کرد

مجھے فارسی کا یہ شعر شاید اس لیے یاد آیا کہ عالی صاحب اپنے کالموں میں اکثر برمحل فارسی شعر درج کرتے رہتے ہیں ۔ یہ بھی ہماری نثر کا ایک وصف ہے جو بڑی تیزی سے معدوم ہوتا جارہا ہے ۔ عالی صاحب کی وجہ سے یہ روایت زندہ ہے، اگرچہ اب انھیں فارسی شعر کے نیچے اس کا مطلب اردو میں لکھنا پڑتا ہے ۔

میں نے یہ ساری تفصیل اس لیے بیان کی ہے کہ عالی صاحب کی ادبی شخصیت کے خدوخال نمایاں ہوسکیں وہ اپنے عہد کی ایک ممتاز اور قدآور ادبی شخصیت ہیں ۔ نظم اور نثر دونوں میں ان کا سکہ چلتا ہے مگر یہ ان کی ادبی شخصیت کا صرف ایک رخ ہے ۔ دوسرا رخ ان کی وہ سعی مسلسل ہے جو انھوں نے پاکستان میں ادب کے فروغ اور ادیبوں کی تنظیم کے سلسلے میں انجام دی ہے ۔ عالی صاحب پاکستان رائٹرز گلڈ کے بانیوں میں سے ہیں ۔ اس ادارے کے قیام اور پھر اسے پاکستانی ادیبوں کی معتبر، مستند اور نمایندہ تنظیم بنانے میں انھوں نے جو کوششیں کی ہیں، انھیں پاکستان کی ثقافتی تاریخ میں ہمیشہ اہمیت حاصل رہے گی ۔ ملک کے ہر خطے سے تعلق رکھنے والے مختلف الخیال ادیبوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا اور انھیں ایک مشترک طرز احساس سے روشناس کرانا کوئی معمولی کام نہیں ۔

گلڈ کے تعلق سے عالی صاحب کو پاکستانی ادب کے تمام رجحانات سے گہری واقفیت حاصل ہوئی جو عام حالات میں ممکن نہ تھی ۔ اس واقفیت نے ان کی تحریروں کو ہمہ رنگ اور ہمہ جہت بنادیا ۔

پاکستان رائٹرزگلڈ نے قومی یک جہتی کے نظریے کو تقویت پہنچائی ۔ قومی یک جہتی کا تصوّرعالی صاحب کی تحریروں میں جاری و ساری نظر آتا ہے ۔ وہ اس کے بہت بڑے مبلغ ہیں ۔ مبلغ تو ہم سب ہیں مگر ہماری تبلیغ زبانی جمع خرچ تک محدود ہے ۔ عالی صاحب نے اسے مقصدحیات اور طریق زندگی بنالیا ہے ۔ وہ ہرجگہ ہر موقعے پر، ہر حوالے سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں ، اور چوں کہ یہ تذکرہ خلوص ، ہمدردی اور محبّت سے ہوتا ہے، اس لیے اس کا خاطرخواہ اثربھی ہوتا ہے ۔ ادیبوں کی تنظیم نے عالی صاحب کوحوصلہ ،ہمت ،مستقل مزاجی اور ناگوار کو گوارا بنانے کے اوصاف عطا کیے ۔ ان کی ادبی شخصیت نے اس تنظیمی کاوش سے جلا پاکر بڑا دل کش انداز اختیارکیا ہے۔انجمن ترقی اردو کے تعلق سے یہ ادبی شخصیت کچھ اور نکھر گئی ۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے،عالی صاحب گزشتہ پچیس برسوں سے انجمن کے معتمد اعزازی ہیں ۔ انھوں نے یہ خدمت بڑی ذمہ داری، انہماک اور توجہ سے انجام دی ہے ۔ انجمن اس وقت برّصغیر کا قدیم ترین غیر سرکاری ادارہ ہے جو تسلسل اور تواتر سے فروغ اردو کا کام کیے جارہا ہے ۔ انجمن کو تاریخ ساز اورعہد ساز ادارہ ہونے کا افتخار حاصل ہے ۔ بڑے بڑے نام اس سے وابستہ رہ چکے ہیں ۔ بڑے بڑے کام ظہور میں آچکے ہیں ۔ باباۓ اردو نے کام کو عبادت بنانےاور سمجھنے کی جس روش کی داغ بیل ڈالی تھی اس سے اردو زبان و ادب کو بے انتہا فائدہ پہنچا ۔ عالی صاحب

اسی روایت کے امین ہیں ۔ انجمن سے وابستگی نے انھیں ادب کے نئے نئے رجحانات ،تحقیق کے نئے نئے گوشوں، اہل علم کے افکار و نظریات ،فروغ ادب کے نئے امکانات ، سب کا مزاج شناس بنادیا ہے ۔انھیں اردو ادب ہی نہیں، تمام پاکستانی زبانوں کے ادب اور دنیا کی متعدد اہم زبانوں میں لکھی جانے والی قابل ذکر تحریروں کی معرفت حاصل ہے ۔ یہ ایسا امتیاز و اختصاص ہے جو بہت کم لوگوں کے حصّے میں آتا ہے۔ عالی صاحب اس اعتبار سے ہمارے عہد کی بڑی اہم شخصیت ہیں کہ انھیں ایک ایسے بزرگ علمی و ادبی ادارے کی معتمدی حاصل ہے جس سے ادبی اعتماد کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں ۔

انجمن سے وابستگی کی بناء پر عالی صاحب نے اپنے دور معتمدی میں مطبوعات انجمن پر دیباچے لکھنے کی روایت کو پوری طرح برقرار رکھا ۔ "حرفے چند" انھیں دیباچوں کا مجموعہ ہے ۔ اگر کوئی شخص گزشتہ پچیس برس کے علمی، ادبی اور ادب کی ربع صدی کا مطالعہ کرنا چاہے تو اس کے لیے "حرفے چند" ایک بنیادی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ان دیباچوں میں اردو ادبی تنقید ، مخطوطات کی توضیحی فہرستیں، حوالے کی کتابیں، دکنیات ، قدیم متون، لغات ،فلسفیانہ افکار و مسائل، ثقافتی دیدودریافت ،علاقائی ادب ، سب کچھ شامل ہے ۔ "حرفے چند" کے مشمولات انھیں مباحث کے حوالے سے قلم بند ہوئے ہیں اور ان تمام موضوعات کی وضاحت کرتے ہیں ۔

عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ دیباچہ نگار کسی تصنیف یا تالیف کے بارے میں مختصر طور پر اظہار خیال کرکے دیباچہ نگاری اور تعلقات کا حق ادا کردیتا ہے مولوی عبدالحق اس روش کو پسند نہیں کرتے تھے ۔

انھوں نے دیباچہ نگاری کو بھی ایک فن کی حیثیت دے دی تھی ۔ اردو دیباچے لکھنے میں وہ اتنی ہی محنت کرتے تھے جتنی علمی و تحقیقی مقالوں پر ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دیباچے یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔ عالی صاحب نے اس سلسلے میں مولوی صاحب کی پیروی کی ہے لیکن یہ پیروی تخلیقی انداز کی ہے ۔ وہ ہر متعلقہ کتاب کا معروضی انداز میں تجزیہ کرتے ہیں اور اپنے خیالات و افکار کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کرتے ہیں عالی صاحب زندگی اور ادب دونوں کے بارے میں ایک مخصوص نقطۂ نظر رکھتے ہیں،یہ نقطۂ نظر ان کی عام تحریروں کی طرح، ان کے دیباچوں میں بھی پوری طرح کارفرما نظر آتا ہے ۔

عالی صاحب کا مخصوص نقطۂ نظر کیا ہے؟ ان کی شاعری، سفرنگاری اور کالم نویسی کے حوالے سے اس کی مختصر توضیح اوپر کی سطروں میں پیش کی جاچکی ہے ۔ یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ عالی صاحب قدیم و جدید کا وہ سنگم ہیں جہاں سے ادب اور زندگی دونوں کی معنویت اور ہمہ گیری کا ایک نیا احساس ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے ۔ کسی قدیم متن کی بازیافت پر وہ اس طرح خوش ہوتے ہیں جیسے کوئی تخلیق کار اپنی نئی تخلیق پر ۔ یہاں مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کا "حرفے چند" بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے ۔ اس دیباچے میں عالی صاحب کا تحقیقی اور تخلیقی مزاج پوری طرح نمایاں ہے ۔ انھوں نے اس مثنوی پرتحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بہت سے نئے پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے ۔ کام کرنے والے تو بے شمار ہوتے ہیں لیکن راستہ دکھانے والےاورمنزلوں کی نشان دہی کرنے والے کم ہوتے ہیں ۔ عالی صاحب کی دیباچہ نگاری میں راہ دکھانے کی کیفیت بدرجۂ اتم موجود ہے ۔

کتاب "پاکستان میں اردو تحقیق" کا دیباچہ بھی اسی نوعیت کا ہے ۔ ابن انشاء سے متعلق کتاب کا دیباچہ اصل پر اضافے کا درجہ رکھتا ہے کیوں کہ عالی صاحب نے اس میں ابن انشاء کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں بتائی ہیں جو اصل کتاب میں نہیں ملتیں ۔ "افکار عالیہ" کے دیباچے میں عالی صاحب نے بتایا ہے کہ اس کتاب میں اہل مغرب کے جن خیالات کو پیش کیا گیا ہے، ان میں سے بہت سے خیالات اہل مشرق کی نظر میں پہلے سے موجود ہیں ۔ لیکن مرتبین نے مغرب کی برتری جتانے کے لیے مشرق کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے ۔ "مفکرین اسلام" کا حرفے چند اس اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں عالی صاحب نے نہایت ادب کے ساتھ کتاب کی کوتاہیوں کی طرف بلیغ اشارے کیے ہیں ۔ اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عالی صاحب رسمی دیباچہ نگار نہیں ہیں، وہ جس کتاب پر دیباچہ لکھتے ہیں، اس کے مطالب پر گہری نظر رکھتے ہیں ۔

سو سے زائد کتابوں پر دیباچے لکھنا بذات خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اور دیباچے بھی وہ جو بربنائے تعلقات یا سطحی اور سرسری انداز میں نہیں لکھے گئے بلکہ ہر دیباچہ ایک علمی شان رکھتا ہے ۔ عالی صاحب کا حبِّ وطن، فروغ علم و دانش کا جذبہ، اردو زبان و ادب کو ترقی دینے کی آرزو، عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق مختلف علوم و فنون سے استفادہ کرنے کی خواہش، قومی یک جہتی کی نشوونما کے لیے سعی و کاوش ـــ "حرفے چند" میں یہ سب کچھ موجود ہے ۔

عالی صاحب ہمارے دور کے سب سے بڑے اور قابل ذکر دیباچہ نگار ہیں ۔ مولوی عبد الحق کے بعد علمی دیباچہ نگاری کی روایت انھیں کی وجہ سے تابندہ ہوئی ہے ۔

زیرنظر مجموعہ عالی صاحب کی علمی و ادبی شخصیت کا ایسا موثر اظہار ہے جس کے بارے میں اب تک سنجیدگی سے غور نہیں ہوا ۔ اس مجموعے کی اشاعت سے ادب عالی کا ایک بالکل نیا اور بھرپور پہلو سامنے آتا ہے ۔

عالی صاحب اگرچہ بنیادی طور پر شاعر ہیں لیکن ان کی نثر شاعرانہ انداز کی حامل نہیں ہے ۔ شاعر اطوار پر نثر لکھتے ہیں تو شعر کے تقاضوں کو نظرانداز نہیں کرتے حالاں کہ نثر کا مقصد توضیح ، تشریح ،تحلیل اور تجزیہ ہے ۔ عالی صاحب کی نثر میں یہ سارے عناصر پائے جاتے ہیں ۔ ان کا نثری اسلوب سلیس ،رواں دواں اور تشریحی انداز کا حامل ہے ۔ بات کو سمجھانا ،خیال کو پوری طرح واضح کرنا ، موثر اور دل نشیں پیرایہ اختیار کرنا ،عالی صاحب کی نثر ان عناصر سے مملو ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی نثر پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے لکھنے والا ایک واضح ، مضبوط اور مستحکم شخصیت کا حامل ہے۔ تحریر شخصیت کا آئینہ ہوتی ہے۔ عالی صاحب اپنی تحریروں میں وہی نظر آتے ہیں جو وہ ہیں ۔ حق گو ، حق پسند ، بے خوف ، بے ریا ۔

"حرفے چند" اپنی فکر انگیزی اور اسلوب کی دل کشی کی وجہ سے ایک اہم کتاب ہے ۔

مشفق خواجہ

۸ اگست ۱۹۸۸ء

THE STUDENT'S STANDARD ENGLISH - URDU DICTIONARY

by

BABA-E-URDU
Dr. Moulvi Abdul Haq

ساتویں اشاعت

ساتویں اشاعت

یہ اس لغت کی ساتویں اشاعت ہے ۔ چھٹا ایڈیشن سنہ انیس سو ساٹھ میں چھپا تھا ۔

ہمیں افسوس ہے کہ طلبا اور دیگر افراد اور اداروں کے بے حد اصرار کے باوجود اس اشاعت میں دیر ہوئی ۔ انجمن کا نیا انتظام گزشتہ سال سے بدلا ہے اور ہمیں بہت سے گفتنی اور ناگفتنی واقعات اور معاملات سے دوچار رہنا پڑا ۔

اس بار یہ لغت دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے ۔ مقامی کاغذ پہلے سے (جس پر چھٹا ایڈیشن چھپا تھا) بہتر ہے ۔ جس سے ضخامت برقرار رہتے ہوئے کتاب کا وزن اور حجم کم ہوگیا ہے ۔ ایک بڑی تعداد بیرونی کاغذ پر بھی چھاپی گئی ہے جو مہین اور چکنا ہے اس لیے اس کا وزن اور حجم اور بھی کم ہوگیا ہے ۔

ہر سال بڑھتی ہوئی گرانی کے باوجود قیمت پہلے سے بھی کم رکھی گئی ہے تاکہ اردو کے اس عظیم کارنامے کا فیضان عام رہے ۔ اب نسخۂ عام کی قیمت پندرہ روپے ہے جبکہ چھٹے ایڈیشن کی قیمت سولہ روپے تھی ۔

اس اشاعت میں بھی بابائے اردو مولوی عبد الحق مرحوم کا ایک مختصر سا پیش لفظ شامل ہے جو اس لغت کے مستند ہونے کی دلیل ہے اور اس کے لیے تبرّک کی حیثیت بھی رکھتا ہے ۔

اب تک مختلف اسباب نے انجمن کو اس قابل نہ ہونے دیا تھا کہ معینہ وقفوں کے بعد اس لغت پر اور انجمن کی دوسری بڑی لغت یعنی " اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری" پر نظرثانی کی جائے جیسا کہ یورپین زبانوں کے

ناشرین کا دستور ہے۔

اب انجمن نے ایک منصوبے پر کام کرنا شروع کردیا ہے جس کے تحت ہم ہر دو تین برس بعد دونوں کتابیں ضروری نظرثانی اور اضافوں کے بعد چھاپا کریں گے۔ دنیا اس رفتار سے جارہی ہے کہ آئے دن پرانے الفاظ میں نئے مفاہیم کا اضافہ ہوتا رہتا ہے بلکہ نئے نئے الفاظ و مفاہیم بھی وجود میں آتے ہیں ہماری کوشش رہے گی کہ ہماری ڈکشنریاں بھی زمانے کے تغیّرات سے ہم آہنگ رہ سکیں۔

ساتویں اشاعت ۱۹۶۲ء

سودا

مقالۂ تحقیق شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ

جس میں مرزا محمد رفیع سودا کی حیات
اور تصانیف اور کلام پر مفصّل تحقیقی و
تنقیدی بحث کی گئی ہے

از

شیخ چاند مرحوم

ایم اے ایل ایل بی (عثمانیہ)

پہلا ایڈیشن

اس کتاب کو انجمن نے پہلی بار ۱۹۳٦ء میں چھاپا تھا ۔ اس سے پہلے سودا جیسے اہم شاعر پر کوئی ایسی مفصل کتاب موجود نہیں تھی جس میں ان کے حالات زندگی اور خصوصیات کلام پر جامع بحث موجود ہو۔ حیرت ہے کہ اس موضوع پر آج تک کوئی دوسری جامع کتاب بھی نہیں لکھی گئی ۔

شیخ چاند مرحوم بابائے اردو کے نہایت ذہین اور محنتی شاگرد تھے ۔ جامعہ عثمانیہ میں ذہین طلبہ کو تحقیقی مشاغل میں مصروف رکھنے کے لیے "مجلس تحقیقات علمیہ" کی طرف سے وظائف دیے جاتے تھے۔ شیخ چاند کو بھی یہ وظیفہ ملا اور انھوں نے سودا پر یہ شان دار مقالہ مرتب کیا جسے بابائے اردو نے خاص اپنے اہتمام سے شائع کرا دیا ۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب تحقیق کے جدید اصولوں کے تمام تقاضے پورے نہیں کرتی ۔ اس کے علاوہ بعض مسائل آج نظرثانی کے محتاج ہوگئے ہیں لیکن اس کی اہمیت ، افادیت اور مانگ میں اب تک کمی نہیں آئی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ حیثیت مجموعی یہ مقالہ سودا تک پہنچنے کا سب سے مضبوط اور آسان ذریعہ ہے۔

انجمن کچھ ایسے ادوار سے گزری ہے کہ بار بار ارادہ کرنے کے باوجود بابائے اردو مرحوم اس کی اشاعت ثانی کا کام شروع نہ کرسکے ۔ اب انجمن نے ان کی خواہش پوری کرنے کی کوشش کی ہے ۔ وقت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ شیخ چاند اس کی مقبولیت دیکھنے کو نہ

چنے اور بابائے اردو نے اس کی اشاعت ثانی نہ دیکھی۔

زیر نظر اشاعت میں ایک اشاریہ بھی شامل کر دیا گیا ہے ۔ اشاریے کے علاوہ یہ اشاعت ، پہلی اشاعت کے مطابق شائع کی جا رہی ہے ، یعنی اس میں کوئی ترمیم نہیں کی گئی یہاں تک کہ معتمد مجلس تحقیقات علمیہ کا تعارف اور مولوی احتشام الدین حقی مرحوم کا قطعہ تہنیت بھی برقرار رکھا گیا ہے ، اب بقول کسے ان باتوں کا " فیشن " نہیں ہے ، مگر جو چلن بزرگوں نے اختیار کیا تھا اس کا احترام بذات خود ہمارے قومی ورثے میں شامل ہے ۔

۱۹۶۳ء

سب رس

(یعنی قصۂ حسن و دل)

تصنیف

ملا وجہی

مرتبہ

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

(مع مقدمہ و فرہنگ)

تیسری اشاعت

تیسری اشاعت

سب رس کی اشاعت بابائے اردو کے بہت سے کارناموں میں اہم حیثیت رکھتی ہے، پہلے اس کتاب کا حوالہ ضرور دیا جاتا تھا مگر اردو دنیا اس کے فیض سے ۱۹۳۲ء تک محروم رہی ـ ایک طرح ہم اسے بابائے اردو مرحوم کی دریافت سمجھتے ہیں اور انھوں نے نہ صرف اسے دریافت کیا بلکہ اس پر نہایت محنت سے کام کیا، مقدمہ لکھا، فرہنگ مرتب کی اور انجمن کے صدر مقام اورنگ آباد (دکن) سے شائع کیا ـ

سب رس پر بہت کام ہوا ہے ـ اردو زبان کی تاریخ سے دل چسپی رکھنے والے سب رس کے بغیر اپنی تحقیق و تفتیش مکمل نہیں کرسکتے، اسی لیے انجمن نے ۱۹۵۳ء میں اسے دوبارہ شائع کیا ـ یہ اشاعت ثانی ٹائپ میں تھی اور جلد کے بغیر تھی کیوں کہ بابائے اردو نے وہ بات بہت پہلے سوچ لی تھی جس کا پرچار آج کل بڑے پیمانے پر کیا جارہا ہے یعنی اچھی کتابوں کو سستی قیمت پر مہیّا کرنا ـ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ناشر جلدبندی کے اخراجات سے آزاد رہے تاکہ ان کا بار خریدار پر نہ پڑے ـ اسی اصول کے پیش نظر ہم نے یہ تیسری اشاعت بھی غیر مجلّد رکھی ہے لیکن یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ کاغذی جلدبندی ضرور کی جائے تاکہ کتاب زیادہ دن تک محفوظ رہے ـ

ابتدا میں بابائے اردو کا ایک مبسوط مقدمہ شامل ہے جو آج ایک اہم تحقیقی مقالے کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے ـ اہل نظر اس مقالے کی روشنی میں "سب رس" سے زیادہ لطف اٹھا سکتے ہیں ـ یوں بھی

کتاب کی نثر ایک عام قاری کو اردو زبان کے بڑے دل چسپ ابتدائی مناظر دکھاتی ہے لیکن اردو الفاظ اور اسالیب کے ارتقاء پر کام کرنے والوں کے لیے تو یہ ایک بہت بڑا خزانہ ہے ـ بطور خاص آج اردو ایک عظیم قوم کی قومی زبان بن چکی ہے اس کی اولین تصنیفات خصوصی توجہ اور تحقیق کی حق دار ہوگئی ہیں یہی وجہ ہے کہ سب رس آج تمام جامعات کے اردو شعبوں میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی ہے ـ

اس تیسری اشاعت میں ہم نے کوشش کی ہے کہ غلطیاں بالکل نہ ہونے پائیں ـ چھپائی روشن ہو اور قیمت بہت کم ہو ـ اس گرانی کے زمانے میں کتابوں کی قیمتیں بھی بڑھادی گئی ہیں مگر انجمن کا پہلا مقصد علم پھیلانا ہے نفع کمانا نہیں ہے اس لیے اس کتاب کی قیمت مقرر کرنے میں اس نے اپنے نقصان کی پرواہ نہیں کی ـ

امید ہے کہ اردو پر نئے کام کرنے والے بطورخاص اس کتاب کی جدید اشاعت سے فائدہ اٹھائیں گے ـ

اس کے بعد "سب رس" کا چوتھا ایڈیشن ۱۹۷۷ء اور پانچواں ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا ـ ان اشاعتوں میں بھی یہی "حرف چند" چھپا ہے اس لیے اسے اس مجموعے میں دہرایا نہیں جارہا ـ

تیسری اشاعت ۱۹۶۲ء

نوٹ ـ اس کے بعد "سب رس" کا چوتھا ایڈیشن ۱۹۷۷ء اور پانچواں ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا ـ ان اشاعتوں میں بھی یہی "حرفے چند" چھپا ہے اس لیے اسے اس مجموعے میں دہرایا نہیں جارہا ـ

خطبات عبدالحق

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم

کے خطبات اور تقاریر کا مجموعہ

مرتبہ

ڈاکٹر عبادت بریلوی

ایم اے، پی – ایچ – ڈی

پہلا ایڈیشن

بابائے اردو مرحوم کے علمی کارناموں میں ان کے خطبات کو نمایاں مقام مل چکا ہے۔ ان کا ہر خطبہ اپنے موضوع پر ایک مستقل مقالے کی حیثیت رکھتا ہے اور اردو زبان و ادب کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے والے ان خطبات کا مطالعہ ناگزیر سمجھتے ہیں۔

یہ خطبات آزادی سے پہلے ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئے تھے۔ دوسری مرتبہ انہیں محترم ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مرتب کیا اور انجمن کے اشاعت گھر نے ۱۹۵۲ء میں شائع کیا۔

اب موجودہ اشاعت میں مندرجہ ذیل خطبوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۔ خطبہ صدارت اردو کانفرنس بنگلور ۱۹۲۷ء
۲۔ خطبہ صدارت مغربی پاکستان اردو کانفرنس ۱۹۵۹ء
۳۔ خطبہ صدارت مرکز علم و ادب میرپور خاص ۱۹۵۹ء
۴۔ خطبہ صدارت پاکستان رائٹرز گلڈ کراچی ۱۹۵۹ء

تقریباً یہ تمام خطبات بابائے اردو نے انجمن کے معتمد اور صدر کی حیثیت سے ارشاد فرمائے تھے اس وجہ سے ان خطبات میں مختلف مسائل پر انجمن کا موقف اور گاہ بہ گاہ اس کی تاریخ بھی آمیز ہے۔ اس پر بابائے اردو کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ اور ان کا انداز بیان مستزاد۔

"باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنئیے گا"

۱۹۶۴ء

مقالات

گارساں دتاسی

(جلد اول)

۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۳ء تک کے مقالات

پہلا ایڈیشن

یوں تو ۱۹۲۲ء سے ہی رسالہ "اردو" کے ذریعے گارساں دتاسی کے خطبات کی اشاعت شروع ہوگئی تھی، لیکن یہ پہلی بار کتابی شکل میں ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئے۔ مقالات کی اشاعت ۱۹۲۲ء میں عمل آئی۔

قیام پاکستان کے بعد بابائے اردو مرحوم نے خطبات اور مقالات کے نئے ایڈیشن شائع کرنے کا کئی بار ارادہ کیا لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔ تقریباً تین سال قبل ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے جو پیرس میں مقیم ہیں بابائے اردو کو لکھا کہ انہوں نے گارساں دتاسی کے اصل مقالات کا (جو فرانسیسی زبان میں ہیں) اردو ترجمے سے مقابلہ کرکے یہ معلوم کیا ہے کہ اصل اور ترجمہ میں خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں مولوی صاحب مرحوم نے ڈاکٹر صاحب موصوف سے درخواست کی کہ وہ مقالات و خطبات کے اردو ترجمے پر نظرثانی فرما دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو پورا کرنے کی ہامی بھر لی اور تقریباً چھ سات ماہ کی محنت کے بعد یہ کام مکمل کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کام کس قدر محنت اور توجہ سے کیا ہے، اس کا اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ زیرنظر اشاعت کا سابقہ ایڈیشن سے مقابلہ کیا ''ے۔ فاضل مترجمین نے ان گنت مقامات پر ترجمہ غلط کیا تھا۔ یا بعض عبارتوں کو کسی نامعلوم وجہ سے ترک کردیا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے جابجا ترجمے کی تصحیح کی ہے، متروک عبارتوں کا ترجمہ شامل کیا ہے، ناموں کے تلفظ کو اصل کے

مطابق لکھا ہے مختصر یہ کہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے مقالات اور خطبات کا ازسرنو ترجمہ کیا ہے، یہ کام ایسا عظیم الشان ہے کہ اس کے لیے انجمن ترقی اردو ہی نہیں بلکہ پوری اردو دنیا ان کی ممنون ہوگی ۔

ڈاکٹر صاحب برصغیر ہندوپاکستان کے چیدہ اہل علم میں سے ہیں اور اسلامی ادبیات اور علوم مشرقی پر ان کی نظر بہت گہری ہے ان کے علمی کارنامے مشرق و مغرب میں یکساں طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں ۔ اگرچہ انہوں نے پاکستان کو مکانی طور پر خیرباد کہہ دیا ہے لیکن اردو زبان سے ان کا جو گہرا تعلق ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا اور اس کا ایک ثبوت زیر نظر کتاب ہے، جس کی نظرثانی میں انہوں نے اپنے وقت عزیز کا بہت سا حصّہ صرف کیا ہے، ڈاکٹر صاحب کی اس کاوش کی وقعت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھیں کہ اس کام کا انہوں نے کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا یہ ایک ایسا ایثار ہے جس کی مثال فی زمانہ ملنی مشکل ہے۔ خطبات و مقالات کی اولین اشاعتوں میں بابائے اردو کے بہت سے حواشی تھے، جن میں سے بعض موجودہ اشاعت سے حذف کردئے گئے ہیں کیوں کہ متن کی نظرثانی کے بعد بعض مقامات سے وہ اغلاط رفع ہوگئی ہیں جن کی وجہ سے وہ حواشی لکھے گئے تھے ۔

بابائے اردو خطبات و مقالات کی موجودہ اشاعتوں پر ایک طویل دیباچہ لکھنے کا خیال رکھتے تھے، انہوں نے سابقہ اشاعتوں کے اغلاط کی خاص طور پر نشان دہی کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔ لیکن

آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

۱۹۶۳ء

THE STUDENT'S STANDARD ENGLISH - URDU DICTIONARY

by

BABA-E-URDU

Dr. Moulvi Abdul Haq

آٹھویں اشاعت

آٹھویں اشاعت

کہنے کو تو یہ آٹھویں اشاعت ہے لیکن پاکستان میں اس کاغذ پر یہ لغت پہلی بار چھپ رہی ہے۔

انیس سو ساٹھ میں چھٹی اشاعت کے بعد تین برس گزر گئے لیکن اس کی مزید اشاعت کی نوبت نہ آئی۔ انجمن کے حالات سخت خراب تھے اور طلبا، اساتذہ اور دیگر اہل علم کے بے حد اصرار کے باوجود مزید چھپائی کا کام ہونے نہیں پایا۔ انجمن ایک طرح معطل پڑی تھی۔ بابائے اردو بدحال، بیمار اور پریشان تھے۔ یہاں تک کہ انیس سو اکسٹھ میں وہ انتقال فرماگئے۔

انجمن کی تنظیم نو انیس سو باسٹھ کے جون میں ہوئی اور جناب اختر حسین ہلال پاکستانؒ کے صدارت کے فرائض سنبھالے تو پہلی توجہ اس لغت کی اشاعت پر دی جس کے نتیجے میں مقامی کاغذ پر ساتواں ایڈیشن نومبر انیس سو تریسٹھ میں ہی شائع کردیاگیا۔ لیکن یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ لغات موٹے کاغذ پر نہیں چھاپی جاتیں کیوں کہ اس طرح ان کا وزن بہت زیادہ ہوجاتا ہے مشکل یہ تھی کہ پاکستان میں لغت کے کاغذ کی درآمد ممنوع تھی اور انجمن، مسلسل کوششوں کے باوجود مطلوبہ کاغذ منگانے میں ناکام رہی تھی۔ یہ جناب اختر حسین صاحب کے ذاتی اثرورسوخ اور ان تھک محنت کا نتیجہ ہے کہ حکومت نے بطور خاص انہیں یہ کاغذ منگانے کی اجازت دی۔ ان ہی کی ہمت اور استعداد سے ضروری سرمایہ فراہم ہوا اور ان ہی کی دل چسپی سے یہ اشاعت ظہور پذیر ہوئی۔ پہلے امید تھی کہ ساتویں اشاعت میں مقامی کاغذ اور اس کاغذ پر بہ یک وقت لغت کا شائع کرنا ممکن ہوگا

اسی لیے اس امر کا تذکرہ ساتویں اشاعت کے دیباچے میں کردیا گیا تھا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب یہ اشاعت مکمل ہوگئی ہے۔

اس اشاعت میں بھی بابائے اردو مرحوم کا ایک مختصر سا پیش لفظ شامل ہے جو اس نسخے کے مستند ہونے کی دلیل بھی ہے اور ہمارے لیے تبرّک کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

آٹھویں اشاعت ۱۹۶۵ء

تذکرہ اہل دہلی

مصنفہ

سر سیّد احمد خاں

مرتبہ

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی مرحوم

پہلا ایڈیشن

تماشا دیکھئے کہ آثار الصنادید کا یہ چوتھا باب خود سر سید مرحوم نے اپنی کتاب کی دوسری اشاعت سے خارج کر دیا تھا مگر اہل تحقیق کی جستجوئیں اسے پھر دنیائے اشاعت میں کھینچ لائیں ۔ جناب قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی مرحوم کا ایک مختصر سا دیباچہ اس معاملے پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے ۔

آثار الصنادید اب خود آثار و نوادر میں شامل ہو گئی ہے اس لیے یہی غنیمت ہے کہ اس کے جو ابواب بھی طالبان علم تک پہنچ سکیں، پہنچا دیے جائیں ۔ یہ تذکرہ اپنی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر کافی مقبول ہوا ہے اور اب اس کی تاریخی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے ۔ اس لیے انجمن اسے دوبارہ چھاپ رہی ہے ۔

قاضی صاحب مرحوم نے پہلی اشاعت کے دیباچے میں ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ دوسری اشاعت میں حواشی کا اضافہ کریں گے لیکن اب کہ اشاعت ثانی کی نوبت آئی تو وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ، اسی مجبوری کی بنا پر یہ اشاعت پہلی اشاعت سے مختلف نہیں ۔ سوائے اس کے کہ اس میں کتابت کی غلطیاں مقدور بھر دور کر دی گئی ہیں اور غلط نامہ کے چند صفحات کم ہو گئے ہیں ۔

جس دلّی کا یہ تذکرہ ہے وہ مولانا حالی کی دہلی مرحوم سے بھی پہلے کی دلّی تھی یعنی اس وقت جب اس کے کوچے اوراق مصوّر تھے ۔

اس لحاظ سے یہ کتاب ان لوگوں کے لیے بھی دل چسپ ہوگی جنہیں صرف تصویریں دیکھنے کا شوق ہے ۔

۱۹۶۵ء

محمد حسین آزاد

حیات اور تصانیف

(حصۂ اول)

حیات

ڈاکٹر اسلم فرّخی
ایم اے - پی ایچ ڈی

پہلا ایڈیشن

ہر سال بہت سے اہل تحقیق برصغیر کی یونیورسٹیوں سے علمی مقالات پر پی۔ایچ۔ ڈی کی اسناد حاصل کرتے ہیں لیکن عام طور پر یہ علمی مقالات شائع ہو کر منظر عام پر نہیں آتے ۔ ان کے مسودات متعلقہ یونیورسٹیوں کے کتب خانوں میں دفن ہو جاتے ہیں ۔

تنظیم نو کے بعد انجمن نے فیصلہ کیا کہ ایسے مقالات کو بطور خاص انجمن کے اشاعتی منصوبوں میں شامل کیا جائے تاکہ اہل علم کے نتائج تحقیق سے استفادے کا دائرہ وسیع تر ہو جائے ۔ زیرنظر مقالہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے ۔ ڈاکٹر اسلم فرّخی صاحب کو اس مقالے پر ۱۹۶۳ء میں کراچی یونیورسٹی سے پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی سند ملی تھی ۔

مولانا محمد حسین آزاد کی جامع شخصیت جدید اردو ادب کا حرف آغاز ہے انہوں نے اردو ادب کو نظم ونثر کے ذریعے جو لازوال خزانے عطا کیے ان کی یاد میں مہدی افادی نے انہیں آقائے اردو کا خطاب دیا تھا۔ آزاد پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ان کی شخصیت اور ادبی کارناموں پر ایک جامع کتاب کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی جو اب اسلم فرّخی صاحب نے پوری کی ہے ۔

چوں کہ یہ مقالہ خاصا طویل ہے اس لیے اسے دو جلدوں میں شائع کیا جا رہا ہے ۔

ڈاکٹر اسلم فرّخی کی محنت کی قانونی داد تو کراچی یونیورسٹی سے مل گئی ، لیکن انہوں نے جس طرح آزاد کو سمجھا اور پرکھا ہے اس کی داد یہ مقالہ

آپ ہے ۔ کام کرنے والے اپنی لگن کو ہی سب سے بڑا انعام جانتے ہیں ۔ ہماری تشفی کو بھی کافی ہے کہ ہم نے اس قابل قدر کام کی ضخامت سے خوف نہ کھایا اور اسے شائع کرکے دم لیا ۔

۱۹۶۵ء

مخطوطات انجمن ترقی اردو

(اردو)

جلد اول

مرتبین

افسر صدیقی امروہوی

سید سرفراز علی رضوی

پہلا ایڈیشن

انجمن ترقی اردو کا کتب خانہ خاص پاکستان کے غیر سرکاری کتب خانوں میں سب سے بڑا ہے ۔ اس میں مخطوطات کا ذخیرہ بھی خاصا وقیع ہے ۔ بابائے اردو مرحوم نے بارہا کوشش کی کہ اس کتب خانے کی مکمل فہرست مع جملہ تفصیلات تیار ہو جائے، مگر انجمن کے حالات نے ان کا یہ خواب ان کی زندگی میں تعبیر نہ ہونے دیا ۔ انجمن کی تنظیم نو کے بعد اس مسئلے پر خاص توجہ دی گئی جس کے نتیجے میں مطبوعات کی فہرست ترتیب دی جاچکی ہے اور مخطوطات کی فہرست پر کام قریب الختم ہے ۔

ہمارا نصب العین تو یہ ہے کہ آہستہ آہستہ جملہ مخطوطات کو شائع کردیا جائے، مگر اس کے لیے کثیر سرمائے اور وقت کی ضرورت ہے اس لیے ہم نے اپنی محدودات کے پیش نظر یہ کوشش کی کہ جتنا کام ہوتا جائے اسے انجمن کے جریدے " قومی زبان" کے ذریعے اردو دوستوں تک برابر پہنچاتے رہیں اس طرح کسی حد تک مخطوطات بھی پردۂ اخفا سے باہر آتے جائیں گے اور ان پر اہل علم کے مشورے بھی حاصل کئے جاسکیں گے ۔

زیر نظر فہرست اردو مخطوطات کی ہے ۔ آخر میں تمام اردو مخطوطات کی اجمالی فہرست موضوع وار دے دی گئی ہے جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس وقت انجمن کے کتب خانے میں مجموعی طور پر اردو مخطوطات کی تعداد کیا ہے اور وہ کس کس موضوع سے متعلق ہیں ۔ یہ اجمالی فہرست مولوی سرفراز علی رضوی صاحب نے مرتب کی ہے ۔ اس کے بعد وضاحتی فہرست ہے جس میں

ہر مخطوطے کے بارے میں وہ تمام معلومات جمع کر دی گئی ہیں جن کا جاننا ضروری ہے ۔ فاضل مرتب جناب افسر امروہوی نے اس باب میں بے مثال محنت کی ہے ۔ انھوں نے ہر مخطوطے کے مضامین کا خلاصہ دینے کے ساتھ ساتھ مصنف کے حالات ، کتاب کی ادبی حیثیت اور اس کے ماخذوں پر بھی مختصر بحث کی ہے ، اور یہ بھی بتایا ہے کہ متعلقہ مخطوطے کے دوسرے نسخے ان کے علم کے مطابق اور کس کتب خانے میں موجود ہیں ۔ یہ کام نہ صرف جگر کاوی کا تھا ، بلکہ اسے سرفراز علی صاحب رضوی ، مہتمم کتب خانہ خاص جیسے صاحب ہمت اور افسر امروہوی صاحب جیسے صاحب درک اور صاحب استحضار بزرگ ہی پورا کرسکتے تھے ۔ اب ایسی لگن اور یادداشت کے بزرگ کم نظر آتے ہیں ۔ انجمن ان حضرات کی ممنون ہے کہ انھوں نے ہمارے ایک اہم منصوبے کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے ۔

چوں کہ تمام مخطوطات کی فہرست ایک جلد میں چھاپنی ممکن نہ تھی اور اس کے لیے بہت انتظار کرنا پڑتا اس لیے یہی مناسب سمجھا گیا کہ جتنا کام ہوچکا ہے اسے علم دوستوں تک جلد سے جلد پہنچا دیا جائے ۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور مناسب وقفوں کے بعد دوسری جلدیں بھی شائع ہوتی جائیں گی ہمارا ارادہ ہے کہ اردو مخطوطات کی فہرست مکمل ہوجانے کے بعد فارسی اور اس کے بعد عربی مخطوطات کی فہرستیں بھی شائع کر دی جائیں ۔

۱۹۶۵ء

پشتو شاعری

مؤلفین

فارغ بخاری
رضا ہمدانی

پہلا ایڈیشن

بلوچی، پنجابی، پشتو، سندھی کو علاقائی زبانیں کہہ کر سرپرستانہ رویہ اختیار کرلینا انہیں بزرگوں کو زیب دیتا ہے جو ادب کو کسی قومی یا بین الاقوامی زبان ہی کی میراث سمجھتے ہوں ـ بڑا ادب ایسی زبان میں بھی پیدا ہوتا ہے، جس کے بولنے والوں کی تعداد بھی بڑی نہ ہو اور بڑی زبانیں بعض اوقات صدیوں تک بڑا ادب پیدا نہیں کرتیں ـ خود انگریزی میں شیکسپئر جیسا عظیم ادیب اس وقت پیدا ہوا جب انگریزی بولنے والوں کی تعداد آج کے مقابلے میں تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی اور اب کہ برطانیہ، آئرلینڈ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور ماشاءاللہ ہندوستان، پاکستان، برما اور سیلون قومی اور سرکاری طور پر انگریزی زبان رکھتے ہیں، کہیں آدھا شیکسپئر بھی نظر نہیں آتا ـ عربی زبان جب عظیم ادب پیدا کر رہی تھی اس وقت اس کے بولنے والوں کی تعداد آج کے سندھی یا پشتو بولنے والوں سے نصف بلکہ اس سے بھی کم تھی ـ

اس میں شک نہیں کہ اس کتاب کا مقصد ایک قدیم اور زندہ زبان کی تاریخ اور منتخبات کو قومی زبان اردو میں منتقل کرنا ہے اور اس میں یہ فائدہ بھی مضمر ہے کہ دوسری علاقائی زبانیں جاننے والے جو براہ راست پشتو ادب سے مستفید نہیں ہوسکتے، اردو کے ذریعے اس بے بہا سرمائے کو حاصل کرسکیں گے، لیکن بنیادی طور پر ہماری یہ پیشکش ادبی ہے ـ زیادہ صاف الفاظ میں ہم نے کوشش کی ہے کہ پشتو کے منتخب شعری شعری ادب سے اردو جاننے والوں کو روشناس کرایا جائے

اب اگر اس سے بقول حالی " آپس میں محبت زیادہ بڑھ جائے" تو وہ مستزاد ہے ۔ انجمن نے کئی غیر ملکی زبانوں کے تراجم بھی خالص ادبی نقطۂ نظر سے چھاپے ہیں ۔

اس کتاب کے مؤلفین نے جو محنت کی ہے، اس نے انہیں مصنفین کے درجے تک پہنچا دیا ہے (یہ الگ بات ہے کہ یہ دونوں حضرات اپنی اپنی جگہ مسلمہ مصنفین بھی ہیں) بعض اوقات اچھے اچھے نقاد یہ کہتے ہیں کہ شعر کا ترجمہ شعر میں ناممکن ہے۔ اس کتاب کے ترجمے اس دعوے کی بڑی حد تک تردید کرتے ہیں۔ ہاں، یہ ماننا پڑے گا کہ فارغ بخاری اور رضا ہمدانی جیسے "تخلیقی مخلص" اور محنتی مترجمین ترجمے کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں، ورنہ آج خود اردو میں اچھے شعری ترجموں کی تعداد کافی ہوتی ۔

مؤلفین نے نہ صرف اعلی پشتو شاعری کے اعلی اور موثر ترجمے کیے ہیں بلکہ بہ حیثیت مجموعی پشتو شاعری کا سیر حاصل احاطہ بھی کرلیا ہے۔ انہوں نے اس کے مختلف ادوار اور ان کے مشاہیر کا مبسوط تعارف کرایا ہے، انتخابات پیش کیے ہیں اور پشتو شاعری کی جملہ اصناف گنوائی ہیں ۔ ان کا عالمانہ مقدمہ نہ صرف پشتو شاعری بلکہ خود پشتو زبان کے بارے میں ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے، چوں کہ بدقسمتی سے ہم کو پشتو زبان اور اس کی تاریخ کا ادراک نہیں، اس لیے ہم مؤلفین کی تحقیق و آراء کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، مگر یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے اس باب میں بھی بڑی محنت کی ہے ۔

امید ہے کہ اہل علم و نظر اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے ۔

۱۹۶۶ء

ہفت مقالہ

(فارسی زبان و ادب)

فارسی زبان و ادب پر مجلۂ اردو
میں شائع شدہ مضامین کا انتخاب

مرتبہ

سید حسام الدّین راشدی

پہلا ایڈیشن

پہلا ایڈیشن

اس بار انجمن کے اشاعتی پروگرام میں ہربنائے محبت کچھ نہایت مفید اضافے کیے گئے ہیں –

ایران اور پاکستان کے ثقافتی روابط نہ صرف بہت پرانے ہیں، بلکہ پاکستان پر ایران کی زبان اور تہذیب نے جو گہرے اثرات مرتب کیے ہیں ان سے ساری دنیا واقف ہے –

ان قدیم روابط کے علاوہ پاکستان اور ایران کی مسلسل اور مستحکم دوستی بھی ضرب المثل ہوگئی ہے – جب سے پاکستان وجود میں آیا ہے دونوں ملکوں کے عوام میں ایک دوسرے کے لیے خلوص اور خیرسگالی کے جذبات روز بروز بڑھتے جاتے ہیں – اس کے ساتھ ساتھ خوش قسمتی سے دونوں ملکوں کی حکومتیں بھی ایک دوسرے کی بہترین دوست ثابت ہوئی ہیں اور باہمی اعتماد کی فضا میں ہرجہتی تعاون کے نئے نئے منصوبوں پر عمل کرتی رہتی ہیں –

ایران کے حکمران اور اہل پاکستان سے جیسی محبت کرتے ہیں اس کا ایک روشن ثبوت ہمیں اس وقت بھی ملا جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کردیا تھا۔ اس وقت ایران نے جس جرأت اور ہمدردی سے پاکستان کا ساتھ دیا تھا پاکستان کے لوگ اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتے –

ہمارے لیے یہ بڑے فخر اور خوشی کی بات ہے کہ آج ایران اور پاکستان کی دوستی دنیا بھر میں ایک مثال کے طور پر پیش کی جاتی ہے –

۲۶ اکتوبر کو ہمارا محبوب ، باوفا اور مضبوط

دوست ایران اپنے سربراہ ، اعلیٰحضرت شہنشاہ رضا شاہ پہلوی کا جشن تاج پوشی منا رہا ہے اور ہماری حکومت اور عوام اور ہمارے تہذیبی ادارے اپنے ہمسائے کی تقریب میں اپنے اپنے طور سے شریک ہو رہے ہیں ۔

اس موقع پر انجمن بھی چند کتابیں شائع کر رہی ہے جو انجمن کے فارسی مخطوطات سے ترتیب دی گئی ہیں۔ اردو، فارسی کا جو رشتہ ہے اس کی تفصیل بیان کیے بغیر یہ عرض کر دیا جائے کہ انجمن کے پاس نہ صرف بہت سی کم یاب فارسی مطبوعات موجود ہیں، بلکہ ایسے فارسی نوادر بھی محفوظ ہیں جو اردو کے ماخذ پر کام کرنے میں نہایت مفید ثابت ہوئے ہیں ۔

اس موقع پر یہ مناسب سمجھا گیا کہ اہل ایران کی خوشنودی خاطر کے لیے ان ہی کی زبان میں چند کتابیں پیش کی جائیں جن سے ہمارے اور ان کے قدیم روابط کی مزید یادیں اجاگر ہوجائیں، چناں چہ مندرجہ ذیل کتابیں شائع کی جا رہی ہیں ۔

تذکرہ ہمیشہ بہار

اس کے مولف کشن چند اخلاص ہیں، جنھوں نے بارھویں صدی ہجری کی ابتدا میں شعرائے فارسی پر کام کیا تھا ۔ اس تذکرے کو ہمیشہ سے ایک خاص اہمیت حاصل ہے کیوں کہ اس میں مصنف نے اپنے معاصرین کے حالات جمع کیے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ مولف نے اپنے پیش رو تذکرہ نگاروں سے استفادہ کیا ہے، لیکن خود انھوں نے بہت سی قابل قدر معلومات کا بھی اضافہ کیا ہے ۔ اس تذکرے میں تین سو سے زیادہ شعرا کا ذکر ہے ۔

جس نسخے کی بنیاد پر اس کا متن تیار ہوا ہے

اس کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ خود مولف کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔ اسے ڈاکٹر وحید قریشی نے بڑی محنت سے مرتب کیا ہے۔ بعض وجوہ سے مخطوطے کا پورا متن شائع کرنا ممکن نہ تھا اس لیے فی الحال ایک تہائی حصّہ چھپ رہا ہے۔ اور اس طرح بہت قیمتی معلومات کی چند زریں جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ تذکرے کا یہ حصّہ رسالہ "اردو" کے اس خاص نمبر میں شامل ہے، جو فارسی زبان و ادب سے متعلق ہے۔ یہ تذکرہ کتابی صورت میں بھی عنقریب شائع ہوجائے گا۔

تذکرہ گلشن ہمیشہ بہار

اسے نصر اللّٰہ خاں خویشگی نے ۱۸۵۲ میں تالیف کیا تھا اور یہ اسی سال شائع بھی ہوگیا تھا، لیکن پھر یہ تذکرہ ایسا معدوم ہوا کہ بہت سے اہل علم نے تو اس کے وجود ہی سے انکار کردیا۔ اس اعتبار سے اس تذکرے کی اشاعت ایک طرح کی ادبی بازیافت ہے۔ اس میں بیشتر شعرائے اردو کا ذکر ہے، لیکن ضمنی طور پر ان فارسی گو شعرا کے حالات بھی آگئے ہیں جن کے حوالے بہت سے دوسرے تذکروں میں نہیں ملتے۔ اس کے مرتب ڈاکٹر اسلم فرخی ہیں۔

فارسی زبان و ادب

انجمن کا سہ ماہی "اردو" گزشتہ پینتالیس برس سے شائع ہو رہا ہے اور اس میں فارسی زبان و ادب کے متعلق بہت سے مقالات شائع ہوئے ہیں "اردو" کی پرانی جلدیں تقریباً نایاب ہوگئی ہیں۔ اس کے علاوہ ان مضامین کی افادیت آج بھی نہ صرف برقرار ہے، بلکہ

بڑھ گئی ہے، چناں چہ انجمن نے طے کیا کہ ان مضامین کا ایک انتخاب شائع کردیا جائے اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے محترم پیرحسام الدین راشدی نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس معاملے میں ہماری معاونت کی ۔ یہ انتخاب انھوں نے بڑی محنت اور توجہ سے فرمایا ہے ۔

فہرست مخطوطات فارسی

انجمن کے کتب خانۂ خاص میں اردو مخطوطات کے علاوہ فارسی اور عربی مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ بھی موجود ہے اور ان میں سے بیشتر مخطوطات اپنی قدامت، موضوعات اور روش تحریر کی بنا پر تاریخی اہمیت رکھتے ہیں ۔ انجمن نے طے کیا کہ ان کی وضاحتی فہرست شائع کردی جائے، لیکن مزید جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ابھی اس کام کی تکمیل میں وقت لگے گا لیکن ان مخطوطات کی ایک اجمالی فہرست بھی اہل علم کے لیے کوئی چھوٹی موٹی خوش خبری نہیں ہے۔ یہ فہرست چوں کہ پہلی بار شائع کی جارہی ہے اس لیے اس کی اہمیت و افادیت کے اثرات آہستہ آہستہ ظاہر ہوں گے فی الحال تو فارسی دانوں اور فارسی پر کام کرنے والوں کے لیے یہ ایک چونکا دینے والے انکشاف کی حیثیت سے پیش کی جا رہی ہے ۔

امید ہے کہ ایران اور پاکستان کے اہل نظر ان کتابوں کو پسند کریں گے اور بطور خاص ایران کے دوست ، انجمن کے اس اقدام کو ہمارا خراج عقیدت سمجھ کر قبول فرمائیں گے ۔

ع یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر

واضح رہے کہ انجمن ان کتابوں کی اشاعت کی ضرور ذمہ دار رہی ہے۔لیکن اصل میں اس موقع پر ان کی ترغیب اشاعت کا سہرا ہمارے دو اراکین منتظمہ کے سر ہے جو اپنی ذاتی حیثیتوں میں بھی ملک کے جید اہل علم میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ دو حضرات جناب ممتاز حسن اور جناب پیر حسام الدین راشدی ہیں جو فارسی زبان سے بے حد شغف رکھنے کے ساتھ ساتھ پاک ایران ثقافتی تعلقات کے فروغ میں نمایاں کارکن ثابت ہوئے ہیں۔ ان ہی حضرات کی تحریک پر صدر انجمن جناب اختر حسین نے مہلت کم ہونے کے باوجود ان کتابوں کی ترتیب و اشاعت پر توجہ فرمائی اور یوں انجمن کے اشاعتی منصوبوں میں یہ قابل قدر اور یادگار اضافے ہوئے۔

ان حضرات کا تعاون انجمن کے اہم ترین اثاثوں میں شمار ہوتا ہے۔

یہ "حرفے چند" انجمن کی مندرجہ بالا دوسری دو اشاعتوں یعنی "گلشن ہمیشہ بہار" اور "مخطوطات انجمن ترقی اردو (عربی ـ فارسی) میں مشترک ہے جو اسی موقع پر حکومت کی ہدایت کے مطابق شائع کی گئی تھیں ... چناں چہ اسے اس کتاب میں دہرایا نہیں جارہا۔

۱۹٦۷ء

نوٹ۔ یہ "حرفے چند" انجمن کی مندرجہ بالا دوسری دو اشاعتوں یعنی "گلشن ہمیشہ بہار" اور "مخطوطات انجمن ترقی اردو" (عربی ـ فارسی) میں مشترک ہے جو اس موقع پر حکومت کی ہدایت کے تحت شائع کی گئی تھیں۔ چناں چہ اسے اس کتاب میں دہرایا نہیں جارہا۔

ابیات سلطان باہو

(منظوم ترجمہ)

عبدالمجید بھٹی

پہلا ایڈیشن

سلطان باہو کا جو مقام پنجابی ادبیات میں ہے اردو داں طبقہ اس سے واقف ہوتا جارہا ہےاور انجمن نے یہ ضروری سمجھا کہ ان کے کلام کا منظوم ترجمہ پنجابی متن کے ساتھ شائع کیا جائے ۔

ہم نے ملک کے مشہور شاعر عبدالمجید بھٹی کا یہ ترجمہ چند برس پہلے حاصل کرلیا تھا لیکن بعض ناگزیر دشواریوں کی وجہ سے اس کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی جس کے لیے ہم مترجم اور قارئین سے معذرت خواہ ہیں ۔

عبدالمجید بھٹی پنجابی اور اردو دونوں زبانوں کے کہنہ مشق شاعر ہیں اور اس لیے دونوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہیں ۔ اردو تخلیقات کے علاوہ انھوں نے پنجابی کلاسیکی شاعری کو اردو میں منتقل کرنے کی کئی کامیاب کوششیں کی ہیں ۔ انھوں نے شاہ حسین کی کافیوں کا ایک نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہےاور بابافرید کے کلام کا ایک مشہور و مستند ترجمہ بھی انھی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے ۔

سلطان باہو کی عظمت کے پیش نظر ہم یہ تو نہیں کہتے کہ زیرنظر ترجمہ اصل سے بڑھ گیا ہے یا اصل کی طرح ہے لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ جناب عبدالمجید بھٹی صاحب نے اس ترجمے میں اپنی فنی مہارت اور تخلیقی قوتوں سے پوری طرح کام لیا ہے ۔ یقیناً سلطان باہو کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ان کی سادگیٔ اظہار ہے ۔ وہ تصوف کی مشکل اور غریب اصطلاحات بہت کم استعمال کرتے ہیں اور مشکل

سے مشکل مطالب کو آسان انداز میں بیان کرتے ہیں ۔
لیکن مترجم کے لیے بھی مقامات دشوار ترین ہوتے ہیں اور وہ اکثر اوقات ترجمے کی محدودات میں پھنس کر اپنے بیان میں الجھ جاتا ہے ۔ قارئین ملاحظہ کریں گے کہ جناب عبدالمجید بھٹی ایسے کئی مشکل مقامات سے آسان گزرے ہیں ۔

چوں کہ ہم نے کلام باہو کو پنجابی ادبیات میں اس کی مسلّمہ اہمیت کی بنا پر ترجمے کے لیے انتخاب کیا ہے اس لیے ہم فلسفہ ، تصوف اور اس کے باب میں سلطان باہو کے ارشادات پر گفتگو نہیں کریں گے ۔ تصوف بجائے خود ایک بہت وسیع مضمون ہے اور اس میں شک نہیں کہ سلطان باہو ایک صوفی کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں مگر ہمارا بنیادی مقصد ان جیسے عظیم پنجابی شاعر کو اردو دانوں سے تفصیل کے ساتھ متعارف کرانا ہے ۔ انجمن عبدالمجید بھٹی صاحب کی نہایت ممنون ہے کہ انھوں نے یہ مشکل کام سر انجام دیا ۔

امید ہے کہ اہل نظر اس ترجمے سے لطف اندوز ہوں گے ۔

۱۹۶۷ء

مخطوطات انجمن ترقی اردو

(اردو)

جلد دوم

مرتبہ

افسر صدیقی امروہوی

پہلا ایڈیشن

یہ کتاب ہمارے سلسلۂ مخطوطات کی دوسری جلد ہے۔
انجمن کے کتب خانہ خاص میں تین ہزار سے زیادہ مخطوطات محفوظ ہیں جن میں سے بیشتر تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، چوں کہ ان کی اشاعت کا انتظام نہیں ہوا ہے، اس لیے دور دراز کے کام کرنے والے ان سے قرار واقعی استفادہ نہیں کرسکتے ۔
انجمن کی تنظیم نو کے بعد ہم نے ان مخطوطات کی وضاحتی فہرستیں ماہ بماہ "قومی زبان" میں چھاپنی شروع کیں تاکہ جس حد تک ممکن ہو اردو پر کام کرنے والوں کے لیے معلومات فراہم ہوتی رہیں، ساتھ ہی ساتھ ہم نے یہ طے کیا کہ ایک ایک دو دو برس کے بعد وضاحتی فہرستیں کتابی صورت میں شائع کر دی جائیں۔ اس سلسلے کی پہلی جلد ۱۹۶۵ء میں چھپ چکی ہے اور اسے علمی و ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا ہے ۔
خوش قسمتی سے پہلی جلد کے مرتّب جناب افسر امروہوی اس دوران انجمن ہی سے وابستہ رہے اور انہوں نے محنت شاقہ کے بعد دوسری جلد بھی مرتّب کر لی جو آپ کے سامنے ہے ۔ اس جلد میں ۱۸۲ مخطوطات پر وضاحتی مواد مرتّب کیا گیا ہے۔ یہ مخطوطات مذہب اسلام سے متعلق ہیں ۔ ہم یہ دعوی نہیں کرسکتے کہ یہ تمام مخطوطات اب تک غیر مطبوعہ رہے، کیوں کہ اب تک اردو کی کوئی مستند قاموس مکمل نہیں ہوسکی جس کے ذریعے تمام چھپی ہوئی کتابوں کا پتہ چلا لیا جائے۔ انجمن خود ایک قاموس مرتّب کررہی ہے جس کی پہلی جلد شائع ہوچکی اور دوسری جلد شائع ہونے والی ہے، لیکن ابھی

بہت کام ہونا باقی ہے ۔
آہ کو چاہئیے اک عمر اثر ہونے تک
بہرحال یہ طے ہے کہ انجمن کی عمر بہت لمبی ہے اور اثر کا وقت آکو رہے گا لیکن جب تک وہ وقت آئے ہم بڑے بڑے دعووں سے گریز ہی کریں گے ۔

مثلاً ص ۱۹۴ پر آپ ایک کتاب کا ذکر دیکھیں گے "فیوچر آف اسلام" ۔ یہ ایک ترجمہ ہے جس کا سنہ کتابت ۱۸۸۵ء ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ یہ کتاب میرٹھ سے چھپی تھی لیکن آج وہ کتاب نایاب ہو چکی ہے اور اس مخطوطے کی حیثیت اصل مسودے کی سی کہی جاسکتی ہے ۔

"سب رس" کبھی کی چھپ چکی ہے لیکن جو مخطوطے ہمارے پاس ہیں، وہ چند ایسی خصوصیات کے حامل ہیں جن کے سبب ہم نے ان کا تذکرہ مفید خیال کیا ۔ امید ہے کہ "سب رس" پر کام کرنے والے اپنی تحقیق کے سلسلے میں ان معلومات کو بھی ملحوظ رکھیں گے ۔

ایسی چند مستثنیات کے علاوہ بہت سے مخطوطے شاید اردو میں پہلی بار ہمارے ذریعے روشناس ہو رہے ہیں ۔ اردو زبان و ادب اور عام طلبائے لسانیات کے لیے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، بیشتر "غیر مشاہیر" کی محنت اور ان کے انداز بیان ایک الگ لطف پیدا کرتے ہیں ۔

چوں کہ تیسری جلد کی ترتیب مکمل ہو چکی ہے اس لیے اس کی اشاعت میں زیادہ وقت نہیں لگے گا ۔ ہمیں امید ہے کہ اس سلسلے کی افادیت کے پیش نظر تمام مخطوطات کی وضاحتی فہرستیں کتابی صورت میں شائع ہوں گی ۔ انشا اللہ ۔

ابھی یہ سلسلہ اردو تک محدود ہے، انجمن کے کتب خانہ خاص میں عربی اور فارسی کے بہت سے مخطوطات

بھی موجود ہیں اور اپنی جگہ بہت قیمتی اور اہم ہیں۔
ہماری آرزو ہے کہ ایک دن ان کی فہرستیں بھی شائع
کر دی جائیں ۔

یقیناً اصل کام ابھی شروع نہیں ہوا، یعنی ابھی
ہم نے منتخبہ مخطوطات کی اشاعت شروع نہیں کی ۔ اس
سلسلے میں جو محنت ضروری ہے انجمن اس کے لیے تیار
ہے لیکن

زر می طلبد ، سخن درین ست

ہماری خواہش تو یہ ہے کہ مخطوطات چن کر ان کی
عکسی کتابیں چھاپی جائیں تاکہ قارئین کتابی مواد کے
ساتھ ساتھ مختلف زمانوں کے خط اور املا کا لطف
بھی اٹھا سکیں ۔ اصل بہ شکل اصل سامنے آجائے اور
جو فیض ہمارے پاس آج محفوظ ہے وہ عام ہوجائے، لیکن
ہم جانتے ہیں کہ ابھی کچھ مدت تک ہم اس خواہش کو
صرف خواہش کے طور پر ہی زندہ رکھ لیں تو بڑی بات
ہے ۔

بہرصورت یہ طے ہے کہ ہم مخطوطات مکمل طور پر
چھاپیں گے اور انشا اللہ یہ بھی بہت جلد ممکن ہو
جائے گا ۔ فی الحال تو

ع یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر

۱۹۶۷ء

THE STANDARD

ENGLISH - URDU DICTIONARY

EDITED BY

BABA-E-URDU DR. ABDUL HAQ

SECOND EDITION
1968 A.D
1388 HIJRI

اشاعت ثانی کے سلسلے میں پہلے تو ہمیں اس کی طباعت کے بارے میں چند باتیں عرض کرنی ہیں ۔ پھر یہ بتانا ہے کہ اس اشاعت میں اشاعت اول پر کیا اضافے کیے گئے ہیں ۔

یہ لغت ۱۹۲۷ء میں یعنی آج سے اکتیس برس پہلے چھپی تھی ۔ اس پر کوئی چودہ پندرہ برس کام ہوا تھا۔ اس کے مرتب کرنے والے بڑی اہلیت اور علم رکھتے تھے ۔ کام کے نگران اور لغت کے مدیر اعلی خود بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم تھے ۔ چناں چہ یہ لغت انگریزی ۔ اردو کی سب سے بڑی اور مستند لغت قرار دی گئی ۔ اسے برصغیر پاک وہند میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور بیرونی ممالک کی جامعات اور دفاتر میں بھی جہاں اردو کا چرچا ہے یہی لغت رائج ہوئی ۔

مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہ کم یاب اور پھر نایاب ہوگئی ۔ ۱۹۳۹ء میں جنگ عظیم کے شروع ہونے سے آج تک زرمبادلہ پر پابندیاں جاری ہیں اور یہ کاغذ جو بائبل پیپر کہلاتا ہے خصوصی درآمدی اجازت نامے کے بغیر باہر سے نہیں منگایا جاسکتا ۔ ادھر آزادی کے ہنگاموں نے انجمن ترقی اردو اور خود بابائے اردو کو طرح طرح کے نامساعد حالات سے گزرنے پر مجبور رکھا ۔ جب وہ کراچی میں کسی قدر اطمینان سے بیٹھے تو اس پر نظرثانی کا منصوبہ بنایا ۔ مگر بہت دن تک وہ انجمن کے تنظیمی معاملات ،مالی مشکلات اور دیگر اہم منصوبوں میں اس طرح الجھے رہے کہ

باقاعدہ نظرثانی کا آغاز نہ ہونے پایا ۔

چوں کہ یہ لغت ایک بڑا اور مستقل مقام پیدا کرچکی تھی اور اس کی مانگ میں اضافہ ہو رہاتھا اس لیے انجمن کو آٹھ مرتبہ اس کی تلخیص چھاپنی پڑی ، جسے "اسٹوڈینٹس انگلش ۔ اردو ڈکشنری" کہا جاتا ہے۔

پھر اگست ۱۹۶۱ء میں بابائے اردو کا انتقال ہو گیا اور ایک برس بعد جناب اختر حسین،ہلال پاکستان ، نے صدر انجمن ترقی اردو ، پاکستان کا عہدہ سنبھالا۔ انھوں نے نہ صرف انجمن کی تنظیم نو کی بلکہ اس کے کئی اہم منصوبوں پر فوری توجہ بھی کی ۔ان منصوبوں میں قاموس الکتب ، وضع اصطلاحات اور کئی اہم لغات شامل ہیں ۔

پاکستان بننے کے بعد بائبل پیپر پاکستان میں کبھی درآمد نہیں ہوا تھا ۔ جس قسم کا کاغذ ہمارے اپنے کارخانے بناتے ہیں انھی پر ہمارے اخبارات ، رسائل ، کتابیں اور پڑھنے کے مواد چھپتے ہیں ۔ ہمیں اندازہ ہوا کہ اتنی بڑی لغت مقامی کاغذ پر چھاپی جائے تو نہ صرف ناگوار حد تک دبیز اور وزنی ہو جائے گی، بلکہ ایک ناقابل استعمال ذخیرہ کاغذات ہوکر رہ جائے گی ۔ چناں چہ صدر انجمن، جناب اختر حسین نے بڑی محنت اور توجہ سے حکومت پاکستان پر ثابت کیا کہ اس لغت کے واسطے بائبل پیپر کی درآمد ضروری ہے، اور حکومت نے بطورخاص اپنے ضوابط میں ترمیم کرتے ہوئے ہمیں اس کاغذ کا ایک معقول ذخیرہ درآمد کرنے کی اجازت دے دی ۔ واضح رہے کہ اس لغت کی تلخیص یعنی "اسٹوڈینٹس انگلش ۔اردو ڈکشنری" بھی جناب اختر حسین کی کوششوں سے اسی کاغذ پر چھاپی جاچکی ہے ۔

کاغذ کے ساتھ چھاپے خانے کا مسئلہ تھا ۔

یہاں بھی انھوں نے چند عمدہ جرمن مشینیں اور آلات عکاسی درآمد کیے اور انجمن کے چھاپے خانے کو جدید طباعت کے قابل بنا دیا - اس کام کے لیے جس کا بیان اتنا مختصر کیا گیا ہے انجمن کو بہت پاپڑ بیلنے پڑے -

ادھر یہ بہ ظاہر غیر علمی لیکن نہایت اہم کام ہورہا تھا، دوسری طرف انھوں نے لغت پر نظر ثانی کے مختلف امکانات پر غور و مشورہ کیا - اس لغت کی بنیاد Concise Oxford ڈکشنری تھی جس پر اب تک تین بار مکمل نظرثانی ہوچکی ہے، یعنی نہ صرف پرانے الفاظ کے مفاہیم میں بہت سے اضافے ہوچکے ہیں بلکہ ہزارہا نئے الفاظ شامل لغت ہوچکے ہیں - اگر ہم جدید ترین Concise Oxford ڈکشنری کو سامنے رکھ کر نظرثانی شروع کرتے تو کام پورا ہونے میں بہت روپیہ اور دس بارہ برس اور لگ جاتے - پھر نئے سرے سے اس کی چھپائی میں مزید وقت صرف ہوتا - چناں چہ طے کیا گیا کہ اشاعت اوّل ہی کے بنیادی الفاظ برقرار رکھتے ہوئے جس سطر میں ممکن ہو معانی و مفاہیم کا اضافہ کردیا جائے اور پھر تمام صفحات کا فوٹو لے کر آفسٹ طریق طباعت کے ذریعے چھاپ دیا جائے - اس ضمن میں مندرجہ ذیل نکات پیش نظر رہے :-

۱- درستیٔ اغلاط -
۲- معانی و مفاہیم کا اضافہ -
۳- ضمیمۂ الفاظ اور ضمیمۂ اختصارات کو جدید بنانا -
۴- کچھ نئے الفاظ و معانی کو جو متن میں نہ آسکیں ایک الگ ضمیمہ کی صورت میں شامل کردینا -

ان محدودات کے باوجود بھی کام خاصا بڑھ گیا -

ہر سطر میں اضافے کی گنجائش تو نہ نکلی پھر بھی بے شمار مقامات پر وہ معانی اور مفاہیم بڑھائے گئے ہیں جو پہلی اشاعت میں موجود نہ تھے ۔ ان کی سند بھی عموماً اسی Concise Oxford ڈکشنری سے لی گئی ہے، یعنی یہ بھی اس کی اشاعت جدید سے ترجمہ یا تلخیص کیے گئے ہیں ۔ بعض الفاظ کے مطالب میں امتداد زمانہ سے تبدیلی ہوچکی ہے، اس لیے ان کے جدید تر معانی دیے گئے ہیں، مثلاً اشاعت اول میں Covent Garden کا یہ ترجمہ تھا "لندن کا ایک چوک جہاں پہلے ایک خانقاہ تھی"۔ اس کی جگہ نئی آکسفورڈ ڈکشنری سے یہ ترجمہ رکھا گیا "لندن میں پھلوں اور ترکاریوں کا ایک بازار"۔ اشاعت اول میں Short Cut کا ترجمہ تھا "قریب کا راستہ، آڑا راستہ" وغیرہ ،، یہاں ہم نے اس لفظ کے بدلتے ہوئے معانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ اضافہ کیا " آسان حل۔" Everyman کا ترجمہ "عامی، معمولی آدمی، راہ چلتا" کیا گیا تھا ۔ محاورے کے لحاظ سے ہم نے اس سطر میں "ہرکس و ناکس" کا اضافہ کیا۔ Indian mutiny کا ترجمہ "غدر ہندی (غدر ۱۸۵۷ء)" کیا گیا تھا ۔ غالب" ۔ ترجمے کی وجہ آزادی سے پہلے کی سیاسی مجبوری تھی ۔ ہم نے اس کا بے خوف ترجمہ کیا یعنی "پاکستان و ہند کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے انگریز غدر کہتے تھے"۔ Editorial کا پہلا ترجمہ تھا "مدیریہ ، وہ مضامین جو ایڈیٹر خود لکھتے" وغیرہ ۔ ہم نے اضافہ کیا "مقالۂ افتتاحیہ ۔ اداریہ"۔

یہ تو تھیں تبدیلیوں یا اضافوں کی عمومی مثالیں ۔ اصل اضافے کم و بیش ڈھائی ہزار ہیں ۔ اب ہم ان میں سے ذیل میں متعدد عنوانات کے تحت قدرے تفصیل کے ساتھ نمونے پیش کرتے ہیں جن سے ہماری

محنت کا کچھ اندازہ ہوسکے گا:۔

(۱) معنی درست کیے گئے

	اشاعت اوّل	موجودہ اشاعت
Crossed cheque	خط کشیدہ چک جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اسی بینک کے ذریعہ سے رقم ادا ہو جس کے نام یہ چک ہے	... چک کی رقم صرف کسی حساب میں جمع ہو، نقد نہ دی جائے
Cushion tire	ٹھوس حال	(بالکل کیے ہیے گا) ربر کے ٹکڑوں بھرا ٹائر
Die is cast	معاملہ اٹل ہے	راہ عمل طے ہوچکی ہے
Die in one's shoes	مارا جانا	ظلم و تعدی سے مارا جانا
Hangar	وہ جنگل جو ڈھلوان پہاڑی پر ہو	ہوائی جہاز کے کھڑے ہونے کا سائبان
Impot	imposition (معنی نمبر ۵) کا مخفف	(بہ معنی سزا کے طور پر کام) کا مخفف
Drying oil	وہ تیل جو خشک ہوکر گاڑھے ہوجاتے ہیں۔	... وارنش بن جاتے ہیں
Come into picture	دل چسپ بنانا	کسی معاملہ میں شریک ہیں
Set up MS	(حروف سربی سے) طبع کرنا، چھاپنا	مسودہ کو ٹائپ میں جمانا
Spray-drain	وہ بدررو جو زمین میں ٹہنیاں دباکر بنائی جائے	... جو خندق کو ڈالیوں سے پاٹ کر بنائی جائے

Tame	(بول چال) باغی درخت	باغیچہ کا درخت	
Traverse sailing	پرخم رفتار	آڑی ترچھی۔۔۔رفتار	

(۲) بہتر یا مزید وضاحت کی گئی

Alsatian "السامی" کے ساتھ "السیشین (ایک قسم کا کتا)" اضافہ کیا گیا ۔

Bed pan "حاجتی" کے ساتھ "تسلا جو مریض کو بول و براز کے لیے بستر پر دیا جاتا ہے" اضافہ کیا گیا ۔

Cipher "رمزی" خط میں لکھنا نہ کہ "خفیہ" رسم خط میں لکھنا اضافہ کیا گیا۔

Dope مندرجہ متعدد معنوں کے ساتھ "اخبار نویسوں کے کام کی اطلاع" اضافہ کیا گیا

Slave-driver "غلاموں کے گروہ کا نگران" کے ساتھ "(مجازاً) سخت گیر آقا" اضافہ کیا گیا

Felon "چھلوری، انگلیڑا" کے ساتھ "ناخن کے پاس پھوڑا، وھٹلو" اضافہ کیا گیا

Field-work "عارضی قلعہ بندی، مورچہ بندی" کے ساتھ "میدانی کام" اضافہ کیا گیا۔

Fly-whisk "مکھیاں اڑانے کا ایک آلہ" کے ساتھ "مکھی مار چوری" اضافہ کیا گیا ۔

Fore-cast	"دوربینی، مستقبل کی کسی بات کا قیاس" کے ساتھ "پیش گوئی" اضافہ کیا گیا ۔
Flying fox	" بڑ باگل" کے ساتھ "پھل کھانے والی چمگادڑ" اضافہ کیا گیا ۔
Hat trick	"متواتر تین مرتبہ گیند پھینک کر آؤٹ کرنا" کے ساتھ " ایک ہی شخص کا تین گول بنانا ،تین دوڑیں جیتنا" اضافہ کیا گیا ۔
Immediate	"بلاواسطہ ،راست" وغیرہ کے ساتھ "فوری، قریب ترین" اضافہ کیا گیا۔
Inattentive	"بے توجہ" وغیرہ کے ساتھ "غیر متوجہ" اضافہ کیا گیا ۔
Khedive	"خدیو" کے ساتھ "ترکوں کی طرف سے مصر کے وائسرائے کو دیا ہوا خطاب" اضافہ کیا گیا ۔
Labour leader	" انجمن مزدوران کا عہدیدار" کے ساتھ "مزدور رہنما" اضافہ کیا گیا۔
lemon drop	"لیموں لوز" کے ساتھ " کھٹ مٹھی گولی" اضافہ کیا گیا ۔
Limber	"لچیلا" وغیرہ کے ساتھ " پھرتیلا " اضافہ کیا گیا ۔
News-room	" (دارالمطالعے میں) اخبار کا کمرہ" کے ساتھ " اخبار پڑھنے یا اخبار کے دفتر میں خبریں مرتب کرنے کا کمرہ " اضافہ کیا گیا ۔

Photogenic	"نورخیز، تابناک" وغیرہ کے ساتھ "تصویر لینے کے قابل" اضافہ کیا گیا۔
Psilanthropism	"عقیدہ بشریت مسیح" نہ کہ "عقیدت انسانیت مسیح"
Rifle range	"چاندماری کا میدان" نہ کہ "رائفل چلانے کی مشق کا میدان"
At rest	"مطمئن، چین سے" کے ساتھ "سکون سے (اکثر مردوں کے لیے)" اضافہ کیا گیا
Out of sight	"نظر نہیں آتا" کے ساتھ "نگاہوں سے دور" اضافہ کیا گیا ہے
Solstice, Summer	"راس السرطان" کے ساتھ "(۲۱ جون)" اضافہ کیا گیا۔
Solstice, winter	"راس الجدی" کے ساتھ "(۲۲ دسمبر)" اضافہ کیا گیا۔
Take by the throat	"گلا دبانا" کے ساتھ "گلے سے پکڑنا" اضافہ کیا گیا۔
Has lost her voice	"آواز خراب ہوگئی ہے" وغیرہ کے ساتھ "آواز بیٹھ گئی ہے" اضافہ کیا گیا۔

(۲) الفاظ ساخت کیے گئے

Half truth	نیم حقیقت
Leaflet	ورقیہ
Octoberist	اکتوبری
Olympian	کوہ وقار

وظیفہ پیرسنی	Old age pension
ہجو معلنہ	Pasquinade
گروکار، مرتہن	Pawnbroker
سیلابی دروازہ	Penstock
کمال پرستی	Perfectionism
کمال پرست	Perfectionist
ناخدا	Pilot
سارق	Pirate
بچہ گاڑی	Pram
خدا مبارک کرے، مبارک ہو	Prosit
انبار پوش	Rick-cloth
تنار کش رسی	Rue-raddy
بکے سو بکے باقی واپس	Sale and return
بچت بینک	Saving Bank
دہشت گردی	Terrorism
مطلبی ثالث	Tertius gaudens
سہ رنگی طباعت	Three-Colour process
تہ گنا	Three fold
تگڈم	Three some
کلی	Tick
تندیل	Tindal
لتاڑ	Tirade
معاہداتی بندرگاہ	Treaty port
ارادی تھوک	Intention tremor
رعشہ دار خط	Tremulous line
خندقی ٹھیلہ	Trench-cart
رونگن	Tret
سطحی رو	Under-current

Wale-knot or Wall-knot	مری
Paint one with his warts	ہوبہو تصویر
Whispering-gallery	گنبد بازگشت
Wharfage	گھاٹ محصول
Wherewithal	آذوقہ

(۲) امتداد زمانہ کے مطابق معانی میں تبدیلیاں کی گئیں

Alsasia	"دریائے رائن کے مغرب کا علاقہ جو فرانس اورجرمانیا میں مابہ النزاع رہا ہے" کے بجائے	"...علاقہ جس سے ۱۹۱۹ء میں جرمنی فرانس کے حق میں دستبردار ہوا"
Anzac	"جنگ عظیم میں آسٹریلیا اورنیوزی لینڈ کے افواج" کے بجائے	"پہلی جنگ عظیم میں ...افواج"
Franc	اشاعت اول کے مندرجہ معنی "جنگ عظیم" کے بجائے	موجودہ اشاعت میں "پہلی جنگ عظیم" لکھا گیا، نیز اشاعت اول میں اس سکہ کی گری ہوئی اوربعدہ قائم کردہ قیمت ۱۹۲۸ء تک کی درج تھی۔ موجودہ

		اشاعت میں ۱۹۵۱ ء کی مقررہ قیمت بھی درج کی گئی ۔
Hemp	"خاص ہند وستان کا پودا ہے" کی بجائے	"برصغیر پاک و ہند کا خاص پودا ہے"
India Office	"دفتر وزیر ہند" کے بجائے	"حکومت برطانیہ کا سابق دفتر جو ہندوستان کے معاملات سے متعلق تھا"۔
Nizam	"اعلیٰ حضرت نظام حیدرآباد" کے بجائے	"سابق حیدرآباد دکن کا فرماں روا"

(۵) اردو فارسی کے ملتے جلتے الفاظ و محاورات چسپاں کیے گئے ۔

Blacky	کالی کلوٹی
Bankrupt	صفر محض
Back of beyond	اللہ میاں کے پچھواڑے
Bloke	مرد خدا
Born under Lucky star	پوتڑوں کا رئیس
Skin and bones	ہڈی چمڑا
Fifty-fifty	برابر برابر

لڑاکا (شخص)	Fighting cock
لوک گیت	Folk-songs
فرما	Format
گول مال	Hanky-panky
اترے جی سے، ادھورے دل سے	Perfunctorily
ازاں سو رانده وزاں سو درمانده	Driven from Pillar to post
دکھتی رگ	Where the shoe pinches
چکنا گھڑا	Pachyderm
زحمت دینا	Put to inconvenience
بیٹھے بٹھائے	Without rhyme or reason
خس کم جہاں پاک	A good rid
جان ہتھیلی پر رکھنا	Take(one's) life in(one's)hand
دکھتی رگ پکڑنا	Tread on Person's corn
سبک رفتاری	Velvet tread
کشتی در آب انداختہ، بسم اللہ مجریہا ومرسہا	Vogue la galere
صدا به صحرا	Voice in the wilderness
گھونگھریالے	Wavy

(۶) انگریزی کے مروجہ الفاظ بجوں کے توں شامل کیے گئے۔

ایئروگرام	Aerogram
ایمبولنس	Ambulance
آٹوگراف	Autograph
بلاٹنگ پیپر	Blotting paper
بلاؤز	Blouse
بوائلر	Boiler
باڈی گارڈ	Body guard
کیفے	Cafe
کلچ	Clutch
(موٹر) کاربوریٹر	Corroborator
لیٹر آف کریڈٹ۔ ال سی۔	Letter of credit
کسٹوڈین	Custodian
گیر بکس	Gear-box
انجکشن	Injection
جان بل	John Bull
مین ہول	Man-hole
مائکرو فون	Microphone
پٹی کوٹ	Petticoat
پلاسٹک	Plastic
پالی ٹکنک	Polytechnic
ریڈ کراس	Red Cross
ریسیور	Receiver
ری پبلک	Republic
رگبی	Rugby
ٹیلی ویژن	Televison
تھرمامیٹر	Thermometer

Tooth-paste ٹوتھ پیسٹ

ان ہی اصولوں کے مطابق اشاعت اول کے ضمیمہ نمبر ۱ میں مشمولہ الفاظ کے معنوں میں بھی ترمیمیں اور اضافے کیے گئے ہیں اور انگریزی الفاظ کا ایک نیا، سیر حاصل ضمیمہ نمبر ۲ Concise Oxford ڈکشنری کی نئی اشاعت کے ضمیمہ کے الفاظ کی بنیاد پر، جس میں حسب ضرورت بعض الفاظ بڑھائے بھی گئے ہیں، اردو معنوں کے ساتھ شامل کردیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اشاعت اول کے ضمیمہ نمبر ۲ مشتمل بر اختصارات پر بھی نظرثانی کی گئی ہے اور اقتضائے حال کے مطابق ترمیموں اور اضافوں کے ساتھ اسے ضمیمہ نمبر ۳ بنادیا گیا ہے۔ اس طرح اگرچہ ہمارے کام کی نوعیت محدود تھی مگر اشاعت ثانی کو جدید ترین اور زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

یہاں ایک واقعہ کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ چند برس ہوئے بھارت کے ایک تاجر نے ہماری اس لغت کی اشاعت اول کو قدرے چھوٹے سائز پر ہماری اجازت کے بغیر فوٹو کے ذریعے من و عن شائع کردیا تھا، اگرچہ سرقہ کے الزام سے بچنے کے لیے کتاب پر یہ چھاپ دیا گیا کہ بابائے اردو کی اجازت سے شائع کی گئی ہے۔ ہم نے اس ملک سے سارق کتاب کی باضابطہ شکایت بھی کی مگر پاکستان کے ساتھ بھارت کا عموماً جو معاندانہ رویہ چلا آرہا تھا اس کے پیش نظر ہماری کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ اس ایڈیشن کی کچھ جلدیں پاکستان کے بازار میں بھی آگئی تھیں، مگر کوشش کرکے اس کی فروخت اور درآمد یہاں روک دی گئی تھی۔ جن صاحبان نے وہ ایڈیشن دیکھا ہوگا انہیں، ہمیں امید ہے کہ، ہماری ڈکشنری کی اس اشاعت ثانی کو

ملاحظہ فرمانے کے بعد بڑی تقویت حاصل ہوگی ۔

اس اہم کام کے لیے ہمیں وہ اہل علم تو نہ مل سکے جنھوں نے اشاعت اول کے لیے کام کیا تھا (خود بابائے اردو کی ذات سیکڑوں پر بھاری تھی مگر وہ بھی انتقال کرچکے تھے) ۔ پھر بھی مقام مسرت ہے کہ ہمیں ان دو صاحبان کی خدمات میسّر آگئیں :۔

۱۔ جناب وہاج الدین شمیم مرحوم

۲۔ جناب جلیل قدوائی

جناب وہاج الدین شمیم مرحوم اشاعت اول کی ترتیب میں کسی حد تک شریک رہ چکے تھے ۔ ان کا ذکر بابائے اردو نے اسی لغت کے مقدمے میں کیا ہے۔ حسن اتفاق سے ہم اس بار بھی ان کی معاونت حاصل کرنے میں کام یاب ہوگئے تھے لیکن افسوس کہ وہ صرف چند ماہ نظرثانی پر توجہ دے سکے اور بیمار رہ کر انتقال کرگئے ۔ ان کے بعد ہم نے جناب جلیل قدوائی کی خدمات حاصل کیں جن کی معاونت سے یہ کام تکمیل کو پہنچ رہا ہے ۔ قدوائی صاحب علی گڑھ کے نامور طالب علم ہیں، وہاں اردو کے استاد بھی رہ چکے ہیں اور مرکزی حکومت کے شعبہ اطلاعات میں طویل خدمت کے بعد سبکدوش ہوئے ہیں ۔ وہ اردو کے مشہور ادیب اور کئی کتابوں کے مرتب ہیں ۔ شعبہ اطلاعات میں کام کرنے کی وجہ سے انھیں اس لغت سے مسلسل اور گہری واقفیت رہ چکی تھی ۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اپنی مدد کے لیے تمام لغات اور کتب محاورہ سے مدد لی ۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے، اشاعت اول اور موجودہ اشاعت کی بنیاد Concise Oxford ڈکشنری ہے ۔ اس لیے تمام بنیادی معانی و مفاہیم وہیں سے لیے گئے ہیں۔ یہاں اردو میں ان کا بیان یا کسی اردو محاورے کا استعمال ہماری ذمہ داری ہے جس کی چھان بین نہایت

احتیاط سے کر لی گئی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہماری ہر کوشش غلطی سے مبرّا ہے۔ عام انسانوں کے لیے ایسا ممکن بھی نہیں اور انجمن ترقی اردو نہایت ممنون ہوگی اگر اہل علم غلطیوں کی نشان دہی کرسکیں تاکہ اگلی اشاعت کو زیادہ بہتر بنایا جاسکے۔ ویسے اس ضمن میں جناب ایچ، ڈبلیو، فاولر (H.W.Fowler) مرتب Concise Oxford ڈکشنری نے دو عبارتیں بڑی معنی خیز لکھی ہیں جو یہاں نقل کی جاتی ہیں :-

> "When we began more than 20 years ago...we were plunging into the sea of lexicography without being first taught to swim...."

"بیس سال پہلے جب ہم نے ... آغاز کیا تھا، ہم لغت نویسی کے سمندر میں غوطے لگا رہے تھے، ایسی حالت میں کہ ہمیں پہلے تیرنے کا فن نہیں سکھایا گیا تھا"

> "That he(Editor)has been guilty of errors and omissions in some of these, he will learn soon after publication, sometimes with gratitude to his enlightener, sometimes otherwise..."

"یہ امر کہ وہ (مدیر) ان میں سے بعض کے سلسلے میں غلطیوں اور فروگزاشتوں کا مرتکب ہوا ہے اسے اشاعت کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ بعض صورتوں میں واقفیت بہم پہنچانے والے اصحاب کے شکریہ کے ساتھ اور بعض دفعہ اور کسی طرح ......"

اب انجمن کا ارادہ ہے کہ اگلے چند برس اس اشاعت کی مکمل نظرثانی پر صرف کیے جائیں، یعنی آکسفورڈ کی جدید ترین اشاعت سامنے رکھ کر نہ صرف نئے الفاظ

بلکہ جملہ معانی اور تمام مشتقات اور جہاں جہاں ضروری سمجھا جائے تمام محاورات بھی شامل کیے جائیں۔ وقت اتنی تیزی سے بدل رہا ہے کہ نہ صرف انگریزی لغت میں ہزارہا الفاظ کا اضافہ ہوچکا ہے بلکہ بعض قدیم الفاظ کے معانی بھی بالکل ہی بدل چکے ہیں ۔ اس لیے ہمیں سارا کام نئے سرے سے شروع کرنا پڑے گا ۔ اس وقت ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کام کتنے برس میں ختم ہوگا لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ انشا اللہ انجمن اسے پورا کرکے رہے گی ۔

اگلے صفحات میں بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کا وہ مقدمہ شامل ہے جو انھوں نے اس لغت کی اشاعت اول پر تحریر فرمایا تھا ۔ یہ مقدمہ ہمارے اور سب اہل علم کے لیے ایک عظیم اثاثہ ہے ۔

دوسری اشاعت ۱۹۶۸ء

ننھے منوں کے لیے

ننھی منی نظمیں

خاطر غزنوی

پہلا ایڈیشن

انجمن نے طے کیا ہے کہ بچّوں کے لیے اچھی اور معیاری کتابیں خوب صورت انداز سے پیش کی جائیں۔ یہ کتاب اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو جلد ہی اور کتابیں بھی شائع کی جائیں گی۔

زیر نظر کتاب کے مصنّف، اردو کے مشہور شاعر جناب خاطر غزنوی ہیں۔ انھوں نے یہ خوب صورت نظمیں لکھتے ہوئے بچّوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہ نظمیں دل چسپ بھی ہیں اور ان کا مطالعہ بچّوں کی معلومات خصوصاً ذخیرۂ الفاظ میں اضافے کا باعث بھی ہوگا۔

مزید دل چسپی کے لیے ہر نظم کے ساتھ تصویریں بھی شائع کی جا رہی ہیں۔

۱۹۶۸ء

غالب

ایک مطالعہ

ممتاز حسین

پہلا ایڈیشن

غالب کی صد سالہ برسی پر انجمن سے مندرجہ ذیل کتابوں اور جرائد کی اشاعت کی گئی ہے۔

کتابیں :

فلسفۂ کلام غالب ڈاکٹر شوکت سبزواری

غالب ۔ایک مطالعہ پروفیسر ممتاز حسین

ہنگامۂ دل آشوب مرتبہ سید قدرت نقوی

مہر نیمروز (اردو ترجمہ) پروفیسر عبد الرشید فاضل

غالب نام آور سہ ماہی "اردو" کا انتخاب

جرائد :

سہ ماہی "اردو" غالب نمبر

ماہنامہ "قومی زبان" غالب نمبر

ان کے علاوہ چند ایسی کتابیں بھی اس موقع پر شائع کی جا رہی ہیں جن کا تعلق اردو ادب سے ہے۔

غالب کی صد سالہ برسی ہمارے ادب میں جو بیش قیمت اضافے کر رہی ہے ان میں پروفیسر ممتاز حسین کی تصنیف ایک الگ مقام رکھتی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس کی اشاعت انجمن کے حصے میں آئی۔

پروفیسر ممتاز حسین نہ صرف خود محتاج تعارف نہیں بلکہ بہت سے لکھنے والوں کے معاملے میں وجہ تعارف بن چکے ہیں۔ نقادان اردو کی طویل فہرست میں ان کا نام ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی تنقید منفی تبصروں یا محض چست فقروں سے پروان نہیں چڑھتی وہ اپنے لیے ایک ٹھوس طریق مطالعہ متعین کر چکے ہیں یہی رنگ ان کے اظہار میں بھی جھلکتا ہے۔ ان کا انداز تنقید خالص سائنسی ہے۔ جامع اور مدلل

اور ممکن حد تک غیر جذباتی اور غیر جانب دار ۔

مثلاً غالب کے مطالعے میں انہوں نے غالب کو ان کے ماحول، ان کے سماج اور اس زمانے کے سیاسی اور اقتصادی عوامل سے الگ کرکے کسی عجوبے کے طور پر نہیں پرکھا جیسا کہ بہت سے مشاہیر کرچکے ہیں ۔ انہوں نے ان عناصر کی چھان بین کی ہے جو غالب کی ذہنی ترکیب میں کام کر رہے تھے ۔

پروفیسر ممتاز حسینؔ کی دوسری تصنیفات ان کی دقت نظر، وسیع مطالعے، اصول فہمی اور قدرت اظہار کی گواہ ہیں ۔ یہ کتاب ضخامت کے اعتبار سے بڑی نہیں، مگر اپنی خصوصی نوعیت اور اظہار مطالب کے لحاظ سے غالبیات میں بلند مقام قرار دی جائے گی ۔

۱۹۶۹ء

غالب نام آور

سہ ماہی "اردو" کے
مضامین کا انتخاب

پہلا ایڈیشن

غالب کی صد سالہ برسی پر انجمن سے مندرجہ ذیل کتابوں اور جرائد کی اشاعت کی گئی ہے –

کتابیں:

فلسفۂ کلام غالب ڈاکٹر شوکت سبزواری

غالب، ایک مطالعہ پروفیسر ممتاز حسین

ہنگامۂ دل آشوب مرتبہ سید قدرت نقوی

مہرنیم روز (اردو ترجمہ) پروفیسر عبد الرشید فاضل

غالب نام آور (سہ ماہی اردو کا انتخاب)

جرائد:

سہ ماہی "اردو" (غالب نمبر) ماہنامہ "قومی زبان" (غالب نمبر)

ان کے علاوہ چند ایسی کتابیں بھی اس موقع پر شائع کی جا رہی ہیں جن کا تعلق عام اردو ادب سے ہے –

پورے برصغیر ہندوپاکستان میں اردو زبان کے صرف دو علمی جریدے ہیں جو تقریباً نصف صدی سے شائع ہو رہے ہیں ایک "معارف" ہے جو دار المصنفین اعظم گڑھ سے چھپتا ہے اور دوسرا یہ رسالہ یعنی "اردو" ہے جو انجمن ترقی اردو شائع کرتی ہے ان جرائد کے ذریعے جو نگارشات منظرعام پر آئی ہیں وہ ہمارے تحقیقی اور تنقیدی ادب کا نہایت وقیع سرمایہ ہیں ان میں بہت سے مضامین تو ایسے ہیں کہ ان کے موضوعات سے متعلق جو بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ ان پر بھی بھاری ہیں –

آج "اردو" کی جلدیں دیکھی جائیں تو ایک مرقع

حیرت سامنے آتا ہے اس کا اشاریہ کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا علمی موضوع ہو جس پر اردو میں انتہائی وقیع اور قابل قدر مقالے شائع نہ ہوئے ہوں ۔ اسے چالیس برس سے زیادہ بابائے اردو کی سرپرستی اور ذاتی توجہ میسر رہی ۔ انھوں نے "اردو" کو ایسا مقام عطا کیا تھا کہ بڑے بڑے نامور لوگ اس میں اپنی نگارشات شائع کرانے میں خوشی کے ساتھ ساتھ فخر محسوس کرتے تھے ۔ اب اردو کے مرتبین میں کوئی بابائے اردو جیسا تو نہیں ہے لیکن ان کی قائم کردہ روایات کے طفیل اور اہل علم کی اردو نوازی کے سبب اب بھی یہ رسالہ اپنا افادی مرتبہ اور انفرادی حیثیت قائم رکھتا ہے چناں چہ انجمن کا فیصلہ ہے کہ اس کا موضوع وار انتخاب شائع کرنے کا انتظام کیا جائے لیکن اس کام کے لیے خاصے سرمایے کی ضرورت ہے جو ابھی تک فراہم نہیں ہوسکا اس لیے اب تک صرف ایک مجموعہ شائع ہوا ہے جس کا نام "ہفت مقالہ" ہے ۔ "ہفت مقالہ" فارسی زبان و ادب کے انتخاب پر مشتمل ہے ۔

اب غالب کی صد سالہ برسی کے سلسلے میں یہ کتاب پیش کی جا رہی ہے جس میں غالب سے متعلق ان مضامین کا انتخاب ہے جو اردو میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ۔ اس کی فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جائے گا کہ غالب پر اب تک جو اہم مقالے لکھے گئے ہیں ان کی ایک بہت بڑی تعداد اردو میں چھپی تھی ، اس کے علاوہ ان ناموں کا مقام اہل نظر خوب جانتے ہیں جو اس فہرست میں نظر آئیں گی ۔

امید ہے کہ نقش ہائے رنگ رنگ کا یہ مجموعہ سلسلۂ غالبیات میں ایک اہم مقام حاصل کرے گا ۔

۱۹۶۹ء

فلسفہ کلام غالب

ڈاکٹر شوکت سبزواری

پہلا ایڈیشن

غالب کی صد سالہ برسی پر انجمن سے مندرجہ ذیل کتابوں اور جرائد کی اشاعت کی گئی ہے۔

کتابیں:

فلسفۂ کلام غالب، ڈاکٹر شوکت سبزواری

ہنگامۂ دل آشوب، مرتّبہ: سید قدرت نقوی

مہرنیمروز، اردو ترجمہ: از پروفیسر عبد الرشید فاضل

غالب، ایک مطالعہ ـ پروفیسر ممتاز حسین

غالب نام آور، سہ ماہی "اردو" کا انتخاب

جرائد:

سہ ماہی اردو کا غالب نمبر

ماہنامہ قومی زبان کا غالب نمبر

ان کے علاوہ اس موقعے پر چند اور کتابیں بھی شائع کی جا رہی ہیں، جن کا تعلق عام اردو ادب سے ہے۔

فلسفۂ کلام غالب ڈاکٹر شوکت سبزواری کی تصنیف ہے جو پہلی بار ۱۹۳۶ء میں چھپی تھی، چوں کہ یہ کتاب آج کل دستیاب نہیں ہوتی اور آج تک اس موضوع پر اپنے رنگ کی واحد تصنیف سمجھی جاتی ہے، اس لیے اسے غالب کی صدسالہ برسی پر انجمن کے اشاعتی منصوبے میں شامل کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سبزواری برصغیر کے مایۂ ناز ماہر لسانیات، محقق اور نقاد ہیں اور پاکستان کے قابل فخر اہل علم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی اس تصنیف کے بارے میں حضرت اثر لکھنوی مرحوم نے لکھا تھا کہ:

"فلسفۂ کلام غالب ایک بلند پایہ اور قابل قدر تصنیف ہے ۔ اس میں کلام غالب کا مطالعہ وتجزیہ ایک نئے زاویے سے کیا گیا ہے ۔ کتاب ذوق ادب و انشا کا ایک دلکش نمونہ ہے ۔ خاص کر وہ حصہ افادیت سے لبریز ہے جس میں ویدانیت نصرانیت اور اسلام کی تعلیمات کو پہلو بہ پہلو پیش کیا گیا ہے"۔

اب اس کتاب کی اشاعت ثانی کے لیے ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف مسودے پر نظرثانی کی ہے، بلکہ دو ابواب کا اضافہ بھی کیا ہے، جس کی وجہ سے اس کی اہمیت و افادیت بڑھ گئی ہے ۔

آج کہ فلسفۂ کلام غالب پر بحثیں پھیلتی جاتی ہیں اور بہت سے مفکرین ، مفسرین، ادیب اور دانشور اس عظیم تہ بہ تہ رنگا رنگ شخصیت اور اس کی بے شمار تعبیروں میں مصروف ہیں، ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب ادب دوستوں میں فکر و گفتگو کے لیے کئی دل چسپ اور اہم مباحث پیش کرتی ہے ۔

انجمن ڈاکٹر شوکت سبزواری کی ممنون ہے کہ انہوں نے اشاعت کے لیے کتاب پر نظرثانی کی اور آخر میں دو باب بڑھائے ۔

۱۹۶۹ء

مہر نیم روز

تصنیف

مرزا اسداللہ خاں غالب

ترجمہ

پروفیسر سید عبدالرشید فاضل
صدر شعبۂ فارسی، اردو کالج کراچی

پہلا ایڈیشن

غالب کی صد سالہ برسی پر انجمن سے مندرجہ ذیل کتابوں اور جرائد کی اشاعت کی گئی ہے -

کتابیں :

فلسفۂ کلام غالب ڈاکٹر شوکت سبزواری
غالب ، ایک مطالعہ پروفیسر ممتاز حسین
ہنگامۂ دل آشوب مرتبہ سید قدرت نقوی
مہرنیمروز (اردو ترجمہ) پروفیسر عبد الرشید فاضل
غالب نام آور سہ ماہی "اردو" کا انتخاب

جرائد :

سہ ماہی "اردو" غالب نمبر
ماہنامہ "قومی زبان" غالب نمبر

ان کے علاوہ چند ایسی کتابیں بھی اس موقع پر شائع کی جا رہی ہیں جن کا تعلق عام اردو ادب سے ہے -

ہمارے علم کے مطابق یہ غالب کی مشہور تصنیف مہر نیمروز کا پہلا اردو ترجمہ ہے۔ مہر نیمروز کا ذکر غالب کے سلسلے میں بار بار آتا ہے،لیکن چوں کہ تصنیف فارسی میں ہے اس لیے روزبروز فارسی سے نا آشنا ہونے والی اردو دنیا میں اس کا حوالہ تقریباً بے معنی ہو جاتا ہے -

مہر نیمروز وہ کتاب ہے جس کی تصنیف کے لیے غالب پچاس روپے ماہوار پر دہلی دربار میں نوکر ہوئے تھے۔ بادشاہ نے عین اس زمانے میں جب مغلیہ سلطنت کا چراغ بجھ رہا تھا طے کیا کہ خاندان تیمور کی تاریخ لکھوائی جائے اور اس کام کے لیے غالب کا

انتخاب کیا، انہوں نے کتاب کے پہلے حصے کو مہرنیمروز کہا اور دوسرے حصے کو ماہ نیم ماہ کے عنوان سے لکھنا چاہا مگر سورج تو پہلے ہی ڈھل چکا تھا چاند بھی نہ چڑھ سکا اور تصنیف نامکمل رہ گئی۔

اب ہوا یہ کہ غالب چوں کہ غالب تھے اس لیے انہوں نے عام تاریخ نویسوں کی طرح صرف واقعات و حقائق کو جمع کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اس کتاب کو اپنے کمال کے اظہار کا ایک ذریعہ بنایا سائنٹفک واقعہ نویسی کا ان کی روایات میں یوں بھی کوئی رواج نہ تھا وہ ایک طباع اور منفرد انشاء پرداز بھی تھے۔ اس لیے مہرنیمروز محض تاریخ کی بجائے فارسی انشائے غالب کا ایک شہ پارہ بن گئی، چوں کہ اس کی نثر نہایت دقیق ہے اس کا اردو ترجمہ کرنا نہایت مشکل کام تھا شاید اسی وجہ سے اب تک مہرنیمروز کا ترجمہ ہوا بھی نہیں۔

ہم پروفیسر عبدالرشید فاضل کے نہایت ممنون ہیں جنھوں نے بڑی محنت کے بعد مہرنیمروز کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ادق فارسی تحریر کا اردو ترجمہ تقریباً ناممکن ہے جس میں فارسی انداز بیان کی جملہ نزاکتیں اور موشگافیاں تمام مطالب کے ساتھ سادہ اردو میں آجائیں۔ ایسے ترجموں میں جو بات مقدم سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو ترجمے کے ذریعے اصل کی خوبیوں کا اندازہ کیا جاسکے۔ یہ کام بجائے خود بہت مشکل ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ پروفیسر عبدالرشید فاضل نے اسے بڑی خوبی سے پورا کیا ہے۔

آج یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ہمارے ملک سے فارسی زبان و ادب کا مذاق رفتہ رفتہ کم ہوتا جا رہا

ہے ۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں اور شاید ہمیں یہ حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ اب ملک میں فارسی سے ذوق کا پھیلاؤ کم سے کم تر ہوتا جائے گا ، جس کی وجہ سے ہم اپنے ثقافتی ورثے کے چند اہم عناصر سے محروم ہو جائیں گے ۔ ترجمے اگر بڑی تعداد میں کر لیے گئے تب بھی وہ اصل کا لطف نہیں دے سکتے ، کیوں کہ ترجمہ اصل کا بدل نہیں ہوتا بلکہ اصل پڑھنے کے لیے وجہ ترغیب ہوتا ہے ۔ بہرنوع اس صورت حال میں غالب کی ایک مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ نہ صرف اردو ترجموں میں ایک گراں قدر اضافہ ہے بلکہ غالبیات سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے نہایت اہم مواد بھی فراہم کرتا ہے ۔

فاضل مترجم نے جس حد تک ممکن ہوا آسان اور عام فہم زبان اختیار کی ہے جہاں جہاں اشعار آئے ہیں وہاں اصل کے ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے ۔ توضیحی حواشی اور فرہنگ خود مترجم کے قابل قدر اضافے ہیں ۔

امید ہے اردو حلقوں میں انجمن کی یہ پیش کش پسند کی جائے گی ۔

۱۹٦۹ء

ہنگامۂ دل آشوب

(ایک معرکۂ غالب کا احوال)

مرتبہ

سیّد قدرت نقوی

پہلا ایڈیشن

غالب کی صد سالہ برسی پر انجمن سے مندرجہ ذیل کتابوں اور جرائد کی اشاعت کی گئی ہے ـ

کتابیں:

ہنگامۂ دل آشوب	مرتبہ سید قدرت نقوی
فلسفۂ کلام غالب	ڈاکٹر شوکت سبزواری
غالب ، ایک مطالعہ	پروفیسر ممتاز حسین
غالب نام آور	سہ ماہی "اردو" کا انتخاب

جرائد:

سہ ماہی "اردو"	غالب نمبر
ماہنامہ "قومی زبان"	غالب نمبر

ان کے علاوہ اس موقع پر چند اور کتابیں بھی شائع کی جا رہی ہیں جن کا تعلق عام اردو ادب سے ہے ـ

ہنگامۂ دل آشوب یعنی زیرنظر کتاب کی کہانی دل چسپ ہے ـ

جب برہان قاطع پر غالب کی تنقید چھپی تو اس کے خلاف اور اس کی موافقت میں مضامین، مباحثوں اور کتابوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا جو کچھ دنوں بعد ہنگامہ بن گیا ـ اس میں غالب کے طرف دار تھے، سخن فہم بھی، اور خود غالب بھی ـ بات یہاں تک بڑھی کہ غالب کے بارے میں بہت سی رکیک اور نازیبا باتیں بھی لکھی گئیں جن پر انھیں ازالۂ حیثیت عرفی کا دعوا کرنا پڑا ـ

اس سلسلے کی سب سے ضخیم کتاب موید برہان ہے جو ؛ احمدعلی جہانگیر نگری کی تصنیف ہے ـ اس

کے جواب میں غالب نے اکتیس شعر کا ایک قطعہ لکھا، یعنی نثر کا جواب نظم میں دیا۔ یوں ایک اور ہی قضیہ پیدا ہوگیا، یعنی بحث و تکرار کا رخ نثر کے ساتھ ساتھ نظم کی طرف ہوگیا اور دونوں طرف سے بڑی گل افشانی ہوئی ۔ ایسی بہت سی مخالف و موافق منظومات کو چند نثری تحریروں کے ساتھ دو حصوں کی ایک کتاب میں جمع کر دیا گیا۔ اسی کتاب کا نام "ہنگامۂ دل آشوب" ہے ۔ یہ پہلی بار ۱۸٦۷ء میں چھپی اور اس کا چرچا بھی ہوا، مگر پھر لوگ اسے بھول گئے، اور اس کا تذکرہ معدوم ہوگیا ۔

جب بیسویں صدی نے غالب کو پہچاننا شروع کیا اور ان کے کلام اور زندگی کے سب گوشوں میں دل چسپی لی جانے لگی تو قدرتی طور پر اس قضیہ کی یاد بھی تازہ ہوئی ۔ غالب کے ایک شاگرد تھے سید باقر علی باقر جو اس ہنگامے میں شریک رہ چکے تھے ۔ان کے صاحبزادے سید عطا حسین صاحب نے ایک مختصر تمہید کے ساتھ ہنگامۂ دل آشوب کو جنوری ۱۹۳۷ء میں سہ ماہی "اردو" میں چھپوادیا ۔

اتفاق سے پہلے اس کا متن کسی حد تک غلط چھپا تھا، اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ صحیح متن پیش کرنے کے ساتھ ساتھ متن کے بعض مبہم مقامات پر حواشی لکھے جائیں، نیز متعلقہ شخصیت کا تعارف بھی کرادیا جائے ۔ میں ذاتی طور پر اس اصول کے حق میں نہیں ہوں کہ ہم غالب سے متعلق تمام شخصیات کا کھوج لگاتے چلے جائیں جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ انھوں نے غالب کی فکری زندگی پر کوئی خاص اثر مرتب نہیں کیا تھا، مگر یہاں صورت حال دوسری ہے ۔ ممکن ہے ان شخصیات میں سے سب نے غالب کی فکری زندگی پر کوئی خاص اثر نہ ڈالا ہو، کیوں کہ پورا قضیہ ان کے آخری زمانے میں

شروع ہوا تھا لیکن یہ شخصیات اس لحاظ سے غیر معمولی دل چسپی کی حق دار ہوچکی ہیں کہ انھوں نے غالب جیسے بڑے ادیب کے ایک علمی معرکے میں حصہ لیا تھا۔

تعارف و حواشی کے لیے ہم سید قدرت نقوی صاحب کے ممنون ہیں جو برسوں سے غالبیات میں خاصا نام پیدا کرچکے ہیں۔ سید صاحب نے نہایت محنت سے متن کی تصحیح کی ہے اور دیباچے میں بڑی جامعیت کے ساتھ قاطع برہان پر بحث کی تفصیلات درج کی ہیں۔

تعارف، حواشی اور دیباچے کی وجہ سے زیر نظر کتاب کی ضخامت ۱۸۶۷ء والی کتاب سے تقریباً چار گنی ہوگئی ہے، اس لیے ہم نے یہ مناسب جانا کہ اسے "اردو" کے انتخاب میں شائع کرنے کے بجائے ایک الگ کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ امید ہے کہ اس طرح تاریخ ادب کا ایک نہایت دل چسپ باب اپنی انفرادیت کے ساتھ محفوظ ہو جائے گا۔

۱۹۶۹ء

مقامات ناصری

میر ناصر علی کے مقالات کا انتخاب

(جلد اول)

مرتبہ

سید انصار ناصری

پہلا ایڈیشن

خان بہادر میر ناصر علی پورے "چھپن برس تک لکھتے رہے۔ بائیس برس تو "صلائے عام" ہی جاری رہا۔ ان کی ادبی زندگی نے "صلائے عام" سے بہت زیادہ بڑی عمر پائی تھی۔

ان کے مضامین، انشائیے، صحافیے عوام و خواص کے علاوہ بڑے بڑے چیدہ اہل قلم کی نظر میں کیا شان رکھتے تھے اس کا کچھ اندازہ ان اقتباسات سے ہوسکتا ہے جو لائق مرتب نے کتاب کے آخر میں پیش کیے ہیں۔ کون ادیب تھا جو سید صاحب مرحوم سے متاثر ہو کر کھلے دل سے ان کا معترف نہ ہوا ہو۔

ان کی زندگی معاشی طور پر بھی بری نہیں گزری بہت آسودہ رہے اور خاصی امارت کے عالم میں انتقال کیا۔ اللہ کے فضل سے کسی بات کی کمی نہیں تھی، مگر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ نہ تو ان کا کوئی انتخاب، کوئی مجموعہ ان کی زندگی میں چھپا، نہ ۱۹۶۹ء تک، کہ ان کے انتقال پر چھتیس برس ہوتے ہیں۔ اس کے کچھ اسباب لائق مرتب نے صفحہ ۶۹۱-۹۲ پر بتائے ہیں، مگر بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرحوم اس طرف سے بے نیاز تھے، وہ تو بس لکھتے تھے اور کیا اچھا لکھتے تھے، آج کے زمانے میں جب کاتا اور لے دوڑی کا راج ہے میر صاحب مرحوم جیسی شخصیت کا یہ رویہ خاصا ناقابل فہم معلوم ہوگا۔

اس اشاعت سے دو بڑے کام ظہور میں آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اردو کے ایک صاحب طرز، محترم، مشہور اور بزرگ ادیب کا پہلا مجموعہ پہلی بار چھپا۔ "صلائے عام" ایک تحریک کہلانے لگا تھا، مگر خان بہادر میر

ناصر علی مرحوم کی تحریر جس طرح اپنے معاصرین اور بعد میں مشہور ہونے والے نثر نگاروں پر اثر انداز ہوئی تھیں اس کا پتا تقابلی مطالعے سے صاف ملے گا۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اہل نظر اور اہل تحقیق کے لیے خاص دل چسپی کا باعث ہوگی اور اردو نثر کی چند نئی تدریجی کیفیتیں آشکار ہوں گی ۔

اس اشاعت سے بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کی ایک دیرینہ خواہش بھی پوری ہوتی ہے ۔ جیسا کہ فاضل مرتب کے بیان سے ظاہر ہوگا مولوی صاحب مرحوم میر صاحب کے مضامین کا انتخاب چھاپنے کے بڑے آرزو مند تھے، ہمیں خوشی ہے کہ فاضل مرتب نے از راہ تعاون انجمن کو اس منصوبے کی پیش کش کی اور نہایت محنت سے اس جلد کو مرتب کیا ۔ اس کی اشاعت میں قدرے تاخیر ہوئی ہے مگر مختصراً یوں سمجھیے کہ ایسا ہونا ناگزیر تھا ۔

اب کہ یہ کتاب چھپ کر سامنے آرہی ہے ایک اور بات ثابت ہوجاتی ہے، وہ یہ کہ بڑے لکھنے والے اپنے عہد کے بعد بھی ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔ ذرا غور کیجیے خان بہادر صاحب نے چھپن برس تک کتنا لکھا اور چھیاسی برس کی عمر پائی مگر ان کا مجموعہ نہ چھپا۔ پھر ان کے انتقال پر چھتیس برس گزر گئے۔ ایک طرح دو نسلیں ان کی تحریروں سے محروم گزر گئیں ۔ صرف تذکروں میں ذکر پڑھا یا کہیں ایک آدھ مضمون دیکھ لیا، مگر ایک اتنے منفرد اور خوب صورت نثر نگار کے بھرپور مطالعے سے فیض یاب نہ ہوسکیں ۔

خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ سعادت بھی انجمن ترقی اردو کو نصیب ہوئی اور اس معاملے میں ہم میر صاحب موصوف کے پوتے سید انصار ناصری صاحب کے نہایت ممنون ہیں جنھوں نے اس عظیم الشان کتاب کو مصنف کے شایان شان مرتب کیا ۔

۱۹۶۹ء

THE
P O P U L A R
ENGLISH-URDU
D I C T I O N A R Y

by

LATE BABA-E-URDU
DR. MOULVI ABDUL HAQ

تیسری اشاعت

تیسری اشاعت

بنیادی طور پر یہ ڈکشنری نئی نہیں۔ یہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبد الحق کی مشہور "اسٹینڈرڈ انگریزی۔ اردو ڈکشنری" کا مختصر ایڈیشن ہے جو پہلی بار ہندوستان میں اور دوسری بار یعنی ۱۹۵۷ء میں پاکستان میں چھپا تھا ۔ لیکن کئی لحاظ سے یہ ایک نئی اشاعت بھی ہے ۔

پہلے دو ایڈیشن چھوٹے سائز میں بادامی کاغذ پر چھپے تھے اور موجودہ پہلے ایڈیشن کی غلطیاں دوسرے میں بھی باقی رہ گئی تھیں مگر اس ایڈیشن کو بڑے سائز میں سفید کاغذ پر چھاپا گیا ہے اور پچھلی غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ بہت سے اضافے بھی کئے گئے ہیں ۔ اس میں ایسے بہت سے انگریزی الفاظ، محاورات اور مشتقات ملیں گے جو پچھلے ایڈیشن میں موجود نہ تھے مگر طلبہ اور دوسرے متعلقہ حلقوں کی موجودہ ضروریات کے پیش نظر اب شامل کر دیے گئے ہیں ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بعض الفاظ کے معنی میں اضافے ہوئے وہ بھی اس میں درج کر دیے گئے ہیں ۔ یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ جہاں کوئی انگریزی لفظ اردو میں کثیر الاستعمال ہو جائے الفاظ کے معانی میں اسے بھی بجنسہ شامل کردیا جائے ۔ بعض الفاظ کے معاملے میں اختلاف کیا جاسکتا ہے کہ وہ ابھی اردو نہیں بنے، مگر ہم نے بھی اپنے طور پر پوری احتیاط کی اور "انگریزی کے اردو الفاظ" انتخاب کرنے میں نامناسب آزادی سے کام نہیں لیا ۔ ابتدا میں ان مخففات کی نئی فہرست شامل کر دی گئی

ہے جو ڈکشنری کے متن میں استعمال ہوئے ہیں اور آخر میں ان اختصارات کی نو مرتب فہرست جو انگریزی میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً استعمال کئے جاتے ہیں خاتمہ کتاب پر چند ایسے الفاظ اور فقروں کی فہرست بھی ہے جو انگریزی نہیں مگر غیر زبانوں سے آ کر انگریزی میں کثیر الاستعمال ہوگئے ہیں ۔

اضافوں میں بعض مشہور تاریخی واقعات شامل ہیں اور اہم اوزان بھی ۔ اوقات ، پیمائش اور اعشاری نظاموں کے پیمانے نیز کتابوں اور کاغذ کی تقطیع سے متعلق معلومات اور ان کے اردو ترجمے ۔ یہ سب بھی ایسے اضافے ہیں جو پچھلی اشاعتوں میں موجود نہ تھے ۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بابائے اردو اور انکے فاضل ساتھیوں کی قابلیت اور محنت سے مرتب شدہ ایک بڑی کتاب عملاً اپنے بہت سے فوائد کے ساتھ اس نسبتاً مختصر اشاعت میں بہت سے جدید اضافوں کے ساتھ آگئی ہے ۔ اسے بہ طور خاص ثانوی اور اعلی جماعتوں کے طلبہ اور اسی سطح کے انگریزی ۔ اردو خوانوں کے لیے مقبول و مستند سمجھا جاتا ہے ۔ امید ہے کہ مندرجہ بالا اضافوں کے ساتھ عمدہ کاغذ پر یہ دیدہ زیب پیش کش ان کے لیے مفید تر ثابت ہوگی ۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں بابائے اردو کی "اسٹینڈرڈ انگریزی ۔ اردو ڈکشنری" اس کا اصل ماخذ ہے ۔ " اسٹینڈرڈ انگریزی ۔ اردو ڈکشنری" اب تک سب سے زیادہ مشہور اور مستند ڈکشنری ثابت ہوئی ہے اور نہ صرف پاکستان و ہندوستان میں بلکہ تمام دوسرے ممالک میں بھی انگریزی ۔ اردو کی سب سے زیادہ مستند لغت کے طور پر استعمال کی جاتی ہے ۔ اس کے بارے میں اتنا جاننا دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ پہلی بار ۱۹۳۷ء میں چھپی اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئی ۔

اس کے بعد مسلسل کچھ ایسے حالات پیش آتے رہے اور پاکستان بننے کے بعد مطلوبہ کاغذ یعنی بائبل پیپر کی درآمد اتنی مشکل رہی کہ مدتوں دوسرا ایڈیشن چھپنے کی نوبت نہ آئی ۔ بابائے اردو نے اہل طلب کے مطالبات پر اس کا ایک نسبتاً مختصر ایڈیشن "اسٹوڈینٹس انگریزی ۔اردو ڈکشنری" کے نام سے چھاپا مگر وہ مقامی کاغذ پر چھپا جو موٹا بھی تھا اور ناپائدار بھی ۔ ڈکشنری بھاری ہوگئی اور دیدہ زیب بھی نہ رہی ۔ بہرحال اس زمانے میں یہی کچھ ممکن تھا اور لوگوں نے اس کی بھی اتنی پذیرائی کی کہ اسے متعدد مرتبہ چھاپنا پڑا ۔

جناب اختر حسین، ہلال پاکستان نے ۱۹۶۲ء میں انجمن کی صدارت سنبھالتے ہی پہلی توجہ بابائے اردو کی اس خواہش کی طرف دی جو وہ ڈکشنریوں کے سلسلے میں بار بار ظاہر فرماتے تھے ۔ جناب اخترحسین نے اپنے خاص اثر رسوخ سے بائبل پیپر درآمد کیا ،مشینیں منگوائیں اور "اسٹینڈرڈ انگریزی ۔ اردو ڈکشنری" کو دوبارہ اسی آب و تاب سے شائع کیا ۔اس میں کم و بیش ڈھائی ہزار معانی و الفاظ کا اضافہ کیا گیا ۔ اب "اسٹینڈرڈ انگریزی ۔ اردو ڈکشنری" کا دوسرا ایڈیشن ساٹھ روپے میں مل جاتا ہے جب کہ پہلے وہ نایاب تھا اور کسی کے پاس ملتا تھا تو بہت ہی گراں قیمت پر ۔

انجمن نے "اسٹوڈینٹس انگریزی۔اردو ڈکشنری" کے نئے ایڈیشن بائبل پیپر پر بھی چھاپے ہیں ۔ یہ بی اے اور اگلی جماعتوں کے لیے ہے ۔ "اسٹوڈینٹس انگریزی۔ اردو ڈکشنری" کی قیمت اکیس روپے ہے ۔

اہل ذوق یہ جان کر خوش ہوں گے کہ بہت جلد انجمن چند اور لغات بھی چھاپنے والی ہے ۔ ان پر بہت دن سے محنت کی جا رہی ہے۔ اور اب مسودے پریس

میں جا رہے ہیں ۔ (ان کی تفصیل اگلے صفحہ پر دیکھئے)

زیر ترتیب لغات

(۱) انگریزی ۔ اردو جیبی لغت ۔
یہ بائبل پیپر یعنی ہلکے سفید چکنے کاغذ پر ہوگی ۔

(۲) اردو ۔ انگریزی لغت ۔
یہ ایک بڑا کام ہے اور خاصی ضخیم وجامع کتاب ہوگی اور ان شاء اللہ درجۂ استناد حاصل کرلے گی ۔

(۳) اردو ۔ انگریزی جیبی لغت ۔
یہ بھی بائبل پیپر پر چھپے گی ۔

اس کے علاوہ "اسٹینڈرڈ انگریزی ۔ اردو ڈکشنری" کے آئندہ ایڈیشن پر کام ہو رہا ہے مگر اس میں وقت لگے گا ۔ منصوبے کے مطابق نئے ایڈیشن کو آکسفورڈ ڈکشنری کے تازہ ترین ایڈیشن کا ساتھ دینا ہوگا جس میں ہزاروں نئے الفاظ شامل ہوچکے ہیں ۔ دراصل کسی ڈکشنری کو ہر زمانے کے لیے تو کیا نصف بلکہ ربع صدی کے لیے بھی مکمل نہیں کہا جاسکتا ۔ الفاظ اور معانی رفتار وقت کے ساتھ ساتھ مٹتے اور پیدا ہوتے اور پھیلتے رہتے ہیں ۔ ہمارے مالی حالات میں علمی کاموں کے لیے وقت کا ساتھ دینا ممکن نہیں ، مگر بہرحال ہمارا فرض یہ ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اپنا کام کیے جائیں ۔ اگر اچھے سرپرست میسر ہوں تو کام نسبتاً آسان ہو جاتے ہیں اور اس سلسلے میں جناب اختر حسین کی سرپرستی انجمن اور اردو کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی ہے ۔

فن لغت ایک بحر ذخار ہے اور کاملیت کا دعویٰ کوئی بھی نہیں کرسکتا ۔ لیکن ناسپاسی ہوگی اگر ہم جناب جلیل قدوائی کی خدمات کا اعتراف نہ کریں۔ انہی نے "اسٹینڈرڈ انگریزی ۔ اردو ڈکشنری" میں صحت اور اضافے کے مشکل ترین کام میں ہماری معاونت کی اور اس پاپولر ڈکشنری کی ترتیب ، صحت ، اضافوں اور اشاعت میں بھی وہی اول شریک کار رہے ہیں ۔

اگر ہم وقت اور ان گنت محدودات سے لڑ سکے تو ایک نہایت ہی اہم منصوبے کا آغاز ہونے والا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اردو کے منتخب الفاظ سے اردو میں ایک فکری لغت تیار کی جائے ، یعنی ایک ایسی لغت جس کے معنی و مفاہیم انقلابی نقطہ نظر سے تحریر کیے جائیں ۔ ممکن ہے کہ اسے ایک مختصر انسائی کلوپیڈیا کی حیثیت حاصل ہو جائے ۔ وقت کے تقاضے ایسے ہیں کہ کسی نہ کسی کو یہ کام کرنا ہی پڑے گا ۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ بھی انجمن سر انجام دے ۔ ان شاء اللہ ۔

اس ڈکشنری کا چوتھا ایڈیشن ١٩٧٦ء اور پانچواں ایڈیشن ١٩٨٣ء میں شائع ہوچکا ہے ۔

تیسری اشاعت ١٩٧٠ء

اس ڈکشنری کا چوتھا ایڈیشن ١٩٧٦ء اور پانچواں ایڈیشن ١٩٨٣ء میں شائع ہوچکا ہے ۔

پنجابی کے پانچ قدیم شاعر

شفیع عقیل

پہلا ایڈیشن

شروع سے ہی انجمن کی ایک پالیسی واضح رہی۔اس کے مطابق اردو کو فروغ دینے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اسے علاقائی زبانوں سے زیادہ سے زیادہ قریب لایا جائے۔ اس سلسلے میں جو بنیادی کام ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ علاقائی زبانوں کے ادب کو اردو میں منتقل کیا جائے تاکہ اردو پڑھنے والے اپنے ملک کی تمام زبانوں سے واقف ہوسکیں ۔ انجمن نے چند برس قبل علاقائی ادبیات کو اردو میں منتقل کرنے کا ایک منصوبہ بنایا تھا جس کے تحت دو کتابیں

پشتو شاعری

اور ابیات سلطان باہو

شائع کی جاچکی ہیں ۔ اس سلسلے کی تیسری کڑی زیر نظر کتاب ہے، جسے ملک کے ممتاز صحافی اور ادیب شفیع عقیل نے لکھا ہے ۔

فاضل مصنف نے اس میں پنجابی کے پانچ قدیم شاعروں، سید ہاشم شاہ، شاہ حسین، حامد شاہ عباسی، خواجہ غلام فرید اور میاں محمد بخش کے بارے میں تفصیلی مضامین لکھے ہیں ۔ انھوں نے ہر شاعر کے حالات زندگی اور ادبی خدمات پر اس انداز سے روشنی ڈالی ہے کہ موضوع کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا۔ ان کے یہ مضامین صحافتی انداز کے نہیں بلکہ خالص علمی ہیں جن میں تحقیق و تنقید کے جدید اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے ۔ ان عظیم شعرا کی ادبی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے شفیع عقیل صاحب نے ان کے کلام کے نمایندہ نمونے بھی پیش کیے ہیں ۔ یہ نمونے پنجابی

زبان میں ہیں اور ساتھ ہی ان کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ شفیع عقیل صاحب چوں کہ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں، اس لیے ان ترجموں میں اصل کی خوبیاں بڑی حد تک موجود ہیں۔

اس کتاب کا پہلا مضمون خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ شفیع عقیل نے نہایت عمدگی سے پنجابی زبان اور ادب کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقالہ ہے جس میں اختصار اور جامعیت دونوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

شفیع عقیل صاحب پنجابی ادب اور ثقافت کے بارے میں متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں جو قبولیت عام حاصل کرچکی ہیں۔ امید ہے کہ ملک کے علمی و ادبی حلقوں میں ان کی یہ تازہ تصنیف بھی پسند کی جائے گی۔

۱۹۷۰ء

موج موج مہران

مترجم

الیاس عشقی

مرتب

مراد علی مرزا

پہلا ایڈیشن

ہمارا ایک منصوبہ یہ تھا کہ پاکستان کی علاقائی زبانوں سے جواہر پاروں کا انتخاب ہو اور اسے اردو میں ترجمہ کیا جائے ۔ یہ کئی لحاظ سے ایک کٹھن منصوبہ ثابت ہوا ۔ ہم لوگ قومی، علمی ، ثقافتی "ضروریات" کے سلسلے میں "سخنے" تو بہت کچھ کرلیتے ہیں، مگر دامے، درمے، قدمے کے معاملے میں جو کیفیت ہے وہ محتاج بیان نہیں ۔ تہذیبی تقاضوں پر زیادہ زور دیا جائے تو ساری ذمہ داری پچھلی، موجودہ اور آیندہ حکومتوں پر ڈال دی جاتی ہے، اللہ اللہ خیر سلا ۔

حکومتوں کا جو نظام ترجیحات رہا ہے وہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں ۔ اپنے وسائل میں بتدریج اور مسلسل کمی کے باوجود انجمن اپنا کام کیے جاتی ہے۔ مختصراً یہ ملاحظہ کیجیے کہ اسی منصوبے کے تحت انجمن نے مندرجہ ذیل کتابیں چھاپ دی ہیں ۔

ابیات سلطان باہو
===============

یہ سلطان باہو کے ابیات کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔

پشتو شاعری
==========

یہ پشتو شاعری کی تاریخ و تنقید بھی ہے اور منظوم نمونۂ کلام بھی ۔

پنجابی کے پانچ قدیم شاعر
========================

اس میں پنجابی کے پانچ اہم شاعروں کے حالات اور کلام پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

یہ کتابیں بڑی تحقیقی ، تنقیدی اور تخلیقی اہمیت رکھتی ہیں - بشرطیکہ ان کا مطالعہ کیا جائے -

زیر نظر کتاب میں ہم نے اپنی ایک روایت سے گریز کیا ہے - مدتوں سے ہم اپنے وقت کا تخلیقی ادب نہیں چھاپتے - عصری ادب نہایت قابل قدر ہے، مگر بہت ہے اور ہماری مالی محدودات کڑے سے کڑے منتخبات بھی شائع کرنے کی اجازت نہیں دیتیں - اس میدان میں تجارتی مسابقت بھی شدید ہے، ہم میں بہ حیثیت موجودہ ناشروں اور کتب فروشوں کی تجارتی سیاست میں حصّہ لینے کا دم نہیں - برسبیل تذکرہ اور تاریخ کے ریکارڈ پر آنے کے لیے اس موقع پر یہ بتا دینا دل چسپی کا باعث ہوگا کہ ہمارے اسکولوں، کالجوں، یونیورسیٹیوں اور دیگر سرکاری کتب خانوں میں حیرت انگیز طور پر بعض سوقیانہ پوچ، فضول اور غیر ضروری کتابیں تو مل جائیں گی لیکن انجمن جیسے کئی دوسرے موقر اداروں کی مطبوعات نظر نہ آئیں گی - وجہ سادہ لفظوں میں ان کتب خانوں کا "نظام وصول" ہے جس کی تفصیل میں جانا فضول ہے -

ہاں، تو زیر نظر کتاب میں ہم نے اپنی روایت سے گریز کرتے ہوئے ہم عصر سندھی ادب کو لیا ہے، مترجم نے پچیس ہم عصر شعرائے سندھی انتخاب کیے ہیں، ممکن ہے اس تعداد میں کمی بیشی ہو سکے مگر اس معاملے میں ہمیں مترجم جناب الیاس عشقی اور ان کے سندھی بولنے والے شریک کار جناب مراد مرزا کی صوابدید پر حصر کرنا پڑا - ہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ جناب الیاس عشقی کی مادری زبان سندھی نہیں مگر وہ سندھی زبان کے اچھے جاننے والوں میں شمار ہوتے ہیں - کتابی علم کے علاوہ انہیں سندھ میں طویل رہائش کی وجہ سے نہایت گہرا تجربی علم بھی ہے - ان کے شریک

کار جناب مراد مرزا سندھی کے ایک ممتاز اہل زبان
ہیں، انھوں نے ہماری فرمائش پر نہ صرف اس مجموعے
کو مرتب کیا بلکہ ایک فاضلانہ مقدمہ بھی لکھا ہے
جس میں سندھی زبان و ادب کی مختصر تاریخ بیان کی
گئی ہے ـ

منظوم ترجمے سے زیادہ مشکل صنف ادب شاید صرف
اوریجنل ادب ہے ـ منظوم ترجمہ اچھا اور سچّا ہو تو
اس کی فنی اہمیت تخلیقی ادب سے بھی زیادہ ہو جاتی
ہے ـ اس میں بے شمار سخت مقام آتے ہیں، مگر اہلیت
اور محنت کا ارتباط یہاں بھی فتح باب بن جاتا ہے ـ
در اصل جب تک سب انسان ایک زبان نہیں بولتے ترجموں
کی ضرورت اور ان میں تشنگی دونوں کا احساس باقی
رہے گا اور تشنگی تو حسن تکمیل کی محرّک بھی ہے ـ

جناب الیاس عشقی کا شکریہ ہم کیا ادا کریں گے،
خود تاریخ ادب یہ فرض انجام دے گی ـ انھوں نے
ایک مدت کے لیے اپنی تمام تر تخلیقی اور علمی
صلاحیتوں کو اس منصوبے کے لیے وقف کر دیا تھا اور
کتاب خود اپنی زبان سے بول رہی ہے کہ ان کی محنت
ٹھکانے لگی ـ ہم ان کے اور اسی حد تک جناب مراد مرزا
کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کے لیے بڑی توجہ
سے کام کیا اور مدتوں اس کی اشاعت کا انتظار بھی کیا ـ

اس کتاب کی انفرادیت مسلّم مگر اس کی افادیت
بھی ہمہ جہت ہے ـ اس مختصر سی عرض حال میں ان
جہتوں کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ـ چند لفظوں میں
یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس نے آسمان اردو پر خیال
و اسلوب کے نئے افق اور چاند تارے روشن کردیے ہیں ـ
آگے کام اہل نظر کا ہے ـ

۱۹۷۳ء

اردو زبان کی پہلی تصنیف

مثنوی نظامی دکنی

المعروف بہ
مثنوی

کدم راؤ پدم راؤ

مصنفہ

فخر دین نظامی

(جو ۸۲۵ ھ / ۱۴۲۱ ء اور ۸۳۹ ھ / ۱۴۳۵ ء کے درمیان لکھی گئی)

مرتبہ

ڈاکٹر جمیل جالبی

پہلا ایڈیشن

موشے پرانے کاغذ، پختہ خط اور بیشتر مقامات پر سمجھ میں نہ آنے والے الفاظ ۔ یہ ایک مخطوطہ ہے جو مدتوں سے انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانہ خاص میں رکھا ہے ۔ برسوں سے اہل نظر، اہل تحقیق اور اراکین حکومت اسے آکر دیکھتے ہیں ۔ اردو سے دل چسپی رکھنے والے غیرملکی صرف اسی کی زیارت کرنے انجمن آتے ہیں ۔

تکلف برطرف اس کتاب کی اشاعت تاریخ ادب اردو کا ایک بہت ہی اہم واقعہ ہے ۔

ظاہر ہے کہ تاریخ کا تعلق ماضی سے ہے، مستقبل سے نہیں ۔ ممکن ہے آئندہ تاریخ اردو کے سلسلے میں کوئی واقعہ اس سے بھی بڑا پیش آجائے، مثلاً کوئی اور تصنیف دریافت ہو اور وہ اس مثنوی سے قدیم تر ثابت ہو ۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں ۔۔ یا ہماری روحوں کو ۔۔ بہت خوشی ہوگی ۔ علم کی طرح جستجو اور امکانات کی بھی کوئی حد نہیں ہوتی مگر علم جستجو اور امکان اپنی جگہ اور ہر زمانے کا حرف آخر اپنی جگہ ۔ کوئی حرف آخر حرف مابعد کی روشنیوں سے پگھل جاتا ہے ۔ کوئی حرف آخر ابد تک حرف آخر ہی رہتا ہے ۔ ابد یہاں ہم نے محاورتاً استعمال کیا ہے ورنہ ابد کیا ہے یہ ہمیں کیا معلوم ۔ شاید بہتوں کو معلوم نہیں مگر یہ الگ بحث ہے ۔

یہ نسخہ دنیا بھر میں اس کتاب کا واحد نسخہ ہے ۔ تاحال یہ انجمن کے کتب خانہ خاص میں محفوظ ہے ۔ ممکن ہے آئندہ کسی مناسب موقع پر قومی عجائب

گھر کراچی کو دے دیا جائے ۔ انجمن کا اصل کام اس کو دفینہ بنا کر رکھنا نہیں تھا، بلکہ اس کے فیوض کو عام کرنا تھا ۔ شکر ہے کہ یہ فرض آج ادا ہورہا ہے۔

قرآئن اور تحقیق کی رو سے یہ کتاب اردو زبان کی پہلی مکمل تصنیف ہے ۔ یہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کا فیصلہ تھا اور اس موضوع پر فاضل مرتب نے بھی گفتگو کی ہے، لیکن ان کی گفتگو میں ایک چھوٹا سا مگر نہایت اہم اضافہ ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ اس کتاب کے صفحات ۲۲-۳۲ پر "معراج العاشقین" کے سلسلے سے وہ فرماتے ہیں :-

"انھوں نے (مولوی صاحب مرحوم نے) ڈرتے ڈرتے معراج العاشقین کو خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے نام سے شائع تو کردیا لیکن زندگی بھر اصرار نہیں کیا" ۔

یہ سچ ہے کہ بقول فاضل مرتب مولوی صاحب مرحوم معراج العاشقین کو مرتب کرتے وقت خود بھی تذبذب کا شکار تھے مگر یہ تذبذب ۱۳۴۳ھ کا ہے ۔ بعد میں مولوی صاحب نے اس معاملے پر اور کام کیا ۔ ان کی نظر سے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب اور کئی رسالے گزرے جو قدیم اردو میں تھے مگر وہ کس نتیجے پر پہنچے ۔ ملاحظہ ہو ان کے مضمون " اردو زبان اور ادب" مطبوعہ ماہنامہ "ہم قلم" کراچی ۔ اگست ۱۹۶۲ء صفحہ ۸۷ سے اقتباس ۔

"..... اس عہد کی پہلی کتاب معراج العاشقین سمجھی جاتی ہے جو حضرت سید محمد یوسف الحسینی الدہلوی سے منسوب ہے ۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید تھے اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے لقب سے مشہور ہیں ۔ معراج العاشقین میں نے ہی حیدرآباد دکن سے شائع کی تھی ۔ مجھے اس وقت بھی پورا یقین نہیں تھا کہ یہ

خواجہ بندہ نواز کی تصنیف ہے ۔ خواجہ
صاحب کی تصانیف کثیرہ ہیں ۔ ان کی سب
کتابیں فارسی یا عربی زبان میں ہیں ۔
میں نے ان کی اکثر تصانیف اس خاص نظر سے
بالاستیعاب دیکھی ہیں ۔ کہیں کوئی ہندی
لفظ یا جملہ نظر نہ پڑا ۔ علاوہ
معراج العاشقین کے مجھے کئی اور رسالے مثلاً
تلاوت الوجود، درالاسرار، شکار نامہ،
تمثیل نامہ وغیرہ ملے جو قدیم اردو میں
ہیں اور خواجہ صاحب سے منسوب ہیں ۔
اخبار الاخیار تصنیف شیخ عبد الحقؒ محدث
دہلوی اور جامع الکلم تالیف سید حسین المعروف
بہ سید محمد اکبر حسینی فرزند اکبر خواجہ
بندہ نواز ہیں جس میں حضرت کے ملفوظات
و حالات وغیرہ تفصیل سے درج ہیں ۔ نیز
دیگر کتابوں میں جن میں حضرت کا تذکرہ
ہے کہیں اس بات کا اشارہ تک نہیں پایا
جاتا کہ دکنی یا قدیم اردو میں بھی
ان کی کوئی تصنیف ہے قرین قیاس یہ ہے
کہ یہ ان کے فارسی عربی رسالوں کے ترجمے
ہیں جو ان کے نام سے منسوب کر دیے گئے
ہیں ۔ اس قسم کی بدعت ہماری زبانوں میں
ہوتی آئی ہے" ۔

اس کے بعد اسی مضمون میں مولوی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اگر معراج العاشقین سے قطع نظر کی جائے
تو دکنی اردو کی سب سے قدیم کتاب
فخر دین نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ ہے" ۔

امید ہے کہ اس مختصر سے اضافے کے بعد فاضل
مرتب کی تحقیق درجہ قبول حاصل کر لے گی ۔ لیکن اب

ہم علم سینہ سے کام لیتے ہوئے چار اور نہایت وقیع بزرگوں کی رائے بھی ریکارڈ میں شامل کردیتے ہیں ۔ انھوں نے اور بہتوں سے بھی یہی بات کہی ہوگی مگر ہم نے خود ان کی زبان سے یہی سنا ہے ۔ یہ بزرگ ہیں مولوی سیّد ہاشمی فرید آبادی مرحوم ، جناب قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی مرحوم ، مولوی نصیر الدین ہاشمی مرحوم اور آں جہانی پنڈت دتاتریہ کیفی ۔

سچ کہ صرف چند بزرگوں کی معقول رائے سائنسی اعتبار سے بجائے خود سند نہیں لیکن جو ہم نے سنا اس موقع پر اسے تاریخ کے حوالے کردینے میں کوئی حرج بھی نہیں ۔

یہ نسخہ اس وقت مولوی صاحب کو نہیں ملا جب وہ اورنگ آباد دکن میں بیٹھ کر فرصت سے تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے ۔ انھیں یہ اس وقت ملا جب وہ "اردو بچاؤ" مہم میں زور و شور سے داخل ہوچکے تھے۔ جلسوں ، جلوسوں ، مذاکروں ، مناظروں میں شرکت کے لیے دن رات دورے کرتے تھے ۔ پھر تحریک پاکستان نے بھی اردو کو اپنا لیا اور اس کے بعد کا حال سب کو معلوم ہے ۔

یہاں انجمن جن حالات کا شکار رہی وہ مولوی صاحب کے کتابچے "انجمن کا المیہ" میں بالتفصیل موجود ہیں ۔ جب سے ہم نے ان کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کیا ، انھیں انجمن کے افسوس ناک مسائل پر توجہ کے ساتھ ساتھ اس کتاب کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرتا ہوا پایا ۔ کبھی وہ کسی کو خط لکھ رہے ہوتے ، کبھی حکومت سے ، اردو دوستوں سے ، اس کے پڑھوانے کے اخراجات طلب کرتے تھے ۔ اپنے مداحوں کو ، اردو دوستوں کو ، آتے جاتے محققین کو ، استادوں اور طالب علموں کو غیرت دلاتے تھے ۔ ساتھ ہی انجمن کے تنظیمی بحران کا

مقابلہ بھی کرتے تھے۔ انجمن کو زندہ اور فعال بھی رکھنا چاہتے تھے۔

پھر انجمن کا تنظیمی بحران اس حد تک بڑھا کہ کتب خانہ خاص معطل ہوگیا۔ انجمن کا پانی کٹ گیا۔ وہاں مولوی صاحب کی رہائش سخت مشکل ہوگئی۔ وہ چوتھی منزل پر رہتے تھے۔ ٹیلی فون دفتر میں یعنی دوسری منزل پر تھا۔ مخالفین انھیں تنگ کرنے کے عجیب عجیب طریقے تلاش کرتے۔ بڑے افسروں اور وزیروں کے نام لے کر انھیں فون پر بلاتے۔ ۸۸ برس کی عمر میں وہ دو منزل اتر کر، دو منزل واپس چڑھنے کی ہمت لیے ہوئے آتے تو فون قہقہوں یا گالیوں کے ساتھ بند ہوجاتا۔ ایک دن وہ فون بھی واجبات کی مسلسل عدم ادائیگی کا شکار ہوگیا۔

اکتوبر ۱۹۵۹ء میں خود مولوی صاحب کی درخواست پر انجمن کو اُنھی کی صدارت میں مارشل لا کے انتظام میں دے دیا گیا۔ مگر کئی دوسرے عہدہ دار نوکرشاہی کے نامزد ہوتے۔ سرکاری افسروں نے ٹیلی فون اور پانی کے واجبات ادا کردیے، کمرے کھلوا دیے، ملحقہ ادارے اردو کالج میں نظم و ضبط قائم کردیا مگر انجمن کو انجمن نہ بنا سکے۔ میٹنگ ہوتی تو گھنٹوں مولوی صاحب کو دفتری معاملات میں الجھائے رکھتے۔ انھیں تصنیف و تالیف کے انتظامات پر توجہ دینے کی مہلت بلکہ اجازت تک نہ دیتے۔ فروعات میں اس طرح مبتلا کرتے کہ وہ عاجز آجاتے۔ انجمن کا نیا دستور لکھا جاتا تھا۔ یہ زیادہ سے زیادہ چند روز کا کام تھا، مگر اکتوبر ۱۹۵۹ء سے اگست ۱۹۶۱ء تک دستور کا پہلا مسودہ بھی تیار نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ بیمار ہوئے اور سولہ اگست ۱۹۶۱ء کو انتقال کرگئے۔ راقم الحروف نے اُن کا یہ زمانہ خوب دیکھا ہے کہ اس زمانے میں وہ

ان کے ایک ادنی خادم کی حیثیت سے ان کا شریک کار تھا ۔ بزرگوں کے مراسم ان سے پرانے تھے ۔ اور جب سے انجمن دلی آئی، راقم ان کی خدمت میں اپنے پھوپھی زاد بھائی مولوی سید ہاشمی فرید آبادی کی وساطت سے حاضر ہوتا تھا ۔ کراچی میں بھی ان سے گاہے گاہے نیاز رہا۔ انجمن کے بحرانی دور میں ان کے شاگرد اور خادم اور اپنے دوست ابن انشا کے ساتھ ان کی طرف داری بھی کی، مگر عملاً ان کے شریک کار ہونے کا فخر ۱۹۵۹ء سے حاصل ہوا۔ اپنی بے بضاعتی اور ان کی موت کے بعد بھی ان کے شدید اور بااثر مخالفوں کے باوجود آج تک اس عظیم کارکن اور محسن اردو کو خراج عقیدت پیش کرتا رہا ہے ۔ امید ہے کہ آئندہ بہت بہتر اور متعدد لوگ ان کا کام سنبھالیں گے ۔

مولوی صاحب کے بعد جناب اختر حسین (سابق گورنر مغربی پاکستان اور سابق وفاقی وزیر تعلیم) صدر انجمن ہوئے۔ اختر حسین صاحب کی مادری زبان اردو نہیں اور انھوں نے براہ راست کوئی علمی یا ادبی تصنیف یا تالیف بھی نہیں کی ہے، لیکن ان کی انتظامی استعداد، دیانت اور اردو دوستی کا شہرہ پورے ملک میں تھا ۔ پچھلے گیارہ برس نے ثابت کردیا کہ انجمن کو بابائے اردو کے بعد اختر حسین صاحب سے بہتر شخصیت اس کے سربراہ کے طور پر نہیں مل سکتی تھی ۔ انجمن پر ان کے بڑے احسانات ہیں ۔ آج وہ ایک بے اقتدار اور عمر رسیدہ بزرگ ہیں، مگر سچ یہ ہے کہ انجمن بابائے اردو کی زندگی میں آخری سانس لینے لگی تھی ۔ اختر حسین صاحب کی انتظامی اہلیت اور ذاتی اثر و رسوخ نے اسے نہ صرف زندہ کردیا بلکہ اسے دوبارہ صحت عطا کی ۔ ان کے زمانے میں انجمن نے سیاسی اور نیم سیاسی

مناقشات سے مبرّا رہتے ہوئے اپنے اشاعتی پروگرام پر پوری توجہ دی ۔ ۱۹۶۲ء سے لے کر آج تک انجمن نے اتنی کتابیں شائع کی ہیں کہ اگر بحرانی زمانے میں مولوی صاحب کو اس سے نصف کی بھی امید ہوتی تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے ۔ اختر حسین صاحب نے اردو کالج کو پے بہ پے کامیابیوں سے ہمکنار کیا ۔ مولوی صاحب کا ایک خواب یہ تھا کہ اردو یونیورسٹی قائم کی جائے مگر وہ اپنے زمانے میں کل گیارہ ہزار کے قریب رقم جمع کرسکے تھے ۔ اختر حسین صاحب کے زیر اہتمام انجمن نے بائیس لاکھ روپے کی تو زمیں حاصل کی اور کوئی ساڑھے دس لاکھ کی رقم سے وہاں شعبہ سائنس پر مشتمل ایک بالکل نئی عمارت تعمیر کر دی ۔ یہ اردو یونیورسٹی کا پہلا مرحلہ تھا ۔ اگلی منزل اقامتی عمارتوں کی تعمیر تھی مگر اب تعلیم قومیالی گئی اور کالج ریاست کی ملکیت میں آگیا ۔ بہرحال ، پرانے کالج کو مالی استحکام دے کر اس نئی اہم عمارت کی تعمیر مولوی صاحب کے بعد انجمن کا ایک بڑا کارنامہ ہے ۔ آگے نئے ذمہ داروں کی ذمہ داری ہے ۔ ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اگر اردو یونیورسٹی کا آئیڈیل سچا تھا تو ہمارے بعد کام کرنے والے اس کی تمام منزلیں سر کر لیں گے ۔ انشاء اللہ ۔

نئے صدر انجمن نے اس مخطوطے کو بھی پوری توجہ دی مگر یہ مخطوطہ ہمارے سب سے بڑے مسائل میں سے ایک مسئلہ بن چکا تھا ۔

فاضل مرتب ڈاکٹر جمیل جالبی نے بیان کیا ہے کہ بابائے اردو نے اس مخطوطے کے چند صفحات کا فوٹو شائع کیا تھا تاکہ کتاب پڑھنے کی کوشش عام ہوجائے ہم نے فاضل مرتب کا مقدمہ حرف بہ حرف شائع کیا ہے کہ ایسا ہی کرنا چاہیے لیکن بیان کا اتنا حصہ سہو

پر مبنی ہے ۔ فوٹو جناب اختر حسین کے دور صدارت میں شائع ہوئے ۔ یہی نہیں بلکہ ہم نے فوٹو بنوا کر ان کی نقلیں ملک سے باہر، یعنی علی گڑھ، حیدرآباد اور لندن بھی بھیجی تھیں ۔ اس امید پر کہ شاید کوئی پڑھنے والا ظاہر ہوجائے ۔

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی اور سید ہاشمی فرید آبادی مولوی صاحب کی حیات میں ہی انتقال کر چکے تھے ۔ مولوی صاحب کے انتقال کے بعد سید نصیر الدین ہاشمی مرحوم کراچی تشریف لائے تو ہم نے ان سے بہ اصرار درخواست کی کہ وہ پاکستان میں رہ کر اس مخطوطے پر کام کریں ۔ ان کے لیے پاکستانی شہریت کی درخواست بھی دے دی گئی ۔ حکومت تیار ہوگئی کہ اگر وہ اس علمی خدمت کے لیے پاکستان میں رہنا چاہیں تو انہیں حقوق شہریت مل جائیں گے، مگر ان کے حالات نے طویل قیام کی اجازت نہ دی ۔ چند اجزا کے فوٹو ساتھ لے گئے خط کتابت بھی کی مگر کام آگے نہ بڑھا ۔

اس دوران ہم نے اپنے جرائد میں اور اخبارات میں بار بار اس کتاب کا ذکر کیا ۔ بھارت کے اردو اہل تحقیق سے بھی درخواست کی کہ وہ ہماری مدد کریں مگر اس کام کے تقاضے بہت تھے ۔ کامیابی کے امکانات کم اور کسی مالی فائدے کی یقین دہانی ناممکن ۔ چھ سو برس کا مسودہ ۔ زدہ ۔ مشکل زبان پر نہایت گہرے دکنی اثرات ۔ ایک بہت بڑی مہم تھی ۔ اپنے اقتصادی مسائل سے سراسیمہ اہل تحقیق ہاتھ ڈالتے گھبراتے تھے ۔

اور ایک دن فاضل مرتب ڈاکٹر جمیل جالبی نے اسے سر کرنے کا بیڑا اٹھا لیا لیکن انہیں ابھارنے والا راقم الحروف نہیں بلکہ ایک اور صاحب ہیں ۔

اس سال انجمن اپنے ایک نہایت ہی مستعد اور

فاضل معاون سے محروم ہو رہی ہے اور ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ انھوں نے اپنا نام انجمن کی کسی اشاعت کے دیباچے تک میں نہیں آنے دیا ، مگر اب یہ کہ یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں وہ انجمن کے کارکن نہیں ہیں ۔ سبکدوش ہوکر تصنیف و تالیف کرنے لاہور چلے گئے ہیں ۔ اس لیے ہم ان کا ذکر کرنے کے لیے آزاد ہیں ۔

یہ کارکن انجمن کے سابق مددگار معتمد جناب مشفق خواجہ ہیں ۔ مشہور محقق ، ناقد اور شاعر بھی ۔ ان کے فضائل اور خدمات جلیلہ کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا ۔ اس وقت اس کتاب کے ناتے سے صرف یہ کرنا ہے کہ مولوی صاحب کی یہ خواہش اور وصیت پوری کرنے کے لیے سب سے زیادہ کاوش اور محبت مشفق خواجہ صاحب نے کی ہے۔ ہم نے نہیں ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کو یہ سخت مرحلہ طے کرنے کی تشویق و ترغیب بھی مشفق خواجہ صاحب نے دلائی ۔

اس سلسلے میں ہمارے بزرگ و محترم رفیق کار جناب افسر صدیقی امروہوی نے فاضل مرتب کی جو معاونت کی ہے اس کا تفصیلی شکریہ خود فاضل مرتب نے اگلے صفحات پر ادا کیا ہے ۔

ڈاکٹر جمیل جالبی اردو دنیا کے لیے محتاج تعارف نہیں ۔ وہ ایک ادیب ، نقاد اور محقق کی حیثیت سے کب کے مشہور ہیں اب ڈاکٹر بھی کہلاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اپنی "تاریخ ادب اردو" پر انھوں نے بے مثال محنت کی ہے ۔ مگر ، ہم یہ بھی کہیں گے کہ انھوں نے اس مخطوطے پر جو کام کیا ہے اس نے انھیں تاریخ ادب اردو میں لازوال کر دیا ہے ۔ ان سے اپنی قدیم شناسائی کی بنا پر ہم ان کی غیر مشروط تعریف کے لیے اپنے آپ کو مشکل سے آمادہ کر پائے لیکن

اس کتاب کے سلسلے میں ان کی محنت اور مہارت کی داد
کھل کر نہ دینا ایک ناقابل معافی ادبی جرم ہوتا۔
ہم نہایت خوشی اور فخر سے ان کے آگے سر تشکر جھکاتے
ہیں اور آواز بلند کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ ایک عظیم
تحقیقی کارنامہ ہے ۔

اس تشکر بالجہر کے ساتھ اور اس سے پیشتر کہ یہ
مضمون ختم ہو اس تصنیف سے متعلق چند باتیں شامل
مسل کر دینی ضروری ہیں ۔

پہلی بات مثنوی کے نام سے متعلق ہے ۔ مخطوطے
پر مولوی سید ہاشمی فرید آبادی نے نشان کے طور پر
کدم راؤ پدم راؤ لکھ رکھا تھا اور مولوی صاحب اسی
حوالے سے اس کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ یہ اسی
نام سے معروف ہوئی ۔ ہم نے یہ جرأت کی ہے کہ اس
کا نام روایت اسلاف کے مطابق ہی پورا کردیا یعنی
مثنوی نظامی دکنی، المعروف بہ کدم راؤ پدم راؤ ۔
اس کا صفحہ اول موجود نہیں ہے اغلب کہ اس پر بھی
نام ہوگا ۔

لیکن اس بات سے قطع نظر کہ مثنوی کا نام دراصل
کیا تھا یا کیا رکھنا چاہیے ہمیں اور فاضل مرتب
اور سبھی اہل جستجو کو یہ جاننے کی پوری کاوش کرنی
چاہیے کہ کدم راؤ پدم راؤ کے کردار کیا تاریخی
حیثیت رکھتے ہیں؟ کدم راؤ پدم راؤ اس مثنوی کے
نمایاں ترین کردار ہیں اور مثنوی کی کہانی ہندو دیو
مالا پر مبنی ہے ۔ اس کا پورا پس منظر اساطیری ہے۔
اس میں تبدیلی ہیئت اور انتقال ارواح کا بیان ہے۔
لیکن چوں کہ مثنوی نامکمل ہے اس لیے ہمیں ان
بنیادی کرداروں کے بارے میں کسی حتمی رائے تک
پہنچنے کے لیے مثنوی سے باہر بھی کام کرنا پڑے گا۔
راقم الحروف کو ہندی نہیں آتی مگر ہندی جاننے والے

کدم کا صحیح تلفظ کدم (کاف بالضم) بتاتے ہیں ۔ اس
سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ہندو دیو مالا میں
اس درخت کا نام ہے جس پر سری کرشن جی اپنی گوپیوں
کے کپڑے لے کر چھپ جاتے تھے ۔ اس درخت کی پھول
جیسی کلی کو بھی کدم کہتے ہیں اور اسی تعلق کی
وجہ سے ایک مٹھائی جو ان کی پوجا کے لیے بنتی ہے
رس کدم کہلاتی ہے ۔ ہم نے یہ بھی سنا کہ ویدانیت کی
بعض تشریحات میں کدم بمعنی وجود بھی استعمال ہوا
ہے ۔ اس طرح کدم راؤ موجود یا صاحب وجود کو بھی
کہہ سکتے ہیں ۔ اسی طرح پدم کے معنی بھی ایک سے
زیادہ ہیں ۔ پدم پانی کے پھول کو کہتے ہیں جو کنول
اور نیلوفر کہلاتا ہے ۔ یہ پھول بھی ہندو دیومالا کے
کسی دیوتا سے منسوب ہے ۔ اس پھول کی خاصیت یہ ہے
کہ پانی یکایک بھی بڑھ جائے تو یہ سطح آب ہی پر
رہتا ہے اور شاید اسی لیے اس کو اداودھ کہتے ہیں۔
اس مثنوی میں پدم راؤ زمین سے اونچا اٹھ کر کدم راؤ
سے گفتگو کرتا نظر آتا ہے ۔ اس سے یہ استنباط بھی
کیا جاسکتا ہے (بشرطیکہ دوسرے شواہد اس قیاس کا
ساتھ دیں) کہ پدم راؤ دراصل پھول کا دیوتا ہے۔ اس
سلسلے میں ہم نے یہ سنا کہ ویدانیت میں پدم استعارتہً
بمعنی عدم بھی مستعمل ہے اور کہیں کہیں اس لفظ سے
انتہائی روحانی مسرت بھی مراد ہے، چناں چہ امکان
ہے کہ پدم راؤ بمعنی شئے معدوم یا شخص معدوم
استعمال ہوا ہو، چوں کہ یہ دونوں نام استعارتہً
ویدانیت میں "وجود و عدم" کے نشانات بھی ہیں ، اس
لیے اس مثنوی کا نام نہیں تو متبادل نام ہماری
اصطلاحی زبان میں "وجود و عدم" بھی ہوسکتا تھا ۔
قصہ بہرحال اساطیری ہے اور دوسرے انداز سے دیکھا
جائے تو متصوفانہ ہے ۔ ایک جگہ پدم راؤ کدم راؤ سے

اپنے سر پر کیسر ملنے کی درخواست کرتا ہے تاکہ اس کے (پدم راوٗ کے) جسم پر پدم ہوجائیں ۔ اگر پدم راوٗ صرف یا پکا ناگ دیوتا تھا تو اسے پدم کی کیا ضرورت تھی ۔ اس بات کو دیومالا کا روایتی تضاد کہہ کر نہیں ٹالا جاسکتا، بلکہ روحانی بیجاک کے حوالے سے بہت سی تشریحات کی جاسکتی ہیں ۔ بہرحال یہ چند سطریں ہم نے صرف آئندہ کام کرنے والوں کے لیے پیش خدمت کر دی ہیں ۔ ہم میں یہ جاننے یا کہنے کی اہلیت نہیں کہ حقیقت کیا ہے ۔ دراصل مثنوی کا نامکمل ہونا کم از کم مدلل اندازوں کے لیے خاصی گنجائش چھوڑ گیا ہے ۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ متن کسی کم سواد اور غیر محتاط منشی کی تحریر معلوم ہوتے ہوئے بھی لوازم صوتیات سے بھرا ہوا ہے ۔ لکھنے والے نے کئی مقامات پر الفاظ کے ہجّے بدلے ہیں، مگر آہنگ و صوت کی مطابقت رکھی ہے ۔ ک ۔ ہ ۔ ی ۔ ن وغیرہ کی درمیانی صورتیں پڑھنے میں خاصی دقت طلب تھیں مگر فاضل مرتّب کی محنت نے ان کی صوتی اسکیم اجاگر کرکے رکھ دی ہے ۔ یہ تاحال کم از کم ایک دل چسپ بات لگتی ہے ۔ ممکن ہے آگے جا کر کچھ اور بھی منکشف ہو ۔ معلوم ہوتا ہے ان مشکل مقامات کے سلسلے میں خود فاضل مرتّب بھی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرسکے کیوں کہ جو انتہائی مفید اصول انھوں نے متن پڑھنے کے لیے مرتّب کیے ہیں ان میں بعض مستثنیات نظر آتے ہیں، ممکن ہے اگلی اشاعت تک کوئی واضح تر صورت حال سامنے آجائے ۔

تیسری گزارش مصنّف کے سلسلے میں ۔ یہ نسخہ دکن میں ملا اور اقلب ترین امر یہ ہے کہ دکن ہی میں تصنیف ہوا لیکن مصنف کے نام سے یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ ممکن ہے وہ شمالی ہند بلکہ پاکستان کا

رہنے والا ہو ۔ اس کی زبان میں پراکرت کی اپ بھاشا کا انداز تو ہے ہی ۔ اس میں پرانی کھڑی بولی اور پنجابی اور سرائیکی بھی موجود ہے فیصلہ تو اہل نظر کی طرف سے آئے گا مگر یہ بات واقعی حیرت کی ہے کہ مخطوطہ دکنی ہو اور اس میں غیر آریائی الفاظ کی ایک چھوٹی سی تعداد بھی نظر نہ آئے ۔ اس وقت کے دکنی ماحول اور مقامی زبان پر غیر آریائی اثرات اتنے بھی نہ ہوں کہ وہاں کے ایک صاحب کلام باشندے کی زبان پر نہ چڑھیں ۔ یہ بات آسانی کے ساتھ نہیں مانی جاسکتی ۔ بہرحال یہ مسئلہ کافی توجہ طلب ہے مصنف کا نام فخرالدین کی بجائے فخر دین ہونا ایک لمحۂ فکریہ ہے ۔

انجمن میں اسی سے ملتی جلتی تحریر کے چند دوسرے مخطوطے موجود ہیں ۔ شاید دوسرے کتب خانوں میں بھی نکل آئیں ۔ اب کہ ہم اصل متن کا عکس چھاپ رہے ہیں شان خط و الفاظ کا تقابل وسیع پیمانے پر ممکن ہوگیا ہے ۔ امید ہے اہل تحقیق لسانیات اور رسم الخط کے تقابل سے اردو کی ابتدائی صورت پر بہت سے مفید کام کرسکیں گے ۔

مکرر عرض کر دیا جائے کہ راقم الحروف کوچۂ تحقیق سے بالکل نابلد ہے، لیکن اس کتاب کی اشاعت سے متعلق ذمہ داریوں میں یہ بات شامل تھی کہ اس کے جس پہلو پر بھی اس نے چند نہایت وقیع حضرات سے جو کچھ سن رکھا تھا جدید محاورے کی زبان میں "ریکارڈ پر لے آئے "۔

یاد رہے کہ اس سلسلے میں انجمن نے ڈاکٹر جمیل جالبی کو کوئی مالی امداد بہم نہیں پہنچائی۔ انہیں "ریسرچ اسسٹنٹ نہیں دیے ، سفری الاؤنس نہیں دیا ۔ کسی قسم کا اعزازیہ ، کوئی اور امدادیہ کچھ پیش

نہیں کیا جاسکا ۔ نہ انجمن اب انہیں کوئی انعام دینے
کی سکت رکھتی ہے ۔ ہاں انجمن نے جن حضرات کو اردو
کا عظیم خادم اور اپنا محسن سمجھا ہے یا سمجھے گی
ڈاکٹر جمیل جالبی کا نام ان میں ضرور لکھا جانا
چاہیے ۔ انھوں نے بابائے اردو کی ایک بہت ہی
دشوار اور اہم وصیت پوری کردی ۔ اردو کی تاحال
پہلی "کتاب پہلی بار مرتب کی اور اہل نظر کے سامنے
ایک بہت بڑا موضوع کھول کررکھ دیا ۔ فخردین نظامی
دکنی کا تعارف اب تک گونگا سا تھا ۔ اسے زبان دے
کر ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ کے اس باب کو نمایاں
قوت گویائی دے دی ہے ۔

اس وقت ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کتاب کی پذیرائی
اس زمانے میں کس طرح ہوگی ۔ آج کل پاکستان کئی بڑے
اور پیچیدہ مسائل سے دوچار ہے ۔ علم وتحقیق کو قومی
فہرست ترجیحات میں وہ مقام حاصل نہیں جو ہونا چاہیئے
لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسی زمانے میں برصغیر
کی سب سے بڑی اور دنیا بھر کی تیسری زبان کی پہلی
مکمل تصنیف کی پہلی اشاعت ہمارے محبوب وطن میں
ہو رہی ہے ۔ یہ پاکستان کی مجموعی جی نی آس کا ایک
بڑا روشن رخ ہے ۔ امید ہے کہ پاکستانی اس پر فخر
محسوس کریں گے اور غیر پاکستانی علم دوستوں کی
طرف سے دلی مسرت کا اظہار ہوگا ۔ ہم نے بڑے نیکا
اور حوالوں کی دوسری کتابیں دیکھی ۔ کہیں پتہ نہیں
چلتا کہ مسلمہ طور پر دنیا کی پہلی مکمل لکھی
ہوئی تصنیف کون سی ہے ۔ مختلف زبانوں میں بھی ان
کی اولین مکمل تصنیف پر اختلاف رائے تاحال موجود
ہے لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ زندہ قوموں نے اپنے
ایسے آثار کے انکشاف اور اشاعت کی پذیرائی بڑے
بڑے جشنوں کی صورت میں کی ہے ۔

ہمارا پہلا جشن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس نے انجمن کو اس کتاب کی اشاعت کے لیے قائم رکھا ۔ دوسرے جشن اہل تحقیق مناسکتے ہیں ۔ پوری قوم اور پوری دنیائے اردو منا سکتی ہے ۔

۱۹۷۳ء

لغت کبیر اردو
(جلد اول)

مولفہ

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم

پہلا ایڈیشن

انجمن ترقی اردو نہایت فخر و انبساط سے ایک عظیم کارنامے کا تعارف کراتی ہے جو بابائے اردو مولوی عبد الحق کی قیادت میں اب سے چوالیس برس پہلے شروع کیا گیا تھا ۔

یہ اردو کی لغت کبیر ہے ۔

انجمن کے پاس لغت کبیر اردو کے مندرجہ ذیل حروف پر مکمل مواد موجود ہے ۔

— الف ممدودہ

— الف مقصورہ

— ب

— بھ

اردو لغت پر اتنا بڑا کام اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا ۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ مواد تقطیع کے تقریباً پانچ ہزار صفحات پر پھیلے گا ۔

اب ہمارے موجودہ وسائل پہلے سے بہتر ہوتے ہوئے بھی اس کے متحمل نہیں ہوسکتے کہ یہ تمام مواد بیک وقت چھاپ دیا جائے ۔ ادھر کیفیت یہ ہے کہ یہ ایک بیش بہا خزانہ ہے جسے اردو کے وسیع تر مفاد میں جلد منظر عام پر آجانا چاہیے ۔

انجمن کی تنظیم نو کے بعد طے ہوا تھا کہ جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اسے انجمن کے سہ ماہی جریدے "اردو" میں شائع کیا جائے ۔ چناں چہ اپریل ۱۹۶۶ء سے اس فیصلے پر عمل ہو رہا ہے ۔

"اردو" ایک سہ ماہی جریدہ ہے اور اس میں لغت

کبیر کے چند ہی صفحات چھپ سکتے ہیں ۔ بہرحال اس طریق کار کے کئی فوائد سامنے آئے ۔ اب اہل علم نے اصرار کیا کہ اس مواد کو علاحدہ کتابی صورت میں محفوظ کیا جائے، خواہ کتاب کتنی ہی قسطوں میں چھپے ۔ چناں چہ اپنی مالی بے بضاعتی کے باوجود ہم نے ایک نیا لائحۂ عمل اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اب ہم سہ ماہی "اردو" میں ہر بار چند صفحات شامل کرنے کے علاوہ لغت کبیر کو بالاقساط کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں ۔

یہ جلد اس سلسلے کی پہلی قسط ہے ۔ فی الحال اصل مواد کے چار سو سے زیادہ صفحات شائع کیے جا رہے ہیں اور چالیس صفحات پر مشتمل خود مولوی عبدالحق مرحوم کا مقدمہ ہے جو بجائے خود ایک عظیم تاریخی حیثیت رکھتا ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ آیندہ اس سلسلے کی ہر جلد کم از کم دو سو صفحات کی ہو اور حالات نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ اگلی قسطوں کی ضخامت میں اضافہ ہوگا ۔

بنیادی طور پر ہماری غرض یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے اسے مزید تاخیر کے بغیر اہل اردو کی خدمت میں پیش کر دیں ۔

اس لغت کی تدوین کس طرح ہوئی، اس ذیل میں ایک بیان ملاحظہ فرمائیے جو سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم کی مرتبہ کتاب "پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو" سے لیا گیا ہے ۔ یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں چھپی تھی ۔

"۱۹۳۰ء میں جناب مولوی (عبدالحق) صاحب اورنگ آباد کالج کی صدارت سے سبکدوش ہوئے تو حکومت حیدر آباد نے یہ اصرار انہیں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کا صدر مقرر کیا اور دس برس کے لیے بارہ ہزار روپے

(سکۂ عثمانیہ) سالانہ کی ایک خاص امداد بھی منظور فرمادی کہ وہ اردو زبان کی جدید، کلاں تر لغت تالیف کریں، جس کی ایک مدت سے خواہش تھی ۔ فیلن اور پلیٹ کی ہندستانی سے انگریزی لغات کے علاوہ اس وقت اردو میں "فرہنگ آصفیہ" اور "نور اللغات" متداول تھیں ۔ مفتی امیر احمد صاحب مینائی نے وسیع تر پیمانے پر "امیر اللغات" لکھنی شروع کی تھی مگر اس کی صرف ایک جلد (حرف الف) چھپی ۔ مفتی صاحب کے انتقال کے بعد کام ناتمام رہ گیا ۔ جناب مولوی صاحب کا منصوبہ تھا کہ الفاظ کی اصل اور گزشتہ تاریخ کو تفصیل و تحقیق سے لکھا جائے جس پر سابق لغت نویسوں نے کوئی خاص اعتنا نہ کی تھی، بہت سے الفاظ سہواً یا شاید متروک سمجھ کر چھوڑ دیے گئے تھے ۔ مرکب الفاظ سے اردو میں نئے نئے معنی پیدا ہو جاتے ہیں، مروجہ لغات میں یہ پہلو بھی خاصا تشنہ رہ گیا تھا دوسرے قدیم و جدید مصطلحات علم و فن شامل کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا ۔ مولوی صاحب اپنی جامع لغت میں ان سب کو حتی الامکان فراہم کرنا چاہتے تھے ۔ الفاظ و محاورات کی اسناد تلاش کرنے میں مصنفین نظم و نثر کا دائرہ کہیں زیادہ وسیع کر دیا تھا ۔ ایک تجویز یہ تھی کہ دکنی لغات جو اب متروک ہیں، دو تین جلدوں میں مرتب کر کے کتاب کا ضمیمہ بنادیے جائیں ۔ غرض بڑے منصوبوں کے ساتھ پوری مستعدی سے کام کا آغاز ہوا ۔ مولوی صاحب کے جامعہ عثمانیہ میں حیدر آباد آجانے کے باوجود انجمن کا دفتر و مطبع اورنگ آباد ہی میں رہا لیکن لغت کا دفتر حیدر آباد میں کھولا گیا ۔ مولوی احتشام الدین حقی دہلوی مدد گار مقرر ہوئے ۔ مرحوم، اردو زبان کے ادیب ابن ادیب تھے اور ان سے بہتر اس کام میں مددگار ملنا مشکل

تھا ۔ مگر ایک عرصے بعد انجمن کے بعض مخالفوں نے
تالیف کتاب کی ساری کارگزاری جو ان مرحوم سے منسوب
کی، یہ محض مبالغہ اور فتنہ طرازی کی بات تھی ۔
ان کا کام صرف مطبوعہ اور دوسروں کے تلاش کردہ الفاظ
کو ترتیب سے جمانا ، ان کی شرح اور معنی کی ضرورت ہو
تو صاف و سلیس لکھنا تھا ۔ محاورات اور مرکبات جو
ان کے خیال میں چھوٹ گئے تھے، وہ اضافہ کردیتے تھے
اور ان کے محل استعمال کی مثالیں تحریر کرتے تھے ،
مگر یہ اکثر غیر ضروری ثابت ہوئیں اور دو دو تین
تین دفعہ کی نظرثانی میں حذف کر دی گئیں ۔ نظر
ثانی خود مولوی صاحب اور ایک کمیٹی کرتی رہتی تھی ،
جس میں ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی، جناب پنڈت کیفی
اور راقم الحروف شریک تھے ۔ الفاظ کی اصل اور
سرگزشت کا پتا چلانے کے لیے سنسکرت اور ہندی زبانوں
کے بعض ماہر (پنڈت ونشی دھر وغیرہ) مامور تھے عربی الاصل
الفاظ کے مادے عربی دان حضرات (ڈاکٹر صدیقی
صاحب کی نگرانی میں) لکھ کر بھیجتے تھے۔ نظم و نثر
کی مستند کتابوں سے الفاظ و اسناد ڈھونڈنے میں کئی
کئی صاحب مصروف رہے، مگر ان سب کاموں کو خود مولوی
صاحب بار بار دیکھتے اور جزوی تلاش و تحقیق تک
میں شریک ہوتے تھے ۔ طرفہ تر یہ کہ جس قدر کام زیادہ
ہوا ، مولوی صاحب کے منصوبے بڑھتے رہے ۔ چنان چہ
گو دس بارہ برس میں لغت کا اتنا کچھ سرمایہ فراہم
ہوگیا کہ پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ آسکتا تھا ،
کتاب تکمیل کو نہ پہنچی ۔ چند اجزا حیدرآباد کے
سرکاری مطبع میں چھپے تھے کہ "آزادیٔ ہند" کی
آندھیوں میں وہ دفتر ہی پراگندہ ہوگیا" ۔(ص ۵۵-۵۲)

تقسیم کے فسادات میں نہ صرف انجمن کے بیشتر
انمول مخطوطات ، مسودات اور مخطوطات ضائع ہوگئے بلکہ

لغت کبیر کا دفتر بھی پراگندہ ہوا ۔ انجمن کے دفتر دہلی میں پہلے تو آگ لگائی گئی، پھر جو کچھ بچا کھچا رہ گیا تھا اسے نئے قابضین نے ادھر ادھر پھینک دیا ۔ یہ پرچے پرزے مولوی صاحب اور ان کے رفقا نے کن حالات میں کس محنت سے جمع کیے، اس کی داستان بھی سید ہاشمی کی اسی کتاب میں موجود ہے ۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح مولوی صاحب کارڈوں کے چند پلندے اور کچھ حوالے دہلی سے کراچی منتقل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ذہناً انھوں نے یہ منصوبہ ترک نہیں کیا تھا ، چناں چہ پاکستان میں انجمن کی تنظیم کرتے ہی انھوں نے خود اس منصوبے پر دوبارہ کام کرنا شروع کیا اور جب تک زندہ رہے اس پر کام کرتے رہے ۔

یہ منصوبہ مولوی صاحب کو بہت عزیز تھا اور ان کی بڑی خواہش تھی کہ اپنی زندگی ہی میں اسے پورا کر جائیں ۔

بہرحال جو کچھ ہمارے پاس ہے اردو کی امانت ہے اور اہل اردو کی خدمت میں حاضر ہے ۔ اس کی علمی اہمیت پر ڈاکٹر شوکت سبزواری کا ایک مختصر سا تبصرہ اس اشاعت میں شامل کر دیا گیا ہے ۔

۱۹۷۲ء

شعرائے عصر کے کلام
کا

انتخاب جدید
(حصّہ اوّل)

۱۹۱۴ء تا ۱۹۴۲ء

مرتبین
پروفیسر عزیز احمد

پروفیسر آل احمد سرور

انجمن ترقی اردو نے گزشتہ پچاس برس میں کسی جدید شاعر کا کلام شائع نہیں کیا ۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انجمن جدید شاعروں کے کلام کو درخور اعتنا نہیں سمجھتی، بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ انجمن صرف وہی کام کرتی ہے جو عام اشاعتی ادارے انجام نہ دے سکیں ۔ لیکن انجمن نے جدید ادب یا شاعری سے بیزاری کا اظہار بھی نہیں کیا اور اس کا سب سے بڑا ثبوت زیر نظر کتاب ہے جس میں ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۲ء تک کی اردو شاعری کا انتخاب ہے ۔ یہ ہماری زبان کے دو ایسے نقادوں کی کوشش کا نتیجہ ہے جن کے ذوق سلیم کے بارے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں اور یہی وجہ ہے کہ اس انتخاب کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی ۔

قیام پاکستان کے بعد اس کے چار ایڈیشن چھپ چکے ہیں ۔ پانچواں آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ ارادہ تھا کہ اس انتخاب میں موجودہ عہد تک کی اردو شاعری کا انتخاب بھی شامل کردیا جائے لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا ۔ انشا اللہ آیندہ کبھی یہ کمی پوری کر دی جائے گی ۔

پانچویں اشاعت ۱۹۷۴ء

THE STUDENT'S STANDARD ENGLISH - URDU DICTIONARY

by

BABA-E-URDU

Dr. Moulvi Abdul Haq

دسویں اشاعت

دسویں اشاعت

جیسا کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے پیش لفظ میں تحریر فرمایا یہ بڑی لغت کا اختصار ہے لیکن باوجود اختصار کے بہمہ وجوہ مکمل اور جامع ہے ـ

اور یہ اس ڈکشنری کی دسویں اشاعت ہے ـ مولوی صاحب نے اپنی حیات میں ہی یعنی ۱۹۶۱ء تک چھ ایڈیشن شائع کرائے تھے ان کے بعد جب انجمن کی تنظیم نو ہوئی تو ہم نے پہلی توجہ اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری پر دی جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۲۷ء کے بعد سے چھپا ہی نہیں تھا ـ ساتھ ہی اس ڈکشنری کو یعنی اسٹوڈینٹس اسٹینڈرڈ ڈکشنری کو اچھے کاغذ پر چھاپنے کا منصوبہ بنایا ـ اس کے پچھلے ایڈیشن موٹے کاغذ پر چھپتے تھے وہ بھاری بھی تھا اور بھدا بھی، اس طرح ضخامت ناگوار سمجھی جاتی تھی ـ ڈکشنری کا معیاری کاغذ سفید بائبل پیپر ہوتا ہے جو یہاں یا، شاید جاپان کو چھوڑ کر، تمام ایشیا میں نہیں بنتا ـ اس کاغذ کی در آمد پاکستان میں ممنوع تھی ـ انجمن کے صدر جناب اختر حسین کی ذاتی کوششوں سے ہم نے یہ کاغذ سوئیڈن سے در آمد کر ہی لیا اور ۱۹۶۲ء سے ڈکشنریوں کے نئے نئے ایڈیشن شائع کرنے پر کمر باندھی ـ اس کاغذ پر اسٹینڈرڈ ڈکشنری کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں شائع کیا گیا اور تیسرا ایڈیشن جلد آنے والا ہے ـ اسٹوڈینٹس اسٹینڈرڈ ڈکشنری کا یہ دسواں ایڈیشن ہے اور چھوٹے سائز کی پاپولر انگریزی اردو ڈکشنری کے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں ـ

ایک اہم منصوبہ نظرثانی کا ہے ـ نئے نئے الفاظ

اور پرانے الفاظ کے بھی پھیلتے ہوئے مفاہیم مسلسل نظرثانی کا تقاضا کرتے ہیں - ہم نے انگلش اردو ڈکشنری پر تو نظرثانی کرلی ہے اور اس کے نئے ایڈیشن میں بہت سی ترمیمات اور اضافے چھپ چکے ہیں لیکن اس ڈکشنری میں انہیں شامل کرنا تاحال ممکن نہیں ہوسکا - نظرثانی بھی جاری ہے - ہمارے پاس اتنے ذرائع نہیں کہ یہ کام تیزرفتاری کے ساتھ مکمل کریں - سچ یہ ہے کہ دنیا بھر میں ڈکشنریوں کی مسلسل نظرثانی کے شعبے قائم ہیں - علم کو اپٹوڈیٹ رکھنا بجائے خود حصول علم ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اس اہم سائنسی ضرورت کو پوری طرح تسلیم نہیں کیا جاتا - مطلوبہ رقم فراہم نہیں کی جاتی اور رقم کے بغیر بات آگے نہیں بڑھتی - بہرحال یہ ایک الگ کہانی ہے - بے شمار کہانیوں میں سے ایک کہانی -

جیسا کہ عرض کیا گیا نظرثانی جاری ہے اور انشاءاللہ اگلی اشاعت تک ہم چندہزار الفاظ پر اپنا کام اس میں شامل کرسکیں گے لیکن اس وقت تک اس کی مانگ بہت ہے اور چند تدریسی حلقوں کا تقاضا ہے کہ سابقہ اشاعتوں کے مطابق ہی شائع کردیا جائے - بہرحال اس وقت تک طلبا کے لیے اس سے بہتر ڈکشنری کوئی نہیں ہے -

سو اب یہ دسویں اشاعت حاضر ہے -

دسویں اشاعت ۱۹۷۴ء

طنزیات و مقالات

سید محفوظ علی بدایونی

مولفہ

محمد محی الدین بدایونی بی اے

پہلا ایڈیشن

بہت سے اچھے لکھنے والے فرضی ناموں سے بھی لکھتے رہے ہیں — اظہار ذات کا دباؤ، خدمت خلق کچھ کہنے کچھ کر گزرنے کی لگن اور مجبوریاں اور کسی کسی فرد کے معاملے میں کبھی شرارت، کبھی کم اعتمادی کبھی دیگر عوامل، جن کے اتصال یا امتزاج سے فرضی نام وجود میں آتے ہیں — یہ تمام تماشا تقریباً تمام مشہور زبانوں میں ہوتا ہے اور اردو میں بھی خوب ہوا ہے، مگر یہ موضوع دراصل بجائے خود ایک دل چسپ اور قابل تحقیق موضوع ہے اس وقت اس پر سیر حاصل گفتگو کی گنجائش نہیں — نہ راقم الحروف اس موضوع کے ساتھ انصاف کرنے کا اہل ہے — فی الحال تو اس بڑے موضوع کے ذیلی موضوع سے متعلق یہ کہنا ہے کہ اس فرضی نام کے ساتھ لکھنے کی روایت بھی بہت سی بڑے اہل کمال کو مدتوں اس خراج تحسین سے محروم رکھتی ہے جو ان کا حق ہوتا ہے — شاید وہ خود بھی اس امکان سے واقف ہوتے ہیں مگر......

مولوی محفوظ علی بدایونی ایک عالم فاضل اور طباع بزرگ تھے، جیسا وہ لکھتے تھے وہ اس مجموعے کی تحریروں سے ظاہر ہوگا — جتنا کچھ وہ جانتے تھے ایک ایک سطر اس کی گواہی دے گی، مگر آج ہماری نسل اور نئی نسل ان سے کس حد تک واقف ہے، شاید کسی حد تک بھی نہیں، حالاں کہ ان کی شخصیت اور فن پر پہلے کافی کچھ لکھا جا چکا ہے —

آج ان کی پیدائش پر ایک سو چار برس اور وفات پر اکتیس برس گزر چکے ہیں، مگر اب تک ان کے مضامین

کا ایک مختصر سا مجموعہ چھپا ہے - وہ بھی انجمن نے چھاپا تھا - انجمن نے کیا بابائے اردو نے ۱۹۵۶ء میں "مضامین محفوظ علی" کے نام سے ان کے چند مضامین جمع کرکے ایک مختصر سی کتاب بنا دی تھی، کیوں کہ اس وقت انھیں بس وہی کچھ ملا تھا اور اس سے زیادہ مواد تلاش کرنے کا یارا نہ تھا - اپنے مقدمے میں بابائے اردو نے تحریر فرمایا ہے :

" وہ نام و نمود سے بہت بچتے تھے اور اپنے کام کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ مضامین بھی جو اس مجموعے میں شامل ہیں فرضی ناموں سے لکھے۔ افسوس کہ ہمیں ان کے اتنے ہی مضامین مل سکے۔ باقی اور بھی ہوں گے، اگر کبھی ملے تو ان کو بھی شائع کردیا جائے گا "-

جہاں انجمن نے بابائے اردو مرحوم کی دوسری کئی ہدایات کو فلاحی وصیتیں جان کر ان پر عمل درآمد کی کوشش کی، مولوی محفوظ علی صاحب کی تخلیقات کی تلاش بھی جاری رکھی - یہ ایک بہت کٹھن کام تھا کیوں کہ انھوں نے ایک نام سے نہیں کئی ناموں سے لکھا ہے اس وقت کے دانایان راز خود کبھی کے سرِ عدم بن چکے تھے، معلوم مخفوظات کا نام و نشان نہیں تھا۔ جہاں بڑے بڑے تازہ زندوں کی تخلیقات معدوم ہوجاتی ہوں وہاں اتنے پرانے مردوں کے لیے ایسے آثار جن پر ان کا نام و نشان بھی نہ ہو، کیسے دستیاب ہوتے -

اور مولوی محفوظ علی صاحب کون تھے۔ وہ جنھوں نے مولانا محمد علی مرحوم کی ذہنی تربیت میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ خواجہ حسن نظامی ان کا وظیفہ پڑھتے تھے - علامہ اقبال ان کے نام کی مالا جپتے تھے۔ اس وقت کے جتنے بڑے بڑے ادیب اور سیاسی زعما تھے کسی

نہ کسی طور سے مولوی محفوظ علی بدایونی کی ذہانت ، طباعی اور فضل و کمال کے قائل رہتے تھے ۔ ان کا ایک خزانہ یقیناً ان کا سمندر جیسا علم تھا ، لیکن جس ہنر سے انھوں نے اہل نظر کو چونکا دیا تھا وہ ان کی طرز نگارش تھی ، اسلوب ، انفرادیت ۔ اس وقت کے اردو طنزومزاح میں غالب و سرشار کے بعد محض پھکڑپن کا ایک شعبہ ہوگیا تھا ۔ مولوی صاحب مرحوم نے سلاست اور تمیزداری کے ساتھ اپنی بات کہنے کی ایک بڑی خوب صورت وضع پیدا کی ۔ ماضی کے بارے میں پیش گوئی ایک فیشن ہوگئی ہے لیکن اردو ادب کے ناقدین خود دیکھیں گے کہ اس پھکڑپن کے زمانے میں مولوی محفوظ علی مرحوم نے اپنی ادائے خاص ایجاد نہ کی ہوتی تو اردو میں طنزومزاح کی صنف کو شستگی کے ساتھ ابھرنے میں بہت زیادہ وقت لگتا ۔ ان کا بویا اگلوں نے خوب کاٹا ہے اور اس کا تاریخی کریڈٹ مولوی صاحب موحوم کو ملنا چاہیے ۔

اردو میں مزاحیہ کالم نگاری کی تاریخ ابتدا ایک الگ تجزیہ طلب کرتی ہے ، مگر یہاں بھی یہ کہنا پڑے گا کہ مولانا محمد علی مرحوم کے اخبار "ہمدرد" میں مولوی صاحب کا کالم "تجاہل عامیانہ" ان کے بعد کے اور آج کے بہترین کالم نویسوں کا پیش رو ہے ۔ اس کے علاوہ ان کی تحریر کی جو بے شمار خوبیاں ہیں وہ پڑھنے والے خود ملاحظہ کریں گے ۔ ہم ایک آفتاب کی کتنی کرنیں گنوا سکتے ہیں ۔

اس مجموعے کو انجمن تک لانے کا کام ہمارے رفیق کار عباس احمد عباسی مرحوم نے انجام دیا ۔ وہ ایک دن ایک بڑا سا پلندہ بڑی خوشی اور اضطراب کے ساتھ اس طرح انجمن لائے جیسے کوئی پیاسا ، پیاسوں کی محفل میں ایک برتن شربت سے بھرا ہوا لے آئے ۔ ہم

ن مرحوم کے ممنون ہیں ۔ اس بہ ظاہر چھوٹی سی دوڑ بھاگ کو بھی ان کا احسان سمجھتے ہیں ۔

لیکن اس مجموعے کو دریافت اور مرتب کرنے کا سہرا جناب محمد محی الدین انصاری بدایونی کے سر ہے وہ ایک ایسے خاموش کارکن ہیں، جنھیں بہت ہی کم حضرات جانتے ہوں گے ۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۵۱ء تک راقم الحروف اور وہ ایک ہی چکی گھر میں مشقت کرتے تھے۔ یہاں راقم الحروف کھل کر مشق سخن بھی کرلیتا تھا اور وہ لب گویا سے کام لینے کے بجائے اندر ہی اندر سلگتے رہتے تھے ۔

اب برسوں، بلکہ دو قرن بعد دیکھا تو ماشا اللہ انھوں نے ترتیب و تالیف کا بہت سا کام کررکھا ہے۔ ان کی خاموش کارکنی کا ایک تحفہ یہ کتاب ہے ۔ محی الدین صاحب نے سیٹھ محفوظ علی صاحب مرحوم کی محبت اٹھائی ہے اور سیٹھ صاحب کے اثرات ان پر نمایاں ہیں ۔ سیٹھ صاحب مرحوم کے نیازمندوں میں پروفیسر آل احمد سرور اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی جیسے مشاہیر اہل نقد بھی ہیں مگر قدرت کو یہی منظور تھا کہ سیٹھ صاحب کے ادب پاروں کی تدوین و تزئین محمد محی الدین صاحب انصاری بدایونی کے حصے میں آئے ۔ محی الدین صاحب نے کتنی محنت کی ہے یہ بھی پڑھنے والے قدم قدم پر خود محسوس کریں گے ۔ مضامین جمع کرنا ایک مرحلہ اور پھر جگہ جگہ ان پر مختلف، برمحل آرا کو سمونا ایک غیر مروجہ مگر مستحسن روگ ۔ اتنی محنت کے لیے لگن کے ساتھ ساتھ بہت بڑی صلاحیت درکار تھی ۔

ہماری نسل اور نئی نسل اور اردو ادب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے والوں کو محمد محی الدین صاحب کا نہایت ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے ہمارا ایک

اہم تاریخی خزانہ جمع کرکے ہمارے سامنے کھول دیا۔
اب دیکھیے یہ خزانہ کس شان سے جگمگا رہا ہے۔

۱۹۷۲ء

دیوانِ قاسم

تصنیف

شاہ قاسم اورنگ آبادی

معاصر

شاہ سراج اورنگ آبادی

مرتبہ

محمد سخاوت مرزا
بی، اے۔ ایل ایل بی (عثمانیہ)

پہلا ایڈیشن

بابائے اردو کی رہنمائی میں انجمن ترقی اردو کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس نے تاریخ ادب کی تدوین میں مدد بہم پہنچانے والے مخطوطات کی تلاش اور ان کی طباعت کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے ۔ قدیم شعرائے اردو کے دواوین اور بعض کارآمد تذکروں کی اشاعت اسی پالیسی کے مطابق ہوئی ۔ قیام پاکستان کے بعد اس سلسلے میں کام تو نہیں ہوسکا پھربھی گزشتہ چند برسوں میں دیوان حسن شوقی، بیاض مراثی قدیم تذکرہ عروس الاذکار اور سب سے بڑھ کر مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کی تدوین و اشاعت اس بات کی دلیل ہے کہ انجمن اپنے معاونین کی مدد سے خاموشی کے ساتھ ادائے خدمت میں برابر مصروف ہے۔ مخطوطات انجمن کی توضیحی فہرستیں بھی تیار ہیں جن میں دو جلدیں شائع ہوچکی ہیں ۔ تیسری اور چوتھی جلدیں زیرطباعت ہیں۔ اس سال کے پروگرام میں ہمارے سامنے ایک اہم مخطوطہ یعنی دیوان قاسم اورنگ آبادی ہے ۔ قاسم اورنگ آبادی تقریباً دو سو سال پہلے کے اردو شاعر ہیں۔ یہ زمانہ میرزا مظہر تاباں، یقین، شاہ حاتم، خواجہ میر درد وغیرہم کا تھا ۔ دیوان قاسم اشاعت سے محققین اس بات کا اندازہ آسانی کے ساتھ لگا سکیں گے کہ اردو کی عالمگیری نے کس قدر جلد شمالی ہندوستان اور دکن کو ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ اس مخطوطے کی طباعت ہوچکی ہے اور جلد اشاعت پذیر ہونے کی امید ہے ۔ یہ دیوان جناب سخاوت مرزا صاحب نے مرتب کیا ہے ۔ سخاوت مرزا صاحب ملک کے جانے پہچانے محقق

ہیں ـ ان کی نظر مواد کی تلاش میں کبھی نہیں چوکتی انھوں نے بہت کاوش سے یہ دیوان مرتب کیا اورجابجا حوالے اور فٹ نوٹ لکھے ـ ہم مرزا صاحب کے احسان مند ہیں ـ

بے جا نہ ہوگا کہ ہم اس سلسلے کی ایک اہم کتاب "نوسرہار" کی اشاعت کا بھی یہاں اعلان کردیں، کیونکہ اس کی اشاعت سے تاریخ زبان اردو کے ارتقاء میں ایک اور اہم منزل کی نشان دہی ہو جائے گی۔ نویں صدی ہجری کی مثنوی نظامی (کدم راؤپدم راؤ) اور گیارہویں صدی کے علی نامے اور دوسری تصنیفات کے درمیان دسویں صدی کے "نوسرہار" ایک اہم کڑی ہے۔ "نوسرہار" کی اشاعت کے بعد اردو کی تدریجی ترقی پر کام کرنے والوں کو شاید وہ سب کچھ حاصل ہوجائے گا جو گم شدہ کڑیوں کو مربوط کرنے میں معاون ثابت ہو ـ

۱۹۷۵ء

قاموس الکتب اردو

(جلد دوم)

تاریخیات

مرتبہ

انجمن ترقی اردو پاکستان

پہلا ایڈیشن

یہ ہمارے سلسلۂ قاموس الکتب کی دوسری جلد ہے۔ اس کی تیاری میں برسوں لگے ہیں، لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ (بوجوہ سہی) اس میں بہت سی خامیاں در آئی ہیں۔ اب ہم اتنی ضخیم کتاب کو ضائع بھی نہیں کرسکتے۔ لیکن بڑے فخر کے ساتھ پیش بھی نہیں کرسکتے بہرحال افادیت کے اعتبار سے یہ بھی بہت غنیمت ہے۔

اردو تحریک کے زمانے میں اردو کی علمی حیثیت اور اس میں علمی ذخیرے کی وسعت کے بارے میں بارہا سوال اٹھایا گیا اور انگریزی پرستوں کی طرف سے بطور خاص کہا گیا کہ ابھی اردو زبان میں نہ اتنی جان ہے کہ تمام علوم و فنون کی کتابیں اس میں تحریر و ترجمہ کی جائیں اور نہ اتنی وسعت ہے کہ اسے دفتری اور تمام علوم و فنون کی تدریس کا ذریعہ بنایا جائے۔ یہ تو مخالفوں کا انداز نظر تھا اور ہے لیکن ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد ناواقفین حال کی بھی ہے جو شاید بڑی سچائی کے ساتھ یہی سمجھتے تھے کہ اردو عملی طور پر قومی کاروبار کے لیے تیار نہیں۔

بابائے اردو کی خواہش تھی کہ اردو میں حوالے کی کتابوں کا ایک سلسلہ مرتب ہوجائے۔ ان کے پیش نظر اس کے دو مقصد تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اردو کے معترضین کو جواب اس طرح دیا جائے کہ ان کا منہ ہمیشہ کے لیے بند ہوجائے اور ان پر اردو کی علمی حیثیت، اس کے علمی ذخیرے کی اہمیت و وسعت اور مختلف علوم و فنون میں تصنیف و تراجم اور ان کی تدریس کے امکانات کو اس طرح واضح کردیا جائے کہ کسی دشمن اردو کو مزید لب کشائی کی جرأت باقی نہ رہے۔

وہ جب تک ہندوستان میں رہے اپنی اس خواہش کی

تکمیل کے لیے کچھ نہ کرسکے، کیوں کہ وہ تمام زمانہ مخالفین اردو سے لڑائی کا تھا اور تحریک پاکستان کے ساتھ ساتھ لڑائی تیزتر ہوتی جاتی تھی لیکن جب وہ پاکستان تشریف لے آئے تو زندگی کے گوناگوں ہنگاموں، مصروفیتوں اور رکاوٹوں کے باوجود اس علمی منصوبے کی طرف سے غافل نہ رہے اور بالآخر حکومت پاکستان کی وزارت تعلیم سے اس منصوبے کے لیے ایک خصوصی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے پھر انھوں نے جناب مفتی انتظام اللہ شہابی مرحوم کو اس منصوبے پر کام کرنے کے لیے مقرر کردیا، چنان چہ ان کی چند سال کی کوششوں سے اس علمی منصوبے کی پہلی جلد "قاموس الکتب اردو" کے نام سے مذہبیات کے موضوع پر شائع ہوگئی ۔ یہ بابائے اردو کی زندگی کی آخری کتاب تھی جو انجمن سے شائع ہوئی ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بابائے اردو اس کی اشاعت پر بے حد مسرور تھے اور وہ اسے اردو میں بہت بڑا اضافہ اور انجمن کا کارنامہ خیال کرتے تھے اور یہ واقعہ بھی ہے ۔ اردو میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے اور اس کے بعد بھی اس سلسلے میں ابھی تک کسی علمی ادارے نے کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے ۔

بابائے اردو نے مذہبیات پر قاموس الکتب کی پہلی اشاعت کے فوراً بعد تاریخ و سوانح کے موضوع پر کام شروع کرادیا تھا لیکن جلد ہی ان کی زندگی مستعار کی مہلت ختم ہوگئی اور کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا ۔ مرحوم بابائے اردو کے بعد انجمن کی زمام کار جن ہاتھوں میں آئی انھوں نے بابائے اردو کے اس منصوبے کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا اور اس پر متعدد حضرات کام کرتے رہے تا آنکہ ۱۹۶۳ء کے اواخر میں اس کا پہلا مرحلہ مکمل ہوگیا ۔

یہ پہلا مرحلہ کاغذ کے چھپے ہوئے تختوں پر کتابوں کو دیکھ کر ان کے بارے میں ضروری معلومات منتقل کرنا تھا ۔ ہر کتاب کے بارے میں جو معلومات ان تختوں میں درج کی جاتی تھیں وہ مصنف ، کتاب کا نام ، موضوع ، تعداد صفحات ، سال اشاعت ،مطبع ، ناشر کتب خانے کا حوالہ جہاں وہ کتاب ہے ۔ اگر کتاب کے نام سے اس کے اندراجات و مباحث واضح نہ ہوں یا اس پر مصنف کے علاوہ کسی اہل علم کا تعارف ،مقدمہ وغیرہ ہو یا اس کے بارے میں کوئی اور خاص بات ہو تو اسے بطور کیفیت خاص درج کردیا جاتا تھا ۔ کام کے اس مرحلے میں کراچی میں مولانا عقیل احمد جعفری مرحوم ، مولانا اعجازالحق قدوسی اور عبدالسلام صاحبان نے کام کیا اور لاہور میں محترم ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے اپنے ذرائع سے ہماری مدد کی ۔

لیکن ۱۹۶۳ء کے اواخر میں حالات ایسے پیدا ہوگئے کہ قاموس الکتب کے عملے کو الگ کردینا پڑا اور تقریباً ایک سال کے دور تعطل کے بعد ایک ایسے صاحب قلم کی ضرورت پیش آئی جو قاموس الکتب کے تختہ ہائے اندراج سے معلومات کو اخذ کرکے اور کتاب کے بارے میں ضروری کیفیت اور دیگر ضروری معلومات کو مختصر لفظوں میں مرتب کرکے مسودہ تیار کردے ۔ اس سلسلے میں انجمن کو جناب ابوسلمان شاہجہان پوری کا تعاون حاصل ہو گیا ۔ انھوں نے تمام تختہ ہائے اندراج کا مسودہ تیار کرکے انھیں مرتب کیا اور کاتب کے حوالے کر دیا ۔ اس دوران میں انجمن کو اردو کالج کے پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کا تعاون اعزازی طور پر حاصل ہوگیا ۔ انھوں نے قاموس الکتب کے مسودے پر نظرثانی فرمانے کی زحمت گوارا کی اور کتابت کی تصحیح ابوسلمان صاحب نے کی۔اس طرح "قاموس الکتب اردو جلد

دوم، تاریخ و سوانح" کا مسودہ بڑی حد تک تیار ہوگیا ترتیب و تسوید اور نظرثانی کا کچھ کام انجمن کے سابق مددگار معتمد ادبی جناب مشفق خواجہ کی نگرانی میں انجام پایا مگر ان کے جانے کے بعد یہ کتاب پھر تعویق کا شکار ہوگئی اور جب مسودے کی پہلی چھپائی ہمارے سامنے آئی تو کچھ ایسی غلطیاں بھی سامنے آئیں جن کی وجہ سے ہم گومگو میں پڑ گئے کہ انہیں کس طرح دور کیا جائے ۔ اب تدوین نو کے اخراجات برداشت سے باہر ہیں اور کتاب کو چھاپ دینا بے حد ضروری ہوگیا ہے چناں چہ ہم خوشی اور معذرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کتاب جیسی حالت میں ہے پیش کر رہے ہیں ۔ ہماری بے سروسامانی کو دیکھتے ہوئے اردو دنیا ہماری کوتاہیاں معاف کردے تو عنایت ہوگی ورنہ ہم نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف تو کر ہی لیا ہے ۔ عام مطبوعات کے پیش نظر یہ کوتاہیاں زیادہ نہیں مگر ایک علمی ادارے کے شایان شان بھی نہیں ۔ بہرحال جو کچھ ہے وہ حاضر ہے ۔ آیندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح کردی جائے گی ۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ ایک شاندار کارنامے کا دوسرا باب ہے" ۔ بمشکل مکمل ہوا مگر ہوگیا اور

ع ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاکست

اس موقعے پر ہم اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا نہیں بھول سکتے جنھوں نے اس کی ترتیب میں ہماری مدد کی اور اپنے ذاتی کتب خانے سے نہ صرف استفادے کا موقع دیا بلکہ اپنے کتب خانوں کی کتابوں کے بارے میں خود ہی تختہ ہائے اندراج مکمل کرکے بھیج دیے ۔ اس سلسلے میں ہم کراچی سے پروفیسر محمد ایوب قادری اور ابوسلمان شاہجہان پوری کے اور لاہور سے جناب محمد عالم ، مختار حق، محمد اقبال مجددی ،

عابد نظامی اور حکیم محمد موسٰی امرتسری صاحبان کے شکرگزار ہیں۔ امید ہے کہ اہل علم اور اہل شوق آیندہ بھی ہماری مدد کریں گے۔

۱۹۷۵ء

تلخیص معلّیٰ

مصنفہ

ڈپٹی کلب حسین خاں نادر

مع

ترتیب و حواشی

ڈاکٹر محمد انصار اللہ نظر

پہلا ایڈیشن

اردو زبان و ادب کی تاریخ کے علاوہ اس کے اصول و قواعد کو منضبط یا متعین کرنے کا خیال بھی قدیم علمائے ادب کو رہا ہے خاص کر اردو ادب کے دور متوسط سے لے کر زمانہ حال کے ماہرین تک یہ سلسلہ جاری ہے ۔ انشاء اللہ خاں انشاء کی دریائے لطافت احمد علی یکتا کی دستور الفصاحت اور ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا رسالہ قواعد زبان اردو اس سلسلے کی اولین کوششیں سہی، لیکن ان کے اصول و قواعد آج کے تیزی سے بدلتے ہوئے دور میں بھی مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں ۔ بعد کے زمانے کی تصانیف میں جلال لکھنوی کے سرمایۂ زبان اردو رسالہ "مفید الشعرا" کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ تذکیر و تانیث کے مباحث اور دہلی و لکھنؤ کے مناقشوں پر جو رسائل و کتب لکھی گئیں ان کے جاگیردارانہ، متعصّبانہ اور دل آزار لہجوں کو نظر انداز کر دیجیے تو یہ سب اردو زبان کو بنانے سنوارنے اور اس کو کسی قاعدہ قانون کے دائرہ میں لے آنے کے جذبے سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ آخر زمانے میں جناب فتح محمد جالندھری اور بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبد الحق کی قواعد اردو اور صرف و نحو کے اصول پر لکھی ہوئی کتابیں یقیناً ایسی ہیں جن میں اردو کو باضابطہ اور ترقی یافتہ زبان کے طور پر برتنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بابائے اردو کے ایما سے پروفیسر وحید الدین سلیم نے اصول وضع اصطلاحات کے نام سے جو کتاب تحریر کی وہ بھی اس سلسلے کا ایک بڑا کارنامہ ہے ۔

باباۓ اردو نے اردو کے لیے جو قواعد تجویز کیے اور قدیم املا میں جو اختراعی ترمیمیں کیں ان میں سے کئی کافی مقبول اور مروج ہوئیں اور آج بھی ہیں مگر افسوس کہ انھیں اس معاملے میں عام علمی تعاون نہ مل سکا جس کی وجہ سے ان اصطلاحات نے ہمہ گیر علمی قبولیت اختیار نہیں کی ۔ شاید آیندہ ہوسکے کیوں کہ اردو کو پاکستان کے مختلف علاقوں کو لسانی طور پر مربوط رکھنے کا فرض بھی ادا کرنا ہے اور اس لیے اس کی لکھائی آسان سے آسان تر ہونی ہے ۔

جیسا کہ بیان کیا گیا قدیم زمانے ہی سے قواعد زبان مرتب کرنے کے خیال سے چند کتابیں لکھی گئی تھیں، ان میں ڈپٹی کلب حسین خاں نادر کی کتاب "تلخیص معلّے" خصوصی اہمیت کی حامل ہے لیکن وہ اس طرح معروف نہیں ہوئی جو اس کا حق تھا ۔ اس میں شک نہیں کہ کلب حسین خاں نادر ایک شاعر اور ایک تذکرہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ انھوں نے قواعد کے موضوع پر "تلخیص معلّی" نام کی کوئی کتاب لکھی تھی ۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر انصار اللہ نظر کی تلاش و جستجو کی داد دینی چاہیے کہ انھوں نے ایک کارآمد تصنیف کا سراغ لگا کر شائع کرانے کی سعی کی ۔ کتاب خود اپنی جگہ نہایت اہم ہے لیکن مرتب نے جگہ جگہ حواشی دے کر اس کی اہمیت میں مزید اضافہ کیا ہے ۔ زبان و عروض یا صنائع بدائع کے سلسلے میں اگر نادر کے خیال سے ڈاکٹر انصار اللہ کو اختلاف ہوا ہے تو انھوں نے دوسری مستند کتابوں کے حوالے سے تردید کر دی ہے مرتب نے آج کے قاری کے لیے بعض فراموش شدہ اصطلاحات فن کی وضاحت بھی کی ہے ۔ اس لحاظ سے زبان و بیان صنائع و بدائع عروض و قوافی کے بنیادی مسائل پر اصل "تلخیص معلّی"

اور مرتب کے حواشی اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے کافی کارآمد ہیں ۔

کتاب کے مقدمے میں ڈاکٹر انصار اللہ صاحب نے نہ صرف کتاب کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے بلکہ ڈپٹی کلب حسین خاں نادر اور ان کے خاندان کے تفصیلی حالات تلاش کرکے شامل کیے ہیں ۔ اندازہ ہے کہ نادر کے بعض حالات پہلی مرتبہ قارئین کی نظر سے گزریں گے ۔

۱۹۷۵ء

تنقیدی اصول

اور

نظریے

حامداللہ افسر میرٹھی

پہلا ایڈیشن

تنقید بجائے خود ہدف تنقید رہی ہے - اس کے معنے بھی بدلتے رہے ہیں اور ٹکنیک بھی - کہیں اقتصادی اور سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ کہیں ان کے بغیر - ہر دور اپنے جلو میں نئے تنقیدی زاویے اور نئے پیرایۂ اظہار لاتا ہے -

آج کا دور یقیناً اس وقت سے بہت مختلف ہے جب جناب حامد اللہ افسر میرٹھی نے فن تنقید پر سوچا، لیکن نیا دور پچھلے دور سے ہی جنم لیتا ہے۔ ہمارے سامنے تنقید اور فن تنقید پر پہلے سے مفید اور مشہور کتابیں خاصی تعداد میں موجود ہیں، مگر موضوع کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے کم ہیں - جناب افسر میرٹھی ایک ذمے دار ادیب اور اپنے زمانے کے مشہور نقاد ہیں - ان کے نظریات آج بھی احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں - انجمن کا خیال ہے کہ یہ کتاب اہل رائے کے لیے نہایت مفید اور اہم مطالعاتی مواد فراہم کرے گی -

۱۹۷۵ء

بیاض مراثی

گیارہویں بارہویں صدی ہجری کے مراثی کا مجموعہ

مرتب

افسر صدیقی امروہوی

پہلا ایڈیشن

مرثیوں پر تھوڑا بہت تاریخی مواد موجود ہے، مگر اردو ادب اور ہماری ثقافت میں مرثیوں کی جذباتی اور اسالیبی اہمیت دیکھتے ہوئے وہ بہت ہی کم ہے۔

اس سلسلے میں یہ ایک نایاب کتاب پیش خدمت ہے۔ اس کا مطالعہ خود اس کی ہمہ جہت اہمیت کی گواہی دے گا۔

یہ بیاض انجمن کی ملکیت ہے۔ سنہ تحریر مستند نہیں بس ایک صفحے پر ۱۱۱۷ ہجری درج ہے۔ کوئی دوسری شہادت اس کے خلاف سامنے نہیں، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں قدامت کے لحاظ سے یہ ساتویں کتاب چھپ رہی ہے۔ بلحاظ قدامت مندرجہ ذیل کتابیں آتی ہیں:

۱۔ مثنوی نظامی دکنی عرف مثنوی کدم راؤ پدم راؤ
۲۔ دیوان حسن شوقی
۳۔ خاور نامہ رستمی
۴۔ مثنوی پھولبن ۔ ابن نشاطی
۵۔ مثنوی گلشن عشق ۔ نصرتی
۶۔ دیوان نصرتی

ہم نے معراج العاشقین کو اس زمرے میں شمار نہیں کیا۔ وہ غیر منقسم ہندوستان میں چھپی تھی۔

بیاض مراثی میں کئی پرانے مرثیہ نگاروں کے مرثیے شامل ہیں۔ غالب قیاس یہ ہے کہ یہ حضرات دسویں اور گیارہویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے تھے۔

اپنی مخصوص تاریخی اہمیت کے علاوہ یہ کتاب غیر

مانوس قدیم اور "مشکل" الفاظ کا خزانہ بھی ہے ۔
ایک طرح ہم اسے اس دور کے الفاظ کی خصوصی فرہنگ
بھی کہہ سکتے ہیں ۔ ساتھ لسانی تحقیق کے طالب علم
اور ماہرین، اردو زبان کے جدید و قدیم کینڈے سے
زیادہ واقفیت حاصل کرتے ہوئے اپنے کام میں بڑی
مدد لے سکتے ہیں ۔

ہم جناب افسر امروہوی کے ممنون ہیں کہ انھوں
نے اس نسخے پر کام کیا اور اسے ایک عمدہ تالیف
کی شکل دے دی ۔ خداوند کریم انھیں سلامت رکھے ۔
انھوں نے جس توجہ اور استعداد اور اتنی ہی خاموشی
کے ساتھ اردو زبان کی جتنی خدمت کی ہے اور کر رہے
ہیں اس کا صلہ انھیں صرف تاریخ ادب اردو ہی دے
سکتی ہے ۔

۱۹۷۵ء

چمنی لوک کہانیاں

تہذیب و ترجمہ

شفیع عقیل

پہلا ایڈیشن

انجمن کے اشاعتی منصوبے مختلف النوع ہیں ۔ ترجموں کے سلسلے میں ہم دوسری زبانوں کی امہات کتب کو بھی اردو میں چھاپنا چاہتے ہیں اور اپنی علاقائی زبانوں کے عظیم ادب کو بھی ۔ اب تک انجمن نے غیرملکی زبانوں کے جو ترجمے شائع کیے ان کی خاصی تعداد ہے ۔ ان میں جن ترجموں کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ان میں سے چند نام یہ ہیں ۔

۱۔ مشاہیر یونان و روما (پلوٹارک)
ترجمہ از سید ہاشمی فرید آبادی (۲ جلد)
۲۔ معاشیات کی ماہیت و اہمیت ترجمہ از ابوسالم
۳۔ مکالمات افلاطون ترجمہ از سید عابد حسین
۴۔ نپولین اعظم ترجمہ از محمد معین الدین
۵۔ گورکی کی آپ بیتی ترجمہ از ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری (۳ جلد)
۶۔ فاوسٹ (از گوئٹے) ترجمہ از پروفیسر عبدالقیوم خاں باقی (منظوم ترجمہ)
۷۔ فلسفۂ جذبات ترجمہ از مولانا عبدالماجد دریابادی
۸۔ بوطیقا (تصنیف ارسطو) ترجمہ از پروفیسر عزیز احمد
۹۔ اندرون ہند (از خالدہ ادیب خانم)
۱۰۔ پیاری زمین (مسز پرل بک کی کتاب GOOD EARTH) کا ترجمہ از ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری
۱۱۔ تاریخ ملّت عربی (از فلپ ہٹی) ترجمہ از سید ہاشمی فرید آبادی
۱۲۔ داس کیپٹال (از کارل مارکس) ترجمہ از سیّد محمد تقی (۲ جلد)
۱۳۔ رومیو جولیٹ (از شیکسپئر) ترجمہ از پروفیسر عزیز احمد

۱۴۔ شمسون مبارز (از جان ملٹن) ترجمہ از پروفیسر مجنوں گورکھ پوری
۱۵۔ خطبات و مقالات گارساں دتاسی کا ترجمہ (چار جلدوں میں) ڈاکٹر یوسف حسین خان ۔ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری ۔ سید عابد حسین ۔ پروفیسر عزیز احمد ۔ سر راس مسعود ۔ ڈاکٹر حمید اللہ ۔
۱۶۔ کندمالا (سنسکرت ڈراما) از دن نگا آچاریہ ۔ ترجمہ از صمدانی نقوی

اپنی علاقائی زبانوں کے سلسلے میں اب تک ہم نے مندرجہ ذیل کتابیں چھاپی ہیں :۔

۱۔ پیام شباب از قاضی نذر الاسلام ترجمہ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری
۲۔ ابیات سلطان باہو ترتیب و ترجمہ عبدالحمید بھٹی
۳۔ پشتو شاعری ، مرتبہ فارغ بخاری و رضا ہمدانی
۴۔ پنجابی کے پانچ قدیم شاعر۔ از شفیع عقیل
۵۔ موج موج مہران (جدید سندھی شعراء کا منتخب کلام) اردو منظوم ترجمہ : الیاس عشقی
مرتبہ : مراد علی مرزا

اس سلسلے کی چھٹی کتاب "بلوچی زبان و ادب" کے متعلق زیر تصنیف ہے ۔

اب ہم نے سوچا ہے کہ عظیم غیرملکی زبانوں کی "لوک کہانیاں" بھی اردو میں چھاپی جائیں ۔اس تجویز کی افادیت خود تجویز سے ظاہر ہے ۔ سوال اس پر عمل کا تھا ۔

ہم جناب شفیع عقیل کے ممنون ہیں کہ انھوں نے چینی لوک کہانیوں، کا ترجمہ کرکے ہمارے اس منصوبے کا ایک شان دار آغاز کردیا۔ پہلے وہ صحافتی دنیا اور محفل شعرا میں مشہور تھے ۔ آہستہ آہستہ انھوں نے تحقیقی کاموں پر توجہ کی ۔ پنجابی کے عظیم ادب

پاروں پر بطور خاص کام کیا ۔ خود انجمن نے ان کی ایک نہایت قابل قدر تحقیق "پنجابی کے پانچ قدیم شاعر" شائع کی اور علمی حلقوں نے اس کی بڑی ستائش کی ۔

اب انھوں نے کئی دوسری لوک کہانیاں انگریزی میں پڑھ کر ان کے سلیس اردو میں ترجمے شروع کردیے ہیں ۔ یہ کتاب ان کا دوسرا ترجمہ ہے ۔ پہلا ترجمہ جرمن لوک کہانیوں پر مشتمل ہے (اسے ایک اور ناشر چھاپ رہا ہے) ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے حصے میں عظیم چین کے عظیم عوام کا ثقافتی ورثہ آیا ہے ۔

جناب شفیع عقیل کا دیباچہ اس ترجمے کے تقریباً تمام پہلوؤں پر محیط ہے اور ہم اس کے لیے بھی ان کے ممنون ہیں ۔ وہ خود محنت نہ کرتے تو ہمیں کسی اور سے دیباچے کی درخواست کرنی پڑتی ۔ ہاں ! ایک بات اب بھی کہنی ہے ۔ ہم یہ دعوی نہیں کرسکتے کہ یہ کہانیاں پورے چین کی نمائندہ یا ان میں سے بہترین کہانیاں ہیں چین بہت بڑا ملک بھی ہے اور بہت قدیم بھی ۔ چین کے عوام دنیا کے قدیم ترین اور سب سے کثیر تعداد عوام ہیں ۔ان کی نمائندہ بہترین کہانیاں بھی ایک مختصر سی کتاب میں کیسے سما سکتی ہیں ، لیکن اس میں قصور کسی کا نہیں ۔ جناب شفیع عقیل نے ایک انگریزی انتخاب پر بھروسا کیا ہے اور فی الحال یہی کچھ ہوسکتا تھا ۔ ہمیں تو اس بات کی خوشی ہے کہ اردو زبان چینی لوک کہانیوں سے متعارف ہوگئی ۔ اب آیندہ خود شفیع عقیل صاحب ہمت کریں یا کوئی اور اہل دل توجہ کرے تو انجمن یہ سلسلہ آگے بڑھانے کے ہر ممکن تعاون کرنے کو حاضر ہے ۔

کیا ہم توقع کریں کہ یہ نادر کتاب پاکستانی کتب خانوں کے لیے خریدی جائے گی ۔ یہ اردو میں چینی

لوک کہانیوں کی پہلی کتاب ہے جو اتنی ضخامت بھی رکھتی ہے اور ایسی سلیس زبان میں بھی ہے۔ پاکستان اور چین ایک دوسرے سے قریب تو آچکے ہیں مگر گہری مفاہمت کے لیے ایک دوسرے کی زندہ روایات کو سمجھنا بھی ضروری ہے ۔ یہ کام صرف حکومتوں ہی کا نہیں دونوں ملکوں کے عام آدمیوں کا بھی ہے ۔ ہم جانتے ہیں کہ چین میں پاکستانی مزاج کے سمجھنے کے لیے بہت کام ہو رہا ہے پاکستان میں چینی عوام کا مزاج جاننے کے لیے ان کے جدید انقلابی خیالات و عمل کو جاننے کے ساتھ ساتھ ان کی لوک کہانیوں سے واقفیت بھی لازمی ہے ۔ یہ کتاب اس سلسلے میں خاصا مواد فراہم کرتی ہے ۔ اسے چھاپ دینا ہماری ذمہ داری تھی ۔ اسے زیادہ سے زیادہ پھیلانا دوسرے پاکستانیوں کی ذمہ داری ہے ۔ بشرطیکہ وہ پوری کی جائے ۔

۱۹۷۵ء

تذکرۂ
عروس الاذکار

۱۲۸۹ ھ

مصنّف

نصیر الدین نقش حیدر آبادی

مرتّب

افسر صدیقی امروہوی

پہلا ایڈیشن

انجمن ترقی اردو کے قیام کے وقت اس کے جو اغراض و مقاصد دیے گئے تھے ان میں کہا گیا تھا کہ قومی زبان کی حفاظت و ترقی انجمن کے مدنظر رہے گی اور اردو کے جو جواہر پارے اب تک منظرعام پر نہیں آسکے ہیں انھیں حاصل کرکے طبع کیاجائےگا۔ باباۓ اردو مرحوم نے متحدہ ہندوستان میں ان دونوں شقوں پر بڑی جواں مردی اور جانفشانی سےعمل کیا۔مخالفین اردو سے برابر کی ٹکر لی اور بعض خاندانوں میں پڑے ہوئے قلمی دواوین اور تذکروں کا پتا لگا کر انھیں حاصل کیا اور شائع کردیا ۔ پاکستان کے قیام کے بعد کراچی میں انجمن ترقی اردو کی نئے سرےسےتشکیل ہوئی تو اگرچہ حالات کچھ زیادہ مساعد نہ تھے، مگر مرحوم کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ۔ ۱۹۶۱ء کے بعد سے اب تک کا زمانہ اگرچہ نئی کتابوں کی اشاعت کے لحاظ سے وہ مرتبہ حاصل نہ کرسکا جو غیر منقسم ہندوستان میں انجمن کے ارباب حل و عقد نے بہم پہنچایا تھا، پھر بھی قدیم اردو کے بعض اچھے اچھے شاہکار منظر عام پر لائے گئے ۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی تذکرہ عروس الاذکار بھی ہے جو قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جارہاہے۔ سب سے اہم کتاب مثنوی نظامی دکنی عرف کدم راؤ پدم راؤ ہم سال گزشتہ چھاپ چکے ہیں ۔

یہ تذکرہ ۱۲۸۹ھ میں حیدرآباد دکن کےایک باخبر شاعر نصیرالدین نقش نے لکھا ہے ۔ بارھویں صدی کے

اختتام تک جو تذکرے تصنیف کیے گئے ان میں شاعر کا
کلام تو اردو کا تھا، لیکن اس کے تعارف میں جو سطور
لکھی گئی تھیں وہ فارسی میں تھیں۔ اس میں بھی
یہی التزام ہے کہ شعرا کے تعارف میں فارسی زبان
استعمال کی گئی ہے۔

عروس الاذکار کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ یہ
حیدرآباد دکن کے ان شعرا کے حالات پر مشتمل ہے جو
مصنف کے زمانے میں موجود تھے اور اس میں زیادہ تر
حافظ تاج الدین مشتاق دہلوی کے سلسلے کے شاعروں کا
ذکر ہے لیکن ایسے شاعر بھی شامل ہوگئے ہیں جو دکن
کے مستقل باشندے نہ تھے، بلکہ شمالی ہندوستان کے
کسی علاقے سے وہاں چلے گئے تھے۔ اس بنا پر تذکرے کو
عمومیت بھی حاصل ہوگئی ہے، اور عروس الاذکار کو
شمالی ہندوستان سے بھی اتنا ہی تعلق ہوگیا ہے جتنا
اسے دکن اور دکن والوں سے ہے۔ اس تذکرے کے مرتب
جناب افسر صدیقی ہیں، جنھوں نے تذکرے کے اختتام پر
ان شعرا کے بارے میں، جو تذکرے میں آئے ہیں، حتی الامکان
اچھی خاصی، معلومات جمع کردی ہیں۔ یہ تذکرہ
اور اس کے حواشی شاعروں کے حالات و کلام کے سلسلے
میں یقیناً ایک قابل قدر اضافہ ہیں۔ امید ہے کہ
قارئین کرام اور اردو ادب سے دل چسپی رکھنے والے
حضرات انجمن کی اس پیش کش کو پسند کریں گے۔

۱۹۴۵ء

کہانی
رانی کیتکی
اور
کنور اودے بھان کی

تصنیف

میر انشاء اللہ خاں انشا دہلوی

مرتبین

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

مولانا امتیاز علی خاں عرشی

سید قدرت نقوی

پہلا ایڈیشن

آج اردو کے تنقیدی اور تخلیقی حوالوں میں رانی کیتکی ایک لازمہ ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کتاب تصنیف کے فوراً بعد ہی چھپ گئی اور سب لوگ ہمیشہ سے اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں -

دراصل اسے پہلی بار چھاپنے کا سہرا بھی انجمن اور بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے سر ہے - مولوی صاحب اردو ادب کی قدیم کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے تھے اور بڑی توجہ کے ساتھ چھاپتے تھے - ان کتابوں سے اردو زبان و ادب کے قدیم گوشے تو سامنے آتے ہی تھے ان کے ذریعے عصری انداز فکر اور قدیم واقعات اور کہانیوں، خوابوں کے طلسمات پر بھی روشنی پڑتی تھی -

رانی کیتکی کے بارے میں دعوی کیا جاتا تھا کہ خالص اردو میں ہے، یعنی اس میں عربی، فارسی، ترکی کے الفاظ نہیں - اردو کی یہ تعریف تاریخ اردو پر ایک مخصوص نقطہ نظر کی نمائندگی ضرور کرتی ہوگی ؛ لیکن جس زبان کو غالب ترین اکثریت نے جانا اوربرتا وہ بہت سی زبانوں کے بے شمار الفاظ کا ایک خوب صورت آمیزہ ہے . اور پھر بھی اردو ہے - یہی نہیں کہ ماضی میں اس نے دوسری زبانوں سے ان کے الفاظ و اظہار کے لہجے ، بلکہ اب بھی وہ کسی جدید و قدیم زبانوں کے قابل قبول الفاظ اور پیرائے اپنے اندر سموتی رہتی ہے- یہی اس کی زندگی اور تازگی کے اسباب ہیں -

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۳ء میں چھپا تھا -

پھر مولانا امتیاز علی خان عرشی رام پوری نے اس ایڈیشن کو رضا لائبریری رام پور کے دو مخطوطوں سے مقابلہ کرکے درست کیا اور اختلاف نسخ حواشی میں ظاہر کردیے ۔ وہ تصحیح شدہ نسخہ ۱۹۵۵ء میں چھپا ، لیکن نہ جانے کیوں مولانا موصوف کا نام بحیثیت مرتب شامل ہونے سے رہ گیا ۔ معذرت بابائے اردو کر چکے تھے اب اس فروگزاشت کا عملی ازالہ اس تیسرے ایڈیشن میں کیا جارہا ہے ۔ حق بہ حق دار رسید ۔

تیسرے ایڈیشن کی طباعت کا ارادہ کیا گیا تو سید قدرت نقوی صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ اس کے مشکل الفاظ کی فرہنگ اور اس کتاب کی زبان پر کچھ لکھ دیا جائے ۔ اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے سید صاحب ہی سے درخواست کی گئی کہ اس کام کو وہی انجام دیں ۔ موصوف نے کام شروع کیا تو اس نسخے کو بھی دیکھا جو مولانا عرشی نے درست کیا تھا ۔ اس کے دیکھنے پر یہ ظاہر ہوا کہ مولانا عرشی نے بعض الفاظ کاٹ کر متن تو درست کردیا تھا لیکن اختلاف کی نشان دہی نہیں کی تھی ۔ سید صاحب نے ایسے تمام مقامات کو حواشی میں ظاہر کردیا ہے اور نمبر حواشی قوسین ( ) میں لکھے ہیں تاکہ ممیز رہیں ۔ ساتھ ہی سابقہ ایڈیشنوں کے بعض املائی اختلافات اور تصامحات حواشی بھی قوسینی نمبروں میں ظاہر کردیے ہیں ۔

سید قدرت نقوی صاحب نے کتاب پر ایک مبسوط مقدمہ سپرد قلم کیا ہے جو میر انشا اللہ خاں انشا کی زبان دانی ان کے مکتب فکر کا نمایندہ تبصرہ کہا جا سکتا ہے ۔ الفاظ کی فرہنگ بھی شامل کردی ہے اور اس طرح موجودہ ایڈیشن کی افادیت میں کافی اضافہ ہوگیا ہے ۔ اب یہ کتاب طلبا اور قارئین اور محققین کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوگی ۔

۱۹۷۵ء ۔

اردو تحریر

(جلد چہارم)

ڈاکٹر عبدالعلیم نامی

پہلا ایڈیشن

کام تو ختم نہیں ہوا مگر یہ اس سلسلے کی چوتھی جلد ہے ۔ اب ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کا وہ بے نظیر تحقیقی مقالہ پوری طرح چھپ گیا جو بعض مقامات پر کسی قدر تشنگی کے باوجود بابائے اردو کے بقول اردو تھیٹر پر ایک انسائی کلوپیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے ۔

پہلی تین جلدیں بھی انجمن ہی نے چھاپی ہیں اور اب اس چوتھی جلد میں ۱۸۵۷ء سے ۱۹۶۵ء تک اردو میں اسٹیج کرنے والی تھیٹریکل کمپنیوں کا تفصیلی تذکرہ بھی آگیا ہے لیکن ایک کمی ، جس میں ڈاکٹر نامی صاحب کا قصور نہیں، صاف محسوس ہوتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ حصہ دوم (ب) جو ۱۹۰۱ء سے ۱۹۶۵ء پر محیط ہے بہت ہی مختصر اور نامکمل معلوم ہوتا ہے ۔ خاص طور سے ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان میں اردو تھیٹر پر مصنف کے پاس کافی مواد معلوم نہیں ہوتا ۔ مانا کہ یہ جلد بھی انھوں نے بمبئی میں بیٹھ کر لکھی،لیکن ۱۹۶۵ء تک پاکستان اور ہندوستان میں نہ صرف بین الملکی سفر کی آسانیاں موجود تھیں بلکہ تحقیقی میدان میں سرگرم تعاون بھی جاری تھا ۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے پاکستان میں اردوتھیٹر کے بارے میں کن ذرائع پر انحصار کیا لیکن راقم الحروف کم از کم ایک مشہور کمپنی کا تو چشم دید گواہ ہے جو خود کراچی میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۲ء تک باقاعدہ کام کرتی رہی ۔ اس کمپنی کا نام دی اسٹار تھیٹریکل کمپنی تھا (یا اس سے ملتا جلتا ہوگا لیکن اتنایقین

ہے کہ اس میں اسٹار کا لفظ ضرور آتا تھا)۔ اس کا کوئی ایک مالک نہیں کہا جاتا تھا بلکہ مشہور تھا کہ اس کے فن کار اور دوسرے کارکن اسے مل جل کر مشترکہ منافع کی بنیادوں پر چلاتے ہیں ۔ یہ ایک متوسط قسم کا ہال تھا جو کراچی کی ایک سڑک پر کسی سنیما کے ساتھ واقع تھا ۔ اس میں زیادہ تر آغا حشر کاشمیری مرحوم کے کھیل اسٹیج ہوتے تھے۔ پرانے اندرسبھا، لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد بھی کھیلے جاتے تھے ۔ لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد میں مردانہ کردار اکثر ایک خاتون فن کارہ ہی ادا کرتی تھیں جب کہ روایت یہ سنی تھی اور اپنے بچپن کی دلّی میں دیکھا بھی تھا کہ اکثر اوقات مرد فن کار لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد بنتے تھے ۔

پاکستان میں بطور خاص صوبہ سندھ میں اب بھی مستقل منڈلیاں گھومتی پھرتی ہیں جو اردو کھیل اسٹیج کرتی ہیں ۔ یہ ان مقامی اور برساتی قسم کی ٹولیوں سے مختلف ہیں جو میلوں ٹھیلوں پر کام کرنے لگیں ۔ یہ مستقل کاروباری اور فنّی ادارے ہیں مگر افلاس، بدنظمی اور ناپذیرائی کا شکار ۔

اسی طرح صوبہ پنجاب میں بے شمار ایسی چھوٹی چھوٹی مگر مستقل کمپنیاں ہیں جو قصبے قصبے گھومتی ہیں اور اردو کھیل دکھاتی ہیں ۔

افسوس کہ میں ان کے نام یاد نہیں رکھ سکا مگر مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی جم کر کام کرے تو اس سلسلے میں کافی دل چسپ اور تاریخی لحاظ سے فوری مواد جمع کیا جاسکتا ہے ۔

یہ تو تھیٹریکل کمپنیوں کی بات تھی ۔ ایک اور بات پر توجہ کرنی ہے ۔ پاکستان میں اردو تھیٹر کے سلسلے میں شوقین فن کاروں اور قسمت آزماؤں نے بہت

کام کیا ہے اور برابر کیے جاتے ہیں - فلم اور اب
ٹی - وی نے مزا اس تفریح کا سامان الگ کر رکھا ہے
اور مستقل تھیٹریکل گروپ قائم کرنا اور انہیں
چلانا مشکل سے مشکل تر ہوتا جاتا ہے مگر اس بات پر
بھی سب نقادان فن اور دانشور متفق رہتے ہیں کہ
یہاں تھیٹر قائم ہونا چاہیے - اس ضمن میں مختلف
حکومتوں نے کئی بار مختصر سروے کرا کے رپورٹیں بھی
طلب کی ہیں اور ایک رپورٹ جس کی تدوین میں میں
بھی شامل تھا اب بھی رفاقی حکومت کے زیر غور کہی
جاتی ہے - اس سے کم از کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ
پاکستان میں تھیٹر کا مسئلہ زندہ ہے -

اس چوتھی جلد کی اشاعت پر انجمن ایک بار پھر
ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کا شکریہ ریکارڈ پر لاتی ہے
ان کا یہ کام اردو دنیا کے لیے ایک عظیم الشان
کارنامہ تھا جسے بالاخر ہم پوری طرح شائع کرنے میں
کامیاب رہے - اب ڈاکٹر نامی کا یہ مقالہ تاریخ اردو
کے مفید ترین ابواب میں شامل ہوگا ہے -

لیکن جیسا کہ ابھی اشارہ کیا گیا ہماری رائے
میں اس موضوع پر کام ختم نہیں ہوا - ہندوستان میں
اردو تھیٹر کی اب کیا کیفیت ہے؟ اس کا ہمیں علم
نہیں لیکن پاکستان کی حد تک اردو تھیٹر پر کم ازکم
۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۶ء تک جو کچھ گزری ہے اس کے لیے ایک
سیرحاصل تحقیقی مقالہ نہایت ضروری ہے - ایسے مقالے
یعنی "پانچویں جلد" کے بغیر ہم اس سلسلے کو نامکمل
قرار دیں گے چند کرم فرماؤں سے رجوع کیا گیا تھا
لیکن وہ مصروف نکلے بہرحال ہماری گزارش ہے کہ کوئی
اہل دل یہ بیڑا اٹھائے -

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق

اور جب ایسا مقالہ ہاتھ آگیا تو انجمن اسے چھاپنے
انتہائی مسرت محسوس کرے گی

فرہنگ

اصطلاحات پیشہ وراں

جلد اول

پاک و ہند کے مختلف فنون اور صنعتوں
کے
اصطلاحی الفاظ و محاورات کا جامع مجموعہ

تالیف

مولوی ظفر الرحمٰن صاحب دہلوی

پہلا ایڈیشن

آج کل اردو میں اصطلاحات کا چرچا پھر زوروشور سے ہو رہا ہے ـ یہ مبارک فال ہے ـ

انجمن ترقی اردو نے اصطلاحات پیشہ وران کی آٹھ جلدیں ۱۹۳۹ء میں شائع کی تھیں، جن میں مختلف پیشہ وروں اور پیشوں میں مستعمل ہونے والی اصطلاحات جمع کی گئی تھیں ـ یہ جلدیں اب نایاب ہیں اور ایک عام مطالبہ ہے کہ انھیں دوبارہ شائع کیا جائے ـ لہذا انجمن نے اپنے منصوبے کے تحت ان کو دوبارہ چھاپنے کا ارادہ کیا ہے اور فی الحال اس کی پہلی جلد پیش خدمت ہے ـ

موجودہ دور صنعتی دور ہے اور بے شمار درس گاہوں میں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے ـ انگریزی کی اہمیت اپنی جگہ اور یہ بھی سچ ہے کہ بہت سے انگریزی الفاظ متعلقہ اداروں اور عوام میں رائج ہوگئے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہماری قومی زبان میں ان کے مناسب اور سبک مترادفات موجود ہیں ـ اب اردو سرکاری کاروبار میں اور تعلیمی اداروں میں ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے استعمال ہونے لگی ہے ـ لامحالہ اساتذہ فن اور طلبا و عوام کو اردو الفاظ کی ضرورت محسوس ہوگی ـ اس احساس نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم ان اصطلاحات کو جلد منظر عام پر لے آئیں جو تقریباً نصف صدی سے نایاب ہوچکی ہیں تاکہ جس حد تک ممکن ہو انگریزی اصطلاحات کی جگہ اردو الفاظ رائج ہوسکیں ـ اس طرح زبان کی وسعت اور وقعت دونوں میں اضافہ ہوگا اور روزمرہ کی قومی ضروریات اظہار بآسانی پوری ہوسکیں گی ـ

. اصطلاحات پیشہ وران کی طباعت فوٹو آفسٹ سے کی گئی ہے اس لیے یہ کتاب پہلی اشاعت کی بجنسہ نقل ہے —

اشاعت دوم ۱۹۷۵ء

مرزا اسداللہ خاں غالب

گل رعنا

مع

آشتی نامۂ غالب

مرتبہ

سید قدرت نقوی

پہلا ایڈیشن

کہا جاتا ہے کہ غالبیات میں اضافوں کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے، مگر نوشتہ غالب سب کا سب سامنے آچکا ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلی بات تو ہمیشہ درست ثابت ہوتی رہے گی، مگر دوسری بات تاحال صحیح نہیں ہے ۔ بے شمار کام کرنے والے ابھی تک غالب کو تلاش کرتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہوجاتے ہیں ۔

۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر انجمن نے پانچ کتابیں، سہ ماہی اردو اور قومی زبان کے خاص نمبر شائع کیے تھے ۔ ان پانچ کتابوں میں ایک " ہنگامہ دل آشوب " تھی، جسے سیّد قدرت نقوی نے بڑی محنت و جانفشانی سے مرتب کیا تھا ۔

اب انجمن غالب کی ایک اور نایاب کتاب "گل رعنا" پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہی ہے ۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی ۔ اس کی یافت و دریافت کی داستان دل چسپی سے خالی نہیں ۔

گل رعنا کا ذکر غالب کی سوانح عمریوں تک محدود تھا ۔ سوانح نگار حضرات پنج آہنگ میں اس کے دیباچے اور خاتمے کی عبارتوں کی بنا پر اس کا ذکر سفر کلکتہ کے ضمن میں کرتے رہے ۔ اس کے متن کی کیا حیثیت تھی یہ کسی کو معلوم نہ تھا ۔ سب سے پہلے مولانا حسرت موہانی نے اپنی کتاب شرح دیوان غالب میں چند اشعار شامل کرکے اس امر کی نشان دہی کی کہ گل رعنا میں یہ اشعار متداول دیوان سے زیادہ ہیں ۔

مولانا حسرت موہانی کے بعد گل رعنا کے یہ چار

مخطوطے دستیاب ہوئے :

۱۔ ملکیت سیّدعلی نقی بلگرامی صاحب جسے جناب مالک رام نے مرتّب کرکے دہلی سے طبع کرایا۔

۲۔ ملکیت خواجہ محمدحسن صاحب جسے بقلم غالب تسلیم کیا گیا ہے ۔

۳۔ ملکیت حکیم جمال سویدا (نبیرہ حکیم اجمل خان مرحوم) جسے قاضی عزت اللہ دہلوی نے نقل کیا تھا ۔

(سید وزیر الحسن صاحب عابدی نے گل رعنا ان دونوں نسخوں (نمبر ۲ و ۳) کی روشنی میں مرتّب کرکے لاہور سے چھاپی ہے)

۴۔ ملکیت سیّد وصی احمد بلگرامی، جسے کسی غیر معروف شخص ہرنرائن عرف امراؤ سنگھ نے نقل کیا تھا اور جسے اب پیش کیا جارہا ہے ۔

اس نسخے کی دریافت کا سہرا انجمن کے قدیم رفیق و شریک معتمد مشفق خواجہ صاحب کے سر ہے کہ انھوں نے اسے جناب سیّد وصی احمد بلگرامی کے ذخیرہ کتب سے ڈھونڈ نکالا اور موصوف کو اس کی اشاعت پر آمادہ کرلیا ۔ اس نسخے کے عکس تیار کرانے میں بھی تمام تر انھی کی کوشش کا دخل ہے ۔

خواجہ صاحب نے اس نسخے کی ترتیب و تدوین کے لیے سیّد قدرت نقوی صاحب کی خدمات حاصل کی تھیں ۔ سیّد صاحب نے جس محنت ، تحقیق اور کاوش سے کتاب مرتّب کی، مقدمہ و حواشی لکھے، اس کی داد اہل فکرونظر ہی دے سکتے ہیں ۔ ہم صرف اتنا عرض کرسکتے ہیں کہ یہ کتاب " گل رعنا" مالک رام صاحب اور عابدی صاحب کی مرتبہ گل رعنا سے زیادہ جامع اور وقیع ہے اس کی افادیت اور اہمیت اس لیے منفرد ہو جاتی ہے کہ مخطوطے کو عکسی صورت میں شامل کردیا گیا ہے ۔

فاضل مرتب جناب سید قدرت نقوی نے اپنے مقدمے میں گل رعنا سے متعلق تمام معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ غالب کے سفر کلکتہ کے واقعات پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے اور بعض جدید امور پیش کرکے بیش بہا اضافہ کیا ہے۔

اس کتاب کی اہمیت " آشتی نامۂ غالب " کی وجہ سے بھی بڑھ گئی ہے یہ وہی مثنوی ہے، جو کلیات میں " مثنوی باد مخالف " کے نام سے چھپی ہے۔اس مثنوی کا اولین متن، اس مخطوطے کے ذریعے سامنے آرہا ہے ، جس کے متعلق فاضل مرتب نے ایک تعارف لکھا ہے اور مقدمے میں بھی اس کے محرکات ، حقائق، عواقب اور عوامل بیان کیے گئے ہیں۔ توضیحات کے باب میں اختلاف نسخ کے ساتھ ساتھ زیر بحث امور پر فاضلانہ استدلال کے ساتھ محاکمہ کیا گیا ہے۔

انجمن کو فخر ہے کہ وہ اس نایاب کتاب کو اس کے اولین اور مستند متن کے ساتھ پیش کر رہی ہے ۔ یہ دہرانے کی ضرورت نہیں کہ یہ پیش کش غالبیات میں بالخصوص اور ادب میں بالعموم ایک وقیع اضافہ اور بیش بہا سرمایہ ہے۔

۱۹۷۵ء

سر سید احمد خاں

حالات و افکار

از

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

جیسا کہ سب جانتے ہیں، باباۓ اردو مولوی عبدالحق کا تعلق سر سیّد احمد خاں کے مکتب فکر سے تھا ۔ پچھلے پچاس ساٹھ برس میں علی گڑھ تحریک کے بنیادی مقاصد اور اس کے دور رس نتائج کا صحیح اندازہ جن لوگوں کو رہا ان میں باباۓاردو نمایاں مقام رکھتے تھے ۔ اردو زبان کی ترویج وترقی دراصل سر سیّد ہی کا مشن تھا جسے باباۓ اردو پورا کرنے کی عمر بھر کوشش کرتے رہے ۔ چوں کہ وہ سیّد احمدخاں کے دست گرفتہ بھی تھے اس لیے ان کی سیرت و شخصیت کا قریب سے مطالعہ کرنے اور ان کے جذبۂ حب قومی سے راست متاثر ہونے کے مواقع انھیں کافی ملے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی سر سیّد کا تذکرہ چھڑتا وہ آبدیدہ ہو ہو جاتے اور ان کے کارناموں کی تفصیل بڑے خلوص اور چاؤ سے سنایا کرتے ۔ سر سیّد کو دیکھنے والے ایک ذہین اور باریک بیں بزرگ کی زبانی احوال سیّد کتنا دل چسپ ہونا چاہیے اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں ۔

باباۓ اردو کی خواہش یہ بھی تھی کہ مولانا حالی کی تصنیف "حیات جاوید" کے نہج سے کسی قدر ہٹ کر سر سیّد احمد خاں کی لائف نئی نسل کے ذہن کو پیش نظر رکھ کر لکھی جاۓ تاکہ نئی نسل بھی اس بزرگ قوم کی مثال کو سامنے رکھ کر اپنے فکر و عمل کو ہم آہنگ کرنے کے لیے سوچے اور کام کرے ۔ افسوس کہ ان کے کئی مفید منصوبوں کی طرح ایک یہ منصوبہ بھی "تحفظ اردو" کی سرگرمیوں کی نذر ہوگیا ۔ تاہم

انھوں نے سر سیّد کی زندگی اور ان کی ملّی خدمات پر وقتاً فوقتاً "متعدد مضامین لکھے" ان میں سے سات مضامین جن میں ایک ریڈیائی تقریر بھی ہے انجمن نے یک جا کرکے ۱۹۵۹ء میں "سر سیّد احمد خاں، حالات و افکار" کے نام سے چھاپ دیے تھے - یہ بابائے اردو کی کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ مختلف مضامین کا مجموعہ ہے -

چوں کہ یہ کتاب نہ صرف عام قارئین میں ہی پسند کی جاتی ہے بلکہ بعض جامعات کے نصاب میں بھی داخل ہے، اس لیے سولہ سال بعد انجمن اسے دوبارہ چھاپ رہی ہے پہلی اشاعت میں کتابت کی جو اغلاط تھیں انھیں حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے -

امید ہے کہ نئے پرانے پڑھنے والے اس سے مطلوبہ فائدہ اٹھائیں گے -

دوسری اشاعت ۱۹۷۵ء

مخطوطات انجمن ترقی اردو

جلد سوم

مرتبہ

افسر صدیقی امروہوی

پہلا ایڈیشن

۱۹۳

جیسا کہ سب کو معلوم ہے ، یہ کتاب ایک بہت اہم دستاویز ہے انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی کے کتب خانہ خاص میں عربی فارسی اور اردو مخطوطات کا بہت اچھا اورمفید ذخیرہ ہے جو بہ نظر حفاظت و احتیاط اس وقت پاکستان نیشنل میوزیم کی تحویل میں دے دیا گیا ہے ۔ اس کے عربی فارسی مخطوطات کی ایک مجمل فہرست جشن پہلوی کے موقع پر ۱۹۶۷ء میں شائع کی گئی تھی ۔ اس فہرست میں مخطوطے کے نام کے ساتھ مصنف ، سنہ تصنیف ، سنہ کتابت اور نشان شمار بھی ظاہر کر دیا گیا ۔ اس طریقے سے مطلوبہ مخطوطہ آسانی سے اور جلد برآمد کیا جاسکتا ہے ۔ اردو مخطوطات کی فہرست نگاری کا آغاز اگرچہ ۱۹۶۳ء میں ہوچکا تھا مگر ابتدا میں اس نوعیت کے تمام مضامین انجمن ترقی اردو کے ماہنامہ قومی زبان میں شائع کیے جاتے رہے اور ان مضامین کے ساتھ کچھ نئے مضامین کا اضافہ کرکے ۸۸ مخطوطات کی پہلی توضیحی فہرست ۱۹۶۵ء میں شائع کی گئی ۔ اس جلد میں ایک ضمیمہ اردو مخطوطات کی مجمل فہرست کا بھی شامل تھا ۔ پھر ۱۹۶۷ء میں دوسری جلد شائع ہوئی جس میں ۱۸۲ مخطوطات کی توضیح شامل تھی اور ان سب کا تعلق اسلامیات سے تھا ۔

دوسری جلد کے حرفے چند میں ہم نے لکھا تھا کہ تیسری جلد کی ترتیب مکمل ہوچکی ہے اس کی اشاعت میں زیادہ وقت نہیں لگے گا ، ارادہ انسان کی فطرت کا ایک جز ہے، لیکن تکمیل کے اسباب مہیا کرنا اکیلے

اس کے بس میں نہیں – دیکھتے دیکھتے ۸/۷ سال گزر گئے اور تیسری جلد شائع ہونے کی نوبت نہ آسکی – کچھ دوسری کتابوں کی اشاعت ترجیحات میں شامل ہو گئی تھی کچھ دشواریاں پیش آرہی تھیں – بہرحال "دیر آید درست آید" اب اس سلسلے کی یہ تیسری جلد قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے – اس جلد میں تاریخ، اخلاق و ادب اور علم طب کے علاوہ ان ڈائریوں اور اخبارات و رسائل کی تفصیلات بھی جمع کر دی گئی ہیں جو کتب خانہ کے مخطوطات میں شامل ہیں – جلد سوم میں ۱۵۱ مخطوطات کی ضروری توضیح درج ہے اور اختصار کے ساتھ حتی الامکان وہ تمام معلومات مہیّا کر دی گئی ہیں جن کی ضرورت محققین اور شائقین ادب کو ہوتی ہے – اب انشاءاللہ یہ سلسلہ منقطع نہ ہوگا۔ اگلی چوتھی جلد جس میں ادبیات نظم و نثر کے ۲۲۸ مخطوطات کی توضیحات شامل ہیں کتابت کی منزل سے گزر چکی ہے اور امید ہے کہ آئندہ چند ماہ کے اندر اندر بازار میں آجائیگی – ہوسکتا ہے کہ بقیہ چار جلدیں بھی سال رواں کے آخر یا سال آئندہ کے آغاز میں شائع ہو جائیں –

انجمن اپنی بساط بھر کام کیے جاتی ہے اور اس میں سب سے بڑا حصہ ان اہل دل کام کرنے والوں کا ہے جنھیں نہ ہم ان کے لائق معاوضہ پیش کرسکتے ہیں نہ تاحال قوم نے کسی انعام کی سوچی ہے – بہرحال ان کا سب سے بڑا انعام خود کام ہے –

۱۹۷۵ء

مقالات گارساں دتاسی

جلد دوم

پروفیسر موصوف کے "ہندوستانی زبان" پر سالانہ لکچر

۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۷ء تک

بنظر ثانی

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس)

پہلا ایڈیشن

یوں تو ۱۹۲۲ء سے ہی رسالہ "اردو" کے ذریعے گارساں دتاسی کے خطبات کی اشاعت شروع ہوگئی تھی لیکن یہ پہلی بار کتابی شکل میں ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئے ۔ مقالات کی اشاعت دو جلدوں میں ۱۹۴۳ء میں عمل میں آئی ۔

قیام پاکستان کے بعد بابائے اردو مرحوم نے خطبات اور مقالات کے نئے ایڈیشن شائع کرنے کا کئی بار ارادہ کیا، لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا ۔ تقریباً تین سال قبل ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے جو پیرس میں مقیم ہیں بابائے اردو کو لکھا کہ انھوں نے گارساں دتاسی کے اصل مقالات کا (جو فرانسیسی زبان میں ہیں) اردو ترجمے سے مقابلہ کرکے یہ معلوم کیا ہے کہ اصل اور ترجمہ میں خاصہ اختلاف پایا جاتا ہے ۔ اس کے جواب میں مولوی صاحب مرحوم نے ڈاکٹر صاحب موصوف سے درخواست کی کہ وہ مقالات و خطبات کے اردو ترجمے پر نظرثانی فرمادیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو پورا کرنے کی حامی بھر لی اور تقریباً چھ سات ماہ کی محنت کے بعد یہ کام مکمل کردیا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کام کس قدر محنت اور توجہ سے کیا ہے، اس کا اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ زیر نظر اشاعت کا سابقہ ایڈیشن سے مقابلہ کیا جائے ۔ فاضل مترجمین نے ان گنت مقامات پر ترجمہ غلط کیا تھا یا بعض عبارتوں کو کسی نامعلوم وجہ سے ترک کردیا تھا ۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے جابجا ترجمے کی تصحیح کی ہے ،

متروک عبارتوں کا ترجمہ شامل کیا ہے، ناموں کے تلفظ کو اصل کے مطابق لکھا ہے ۔ مختصر یہ کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے مقالات و خطبات کا ازسرنو ترجمہ کیا ہے، یہ کام اپنا عظیم الشان ہے کہ اس کے لیے انجمن ترقی اردو پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری اردو دنیا ان کی ممنون ہوگی ۔

ڈاکٹر صاحب ، جنوبی ایشیا کے چیدہ اہل علم میں سے ہیں اور اسلامی ادبیات اور علوم مشرقی پر ان کی نظر بہت گہری ہے ان کے علمی کارنامے مشرق و مغرب میں یکساں طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں ۔ اگرچہ انھوں نے پاکستان کو مکانی طور پر خیر باد کہہ دیا ہے، لیکن اردو زبان سے ان کا جو گہرا تعلق ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا اور اس کا ایک ثبوت زیرنظر کتاب ہے جس کی نظرثانی میں انھوں نے اپنے وقت عزیز کا بہت سا حصہ صرف کیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کی اس کاوش کی وقعت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھیں کہ اس کام کا انھوں نے کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا یہ ایک ایسا ایثار ہے جس کی مثال فی زمانہ ملنی مشکل ہے ۔ خطبات و مقالات کی اولین اشاعتوں میں بابائے اردو کے بہت سے حواشی تھے، جن میں سے بعض موجودہ اشاعت سے حذف کردیے گئے ہیں کیوں کہ متن کی نظرثانی کے بعد بعض مقامات سے وہ اغلاط رفع ہوگئی ہیں جن کی وجہ سے وہ حواشی لکھے گئے تھے ۔

بابائے اردو خطبات و مقالات کی موجودہ اشاعتوں پر ایک طویل دیباچہ لکھنے کا خیال رکھتے تھے ، انھوں نے سابقہ اشاعتوں کی اغلاط کی خاص طورپر نشان دہی کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن

آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

نظرثانی شدہ جلد اول ۱۹۶۲ء میں دوبارہ چھاپ دی گئی تھی، اب دوسری جلد پیش خدمت ہے ۔

۱۹۷۵ء

اشاریۂ اردو

سہ ماہی رسالہ اردو کا مصنف وار اشاریہ

مرتبہ

سید سرفراز علی رضوی

پہلا ایڈیشن

انجمن کا سہ ماہی جریدہ "اردو" محتاج تعارف نہیں ۔ اس کا پہلا شمارہ ۱۹۲۱ء میں اورنگ آباد دکن سے چھپا تھا ۔ پرانے مذاق اور جرائد کو دیکھتے ہوئے اپنی شان کا ایک الگ، خاص اور روشن نمونہ تھا ۔ اس وقت زمانے کا مزاج بھی بدل رہا تھا ۔ "گلدستے" ضرور چھپتے تھے مگر وہ حسب روایت زیادہ تر طرحی غزلوں پر مشتمل ہوتے تھے ۔ دنیا، بطور خاص اردو دنیا کچھ اور مانگتی تھی، علمی مواد کی کمی اور ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی تھی مگر بہت لوگ اس خلا کو پر کرنے کی سوچتے تھے ۔ بہرحال وہ زمانہ ایک زوال کے اثرات مابعد کا زمانہ بھی تھا ۔ لکیر کے فقیر اپنی روش چھوڑنے پر بہ مشکل آمادہ ہوتے ہیں ۔

ہاں جدید اور علمی رجحانات کے دباؤ نے کتنی اور جریدوں کی طرح ضرور ڈال دی تھی ۔ "الناظر" (لکھنئو)، "طلائے عام" (دہلی)، "مخزن" (لاہور)، "اردوئے معلّیٰ" (علی گڑھ)، "ادیب" (لکھنئو)، "نقاد" (آگرہ)، "افادہ"، "صحیفہ" اور "تاج" (حیدرآباد دکن) ہمارے "اردو" کا پیش خیمہ تھے اور انھیں مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا ظفرعلی خاں، مولانا حسرت موہانی، سر عبدالقادر اور مولانا وحیدالدین سلیم جیسوں کی سرپرستی اور معاونت حاصل تھی مگر اتنے بڑے علاقے اتنی پھیلی ہوئی زبان اور نئے تقاضوں کی اتنی بڑی یلغار اور بہت کچھ مانگتی تھی ۔

چناں چہ بابائے اردو مرحوم نے اورنگ آباد سے

"اردو" جاری کیا جس نے ابتداً انجمن کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیے اور ساتھ ساتھ علمی ، تحقیقی مضامین اور اعلیٰ پائے کی انشا چھاپنے کا رواج بھی ڈالا ۔ اس وقت اورنگ آباد میں کوئی چھاپے خانہ بھی نہیں تھا اور خود اورنگ آباد ایک دور دراز مقام تھا خاص طور پر شمال کے اردودانوں کے لیے، مگر وہاں بابائے اردو جیسی فعال اور اہل دل شخصیت کے قیام نے سب کچھ ممکن بنا دیا یہاں تک کہ بہت جلد آنجہانی منشی پریم چند نے کہا " رسالہ اردو اردو رسالوں کا سالار کارواں ہے "۔

"اردو" کا کنٹری بیوشن تمام اردو دوستوں پر واضح ہے ۔ علمی انداز اور تحقیقی اپروچ کی وہ بنا ڈالی جو اردو میں تقریباً ناپید تھی ۔ بعد کے علمی اور تحقیقی ادب نے جو استفادہ اس آغاز سے کیا وہ پچھلے پورے پچاس برس کی تاریخ پر محیط ہے ۔

"اردو" ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۶ء تک اورنگ آباد دکن میں ہی رہا کیوں کہ انجمن کا دفتر وہیں تھا۔ ۱۹۳۶ ء میں دلی آگیا اور ۱۹۴۸ء تک رہا ، مگر اردو ۱۹۴۷ء تک نکلا کہ زمانہ بہت افراتفری کا تھا جب مولوی صاحب کراچی آگئے اور انجمن نے کام شروع کیا تو تقریباً پہلی ترجیح کے طور پر ۱۹۴۹ء کے وسط میں "اردو" کو جاری کیا اور تمام نامساعد حالات کے باوجود (جن کی ایک جھلک خود ان کے کتابچے "انجمن کا المیہ" میں موجود ہے) اپنے مرض الموت تک جاری رکھا۔ ۱۹۶۱ ء میں انھوں نے انتقال کیا ۔ پھر نئی منتظمہ آئی ۔ جناب اختر حسین صدر ہوئے اور راقم الحروف معتمد اعزازی ۔ اس دوران دنیا بہت کچھ بدل چکی تھی ۔ پاکستان میں چاروں طرف اردو کی علمی اہمیت بڑھ رہی تھی نئے نئے اور وقیع پرچے نکل رہے تھے۔ علمی

مضامین لکھنے والے اور اہل تحقیق سے کچھ حاصل کرنا ایسا آسان نہیں رہا تھا کیوں کہ مولوی صاحب کی فرمائش اور پھر تاکید اور فہمائش جیسے اثاثے ہم کہاں سے لاتے مگر "اردو" کی کمی برابر محسوس کی جاتی تھی، چناں چہ ہم نے ۱۹۶۶ء سے "اردو" ایک بار پھر شروع کردیا ہے۔

"اردو" کے پہلے شمارے ذرا تفصیل سے دیکھیے تو اندازہ ہوگا کہ پچھلے برسوں میں کیا کچھ خزانے اس نے پیش کیے تھے۔ کچھ کتابوں کی شکل میں آگئے مگر بیشتر مضامین ہی رہے اور رسالہ اردو تک محدود۔ ذرائع ہمارے کم اور کاروباری امکانات مسدود تھے۔ مضامین کی اشاعت نو اور بڑے پیمانے پر تقسیم تو ممکن نظر نہ آئی سوچا کہ فی الحال ان کا اشاریہ ہی چھاپ دیا جائے۔ اہل جستجو کو پتہ تو چلے کہ کیا کچھ مہیا ہے اور کس جلد میں موجود ہے۔ پہلے خود "اردو" میں اشاریہ شروع کیا پھر ۱۹۲۱ء سے ۱۹۶۰ء تک کا اشاریہ ایک کتاب کی صورت میں تبدیل ہوا وہی یہ کتاب ہے۔ ہم نے اسے جلد اول قرار دیا ہے۔ دوسری جلد کا اشاریہ یعنی ۱۹۶۶ء سے اب تک (کوئی مہینہ مقرر کرکے) تیار ہورہا ہے۔ اسے جلد دوم کہا جائے گا اور انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اس اشاریے کی تکمیل ہمارے قدیم اور انتہائی قیمتی بزرگ رفیق کار جناب سیّد سرفراز علی رضوی، مہتمم کتب خانہ خاص نے ہمارے مہربان ابو سلمان شاہجہان پوری کی معاونت سے کی ہے۔ انجمن تو ان کی شکرگزار ہے ہی، میں سمجھتا ہوں تاریخ ادب بھی ان کی ممنون ہوگی۔

کیوں۔ یہ اس کی افادیت جاننے والے بتاسکتے ہیں۔

۱۹۷۶ء

افکار حالی

مصنف

بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم

پہلا ایڈیشن

بابائے اردو مولوی عبدالحق سر سیدؔ اسکول کی اہم ترین یادگار اور علی گڑھ مکتب خیال کے سلسلے کی اہم کڑی تھے ۔ انھوں نے سر سیدؔ اور ان کے رفقائے کار کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ ان سے کسب فیض بھی کیا تھا، تاہم ان کے خیالات اور عزیۃ، تحریر پر خواجہ الطاف حسین حالی کے اثرات بہت زیادہ ہیں ۔ سر سیدؔ اور حالی پر ان کے جس قدر مضامین شائع ہوئے ہیں ان میں انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار نہایت دیانت وخلوص سے کیا ہے۔ سرسیدؔ احمد خاں پر ان کی ایک کتاب انجمن شائع کرچکی ہے البتہ حالی پر بابائے اردو کوئی مبسوط کتاب تصنیف نہیں کرسکے تھے۔ مختلف عنوانات کے ساتھ مختلف اوقات میں حالی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے ۔ چناں چہ انجمن نے مناسب سمجھا کہ ان تمام مختلف النوع مضامین کو "افکار حالی" کے نام سے کتابی صورت میں پیش کر دیا جائے ۔ اس سے تین فائدے ہوں گے اول یہ کہ ہمارے آج کے نوجوان حالی کی شخصیت اور ان کے خیالات سے مزید مستفید ہوسکیں گے، دوسرے یہ کہ بابائے اردو کو مولانا حالی کے ساتھ جونصب العینی عقیدت ومحبت تھی وہ کھل کر سامنے آسکے گی ۔ تیسرے یہ کہ ایک اہم ریکارڈ اور تاریخ میں محفوظ ہوجائے گا ۔

افکار حالی کی ترتیب کا کام کافی مدت پہلے شروع کیا گیا تھا اور ہم نے ارادہ کیا تھا کہ اس مجموعے کو اگست کے مہینے میں بابائے اردو کی سولھویں برسی کے موقع پر شائع کردیا جائے لیکن بوجوہ اس میں کامیابی

نہ ہوسکی اور اسے دو مہینے کی تاخیر کے بعد پیش کیا جا رہا ہے ۔ امید ہے کہ علی گڑھ تحریک اور مسلم نشاۃ ثانیہ سے دل چسپی رکھنے والے حضرات میں اس کی پذیرائی خصوصیّت کے ساتھ کی جائے گی ۔ ہم مولانا ابوسلمان شاہجہان پوری کے شکرگزار ہیں جن کی مناسب توجہ سے افکار حالی کی ترتیب و تصحیح کا کام بخوبی سرانجام پاگیا اور ہم ان قابل قدر مضامین کا مجموعہ پیش کرنے کی سرخروئی حاصل کرسکے ۔

۱۹۷۶ء

اختر شیرانی

اور

جدید اردو ادب

ڈاکٹر یونس حسنی
(ایم-اے- پی، ایچ ڈی)

پہلا ایڈیشن

عصری شخصیات پر کتابیں چھاپنا انجمن کی اولین ترجیحات میں نہیں ہے ۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ شخصیات پر ذمہ دارانہ تحقیق و تبصرہ کی عمدہ مثالیں کم ہیں ۔ پچھلے بہت دنوں سے خاکہ نگاری ہو رہی ہے جس میں خاکے اڑانے کا عنصر غالب رہتا ہے یا بے لگام مداحی۔ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ایسی شخصیات جن کو رخصت ہوئے بہت دن نہ گزرے ہوں ادبی محققین کا موضوع بنیں اور ان پر سیر حاصل مقالے یا کتابیں تصنیف کی جائیں ۔

ہماری بدقسمتی کہ اب تک خود بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق پر کوئی قابل ذکر تحقیقی کتاب مرتب نہیں ہوسکی ۔ ان کے انتقال کے بعد ہم نے جامعہ کراچی سے ان کی حیات اور کارناموں پر ایک پی ایچ ڈی مقالے کی فرمائش کی تھی لیکن جامعہ کے متعلقہ اہل اختیار نے عجیب موقف اختیار کیا ۔ انھوں نے کہا کہ بابائے اردو ایک متنازعہ فیہہ شخصیت تھے اور اس سے پیشتر کہ ان کی حیات پر کوئی تحقیقی کام شروع کیا جائے اتنا عرصہ گزر جانا چاہیے کہ ری سرچ کے طالب علم کسی جذباتی یا معاصرانہ دباؤ کی وجہ سے تحقیق میں جانب داری کا شکار نہ ہوجائیں ۔ کارناموں پر کام کے لیے بھی کسی گرم جوشی کا اظہار نہ کیا گیا بہرحال ایک طالب علم کو جس کے لیے ہم نے کچھ ماہانہ اخراجات بھی منظور کیے کام شروع کرنے کی اجازت بڑی ردوکد کے بعد دی گئی ۔ اس طالب علم نے کئی برس ہم سے وظیفہ لیا لیکن کام ختم نہیں ہوا ۔

اب دوسرے لوگوں نے کام شروع کیا ہے ۔

یہ بات بجائے خود ایک موضوع بنا دی گئی ہے کہ ادبی شخصیات کے حالات پر کام کرنے کا مناسب وقت کون سا ہوتا ہے ۔ بعض قدیم الخیال لوگ تو پچاس برس بھی ٹھیرنا چاہتے ہیں خواہ عصری شہادتیں برباد ہوجائیں مگر ایک اور مکتب خیال بڑے مصنفین کی زندگی میں ہی ان پر پی ایچ ڈی کے مقالوں کی ہمت افزائی کرتا ہے ۔ دور کیوں جائیے بھارت میں مشہور اردو ادیب کرشن چندر پر کم از کم دو ایسے مقالوں کی خبر تو آچکی ہے جب کہ ابھی کرشن چندر صاحب بقید حیات ہیں ۔

اختر شیرانی مرحوم کو آج بیشتر ادبی دنیا ایک رومانی شاعر کے طور پر جانتی ہے ۔ آج ہی نہیں ان کی وجہ شہرت پہلے بھی عام قارئین کے لیے ان کی رومانی شاعری تھی ۔ انھوں نے "سلمٰی" تخلیق کی تھی اور محبوب کا فرضی یا اصلی نام لے کر جو عورت بھی ہو اس وسیع پیمانے پر شاعری کرنا اردو میں غالباً پہلی بار ہوا تھا ۔ اختر شیرانی مرحوم ایک زمانے میں انتہائی مقبول ہوگئے تھے ۔ ان سے بےشمار شعراء اور نثر لکھنے والے متاثر ہوئے تھے ۔ ان کی شخصیت کے متعلق بہت سے دل چسپ افسانے مشہور ہوگئے تھے ۔ یہ سب کچھ تھا مگر کم لوگوں کو یہ معلوم ہوسکا اور آج تو معدودے چند کے علاوہ کسی کو بھی پتا نہیں کہ اختر مرحوم ایک بڑی پہلودار شخصیت تھے ۔

یہ کتاب اخترشیرانی مرحوم پر غالباً پہلی تحقیقی کتاب ہے ۔ دراصل یہ ایک مقالہ ہے جس پر کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹر یونس حسنی صاحب کو پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس میں ایک محض شاعر نظر آنے والی شخصیت کی حیات اور

کارناموں کا نہایت محنت ، فراست اور دقت نظر کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے ۔

اب پڑھنے والے دیکھیں گے کہ اختر شیرانی مرحوم جو ہمارے ادبی افق سے معدوم ہوتے جاتے ہیں کوئی معمولی رومانی شاعر تھے ۔ انھوں نے افسانے لکھے صحافت کو پیشہ بنایا ۔ لسانیات سے خاص ذوق رکھتے تھے ۔ اپنے والد بزرگوار حضرت حافظ محمود شیرانی کے علمی تبحر سے خاصے مستفیض ہوئے تھے ۔ انھوں نے جناب خواجہ عبدالمجید کی لغت مرتب کرنے میں حصہ لیا ۔ انھیں سیاسی اور ملی مسائل سے گہری اور ایک حد تک عملی دل چسپی بھی رہی ۔ غرض کہ وہ بڑے بڑے امکانات سے بھرپور ایک گہرے مطالعے اور تبصرے کے لائق ایک ایسی شخصیت تھے جس پر اہل ذوق کو بہت پہلے تحقیقی توجہ کرنی چاہیے تھی ۔

اس کتاب میں سات باب ہیں اور آخر میں ایک ضمیمہ جو اختر مرحوم کے ان نوادر کلام پر مشتمل ہے جو ان کے کلیات میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا ۔

اس تصنیف سے اختر شیرانی مرحوم کی شخصیت بھی کھل کر سامنے آتی ہے اور وہ تاریخی سلسلے بھی جنھوں نے رومانی شاعری میں ان کی روایت کو جنم دیا ۔ اس باب میں ڈاکٹر حسنی صاحب کی کاوشیں اردو کی پوری رومانی شاعری پر ایک انتہائی مفید تاریخی تبصرے کی حیثیت اختیار کرلیتی ہیں ۔ امید ہے کہ یہ شائقین ادب کے لیے اضافی اور خصوصی دل چسپی کا باعث ہوں گی اور اب وہ رومانی شاعری کے موضوع پر دوسرے تحقیقی مضامین اور کتابوں کی عدم موجودگی زیادہ محسوس نہیں کریں گے ۔

اس وقت اردو دنیا میں اختر شیرانی مرحوم کی کوئی لابی نہیں ۔ کسی فرد ، کسی ادارے اور کسی گروہ

کا کوئی مطالبہ نہیں کہ ان مرحوم کی یاد ان کے شایان شان تازہ کی جائے ۔ انجمن کو خوشی ہے کہ اس نے اردو کے ایک قابل ذکر، نرالے شاعر پر اس کتاب کے بعض اجزا اپنے سہ ماہی جریدے "اردو" میں شائع کیے اور بعد میں اس پر یہ پوری شان دار کتاب شائع کر رہی ہے ۔

انجمن تیار ہے کہ دوسرے مشاہیر ادب پر بھی گراں قدر تحقیقی مقالے کتابوں کی شکل میں شائع کرے ۔ ذمہ دار صاحبان نظر اہل تحقیق کا تعاون شرط ہے ۔

" کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق "

۱۹۵۶ء

تحریک آزادی میں اردو کا حصہ

ڈاکٹر معین الدین عقیل

پہلا ایڈیشن

غالباً یہ اردو میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے اور اسے انجمن نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ قائدِاعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن پیدائش پر شائع کر رہی ہے۔

جناب معین الدین عقیل کی یہ کاوش کوئی جذباتی یا سرسری انداز کا طویل مقالہ نہیں، بلکہ سائنسی خطوط پر تحقیق، تفتیش اور بیان، حقائق پر مشتمل ایک مستند اور شان دار کارنامہ ہے۔

یہاں ایک طالب علم کی حیثیت سے مجھے اس میں ایک بدیہی کمی محسوس ہوئی جس کا تذکرہ نہ کرنا نہ صرف تاریخ بلکہ انجمن اور اردو تحریک کے عظیم ترین مجاہد بابائے اردو مولوی عبد الحق کے ساتھ نا انصافی ہوگی۔

جناب معین الدین عقیل نے تحریک آزادی میں ، اردو نے جس جس انداز سے اور جب جب حصہ لیا ، اس کی تقریباً تمام ممکن الحصول تفصیلات بڑی خوبی اور سند کے ساتھ جمع کی ہیں، مگر حیرت ہے کہ انہوں نے انجمن ترقی اردو اور بابائے اردو مولوی عبد الحق کی ان تاریخ ساز سرگرمیوں پر بہت ہی مختصر انداز میں تبصرہ کیا ہے جو ہماری جنگ آزادی اور بطور خاص تقسیم ہند کے سلسلے میں کوئی مؤرخ نظر انداز نہیں کرسکتا ۔ ہمارے لیے تحریک آزادی، آخری تجزیے میں کیا ہے ۔ قیام پاکستان کے لیے انجمن اور مولوی صاحب نے جن عظیم مشکلات میں ، جن طاقت ور عناصر کے خلاف اردو سے جس طرح کام لیا ہے ،

اس کی کہانی بھی تفصیلی طور پر اس کتاب کی زینت بنتی تو اس کی افادیت میں بڑا اضافہ ہوتا ۔ اس سلسلے میں بیشتر مواد ہمارے کئی کتب خانوں میں موجود ہے (بھارتی کتب خانوں تک دسترس کا مسئلہ چھوڑیے) اور ایک قابل ذکر حصّہ انجمن کی مشہور اشاعت "پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو" (مرتبہ سید ہاشمی فرید آبادی) سے حاصل کیا جاسکتا ہے ۔

چوں کہ انجمن اصولاً کسی تحقیقی مسوّدے میں ترمیم و اضافہ کی قائل نہیں اس لیے اس کتاب کے مندرجات میں کوئی اضافہ مناسب نہ ہوگا پر مرتّب اور مصنّف کو اپنی بات اپنے انداز سے کہنے کا حق حاصل ہے لیکن اتنا حق اس کتاب کی ناشر انجمن کو ضرور ہے کہ وہ ایک بدیہی سہو کی طرف اشارہ کردے ۔ امید ہے کہ اگر جناب معین الدین عقیل نے اتفاق کیا تو وہ خود اشاعت ثانی میں ایک باب خاص انجمن اور بابائے اردو مرحوم کی متعلقہ سرگرمیوں پر وقف کردیں گے ۔ میری ناچیز رائے میں یہ اتنی بڑی کتاب اس ذکر کے بغیر اپنے موضوع کا پورا احاطہ نہیں کرتی ۔

لیکن صرف اس تبصرے کے علاوہ جو ناگزیر ہوگیا تھا ناسپاسی ہوگی اگر جناب معین الدین عقیل کے انتخاب موضوع کاوش ، دقتِ نظر اور آسان زبان کی انتہائی تعریف نہ کی جائے اردو زبان ان کی ممنون رہے گی کہ انھوں نے اس کے انقلابی کردار اور امکانات کو مستند تاریخی حوالوں کے ساتھ پیش کیا ۔ یہ ایک مثبت اور سائنٹفک کوشش ہے جس کا مقام ہمارے تحقیقی اور قومی ادب میں نہایت بلند قرار دیا جائے گا ۔

۱۹۷۶ء

مخطوطات انجمن

(جلد چہارم)

مرتبہ

افسر صدیقی

پہلا ایڈیشن

مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان کی یہ چوتھی فہرست ہے جو ادبیات پر مشتمل ہے ۔ اس موضوع کے مخطوطات کی تعداد کم و بیش ساڑھے سات سو ہے۔ ایک جلد اتنی بڑی تعداد کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی اس لیے اسے تین حصّوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور پہلا حصّہ چوتھی جلد کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے ۔ باقی دو حصّوں میں سے ایک کی کتابت ختم ہوچکی ہے دوسرا زیر کتابت ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ مخطوطات کی توضیحی فہرستیں جلد از جلد مکمل ہو کر محققین و ناقدین کے سامنے پہنچ جائیں اور ان سے قرار واقعی فائدہ اٹھایا جاسکے ۔

ان ۲۲۸ مخطوطات میں جن کی تشریح جلد چہارم میں ہے ، نثری تصانیف بھی ہیں، مثنویات بھی ہیں اور دواوین و کلیات بھی ۔ اپنی دانست میں اس کے اندراجات کو زیادہ سے زیادہ صحیح اور معلومات افزا بنانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ البتہ مخطوطات کے نیشنل میوزیم میں دیدینے کی وجہ سے نظرثانی کے معاملے میں ہمیں کسی قدر پریشانی کا سامنا رہا ۔

طباعت اور اشیائے طباعت کی موجودہ گرانی کے دور میں کتابوں کی اشاعت ایک حوصلہ شکن مسئلہ ہے لیکن انجمن کے کارکن اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کی سعی میں ہر قسم کی مشکلات سے نبرد آزمائی کررہے ہیں اور سال رواں میں خاصی تعداد کتابوں کی شائع کی جاچکی ہے ۔

ہم افسر صدیقی امروہوی صاحب کے شکرگزار ہیں

کہ انھوں نے نہایت کاوش سے یہ فہرستیں مرتب کی ہیں اور اب ان کی طباعت کے تمام مراحل میں وہ معاون و مددگار ہیں۔

۱۹۷۶ء

(دانائے راز)

اقبال

علامہ سر محمد اقبال کی زندگی، ان کی شاعری اور فلسفے
پر سیر حاصل محققانہ مضامین کا مجموعہ مع ضمیمہ

(طبع جدید "اقبال نمبر" رسالہ اردو، بابت اکتوبر ۱۹۳۸ء)

مرتبہ

بابائے اردو مولوی عبدالحق

پہلا ایڈیشن

قیام پاکستان کے بعد تو علامہ اقبال ایک مستقل قومی موضوع بن چکے ہیں (گو پچھلے پورے تیس برس ایسے عظیم قومی موضوع اور ہیرو کے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں کیا گیا تھا) لیکن زیر نظر اشاعت گواہ ہے کہ تقسیم ہند سے قبل بھی جنوبی ایشیا کے مسلم عوام کے علاوہ بڑے بڑے ہندو اور اہل دل، اہل نظر انھیں کس خلوص، محبت، عقیدت اور پوری پوری فکری توجہات کا مرکز بنائے رکھتے تھے۔

زیر نظر اشاعت انجمن کے سہ ماہی جریدے "اردو" کا اقبال نمبر ہے جو ۱۹۳۸ء میں علامہ مرحوم کے انتقال کے بعد شائع ہوا۔ اس سے پہلے ادبی اعتبار سے نسبتاً کم درجہ مگر اولیت کے اعتبار سے پہلا نمبر "نیرنگ خیال" کا تھا۔ دوسرا نمبر علی گڑھ یونیورسٹی سے چھپا تھا۔ یہ دونوں نمبر علامہ مرحوم کی زندگی میں شائع ہوئے تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کا اقبال نمبر ادبی اعتبار سے بھی اعلیٰ مقام کا حامل کہا جاتا ہے اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے لیے ہندی مسلمانوں کے اضطراب و اشتیاق کا ایک نمونہ ہے۔ مگر "اردو" کا یہ نمبر ادبی علمی اور فکری لحاظ سے ان دونوں پر بھاری تھا اور آج بھی کہ علامہ پر بہت سی جہات میں بہت کام ہوچکا ہے کسی بھی تفہیم اقبال سے کسی طرح کم تر نہیں۔

علامہ مرحوم پر آج کے کام کرنے والے بزرگ اور جوان معاصرین کی لیاقت اور محنت میں کلام نہیں مگر آج بابائے اردو مولوی عبدالحق جیسے اہل نظر مرتبین

کہاں - سر تیج بہادر سپرو جیسے عاشقان اقبال کہاں - علامہ حامد حسن قادری کا درجہ کسے حاصل ہے - بطور خاص ڈاکٹر سید عابد حسین ، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ، ڈاکٹر یوسف حسن خاں، ڈاکٹر قاضی عبدالمجید - وہ فضلا تھے جو اپنی ذات میں بڑے بڑے ادارے بن چکے تھے - انھوں نے اس نمبر کے لیے جو مقالے تحریر کیے وہ آج بھی اقبال شناسوں کے لیے چراغ راہ ہیں - ان سے استفادہ کیے بغیر علامہ مرحوم پر ان موضوعات کے سلسلے میں کوئی تحریر وقیع نہیں ہوسکتی ہے - کیا ڈاکٹر یوسف حسن خاں کی " روح اقبال" اور ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی "فکر اقبال" کے بغیر کوئی قابل ذکر حد تک آگے بڑھ سکا ہے - کئی اور حضرات جن کے مقالے اس نمبر میں شامل ہیں - ۱۹۳۸ء میں بڑے مقاموں تک نہیں پہنچے تھے مگر ان میں فکر و فضیلت کے آثار نمایاں تھے جو ان کی تحریروں سے ظاہر ہیں -

صفحہ ۳۵۵ سے وہ مضامین شروع ہوتے ہیں جو "اردو" کے پاکستانی دور میں شائع ہوئے اور ان کی الگ شان ہے - جناب مشفق خواجہ نے بڑے پیمانے پر غالباً پہلی بار علامہ مرحوم کے پہلے علمی کارنامے پر توجہ دلائی جو کوئی شعری مجموعہ نہیں بلکہ علامہ مرحوم کی تصنیف "علم الاقتصاد" ہے - اب تو اس پر بہت کام ہو چکا ہے مگر جب یہ مضمون تحریر ہوا (۱۹۵۷ء) اور جب یہ چھپا تھا (۱۹۶۱ء) اس وقت تک محض اس کا تذکرہ ہو جاتا تھا - اقبال اکادمی تک نے نہیں چھاپا تھا۔ لوگ اس پر خصوصی توجہ نہیں دیتے تھے -اسی سلسلۂ مضامین میں آج کے ایک بہت بڑے ہوتے ہوئے نام مگر اپنے وقت کے بھی مشہور افسانہ نگار اور ادبی نقّاد پروفیسر عزیز احمد (سابق جامعہ عثمانیہ) کا ایک نہایت فکر انگیز اور مبسوط مقالہ "اقبال کا نظریہ فن"

شامل ہے ۔ انھوں نے جو اقدار. تلاش کی تھیں اور جس طرح مشرق و مغرب کے قدیم و جدید پیمانوں سے ان کا موازنہ کیا تھا وہ حرف آخر تو نہیں مگر اپنی جگہ ایک کافی؛ خود کفیل مقالہ ہے جو آج بھی بہت سے (دوسرے درجے کے)مطالعوں سے بے نیاز رکھ سکتا ہے ۔ اسی نمبر میں بعض دل چسپ انکشافات بھی ہیں جو بعد کے مرتبین اقبال کئی اسباب سے نظر انداز کرتے رہے ہیں حالاں کہ ان سے علامہ مرحوم کی مجموعی قدروقیمت اور عظمت میں کوئی کمی نہیں آتی، مثلاً "باقیات اقبال" کے عنوان سے قاضی افضل حق قریشی صاحب کا ایک مقالہ ہے جس میں انھوں نے علامہ مرحوم کی بہت سی ایسی تحریروں کی نشان دہی کی تھی جو اس وقت تک ان کی کلیات یا مجموعہ ہائے نثر میں شامل نہیں تھیں یا صحت کے ساتھ نقل نہیں ہوئی تھیں ۔اب کہیں کہیں نظر آتی ہیں ۔ پھر بھی ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر علامہ مرحوم کی نظم کا ذکر ہماری نظر سے کسی جدید تالیف تک میں نہیں گزرا ۔ یہ ایک سو دس شعر کا ایک ترکیب بند تھا جو علامہ نے مسلمانوں کے ایک جلسے منعقدہ لاہور میں پڑھا تھا اور جو مولانا غلام رسول مہر مرحوم کی مرتبہ "سرود رفتہ" میں شامل تھا ۔ فاضل مقالہ نگار نے ایک اور نسخے (مطبوعہ لاہور)سے اس ترکیب بند کے چند بندوں کا بڑا دل چسپ مقابلہ کیا ہے ۔ برسبیل تذکرہ یہ ذہن اقبال کے تدریجی ارتقا پر مطالعے کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی ہے ۔ بہرحال اس مقالے کی علمی یا ادبی حیثیت زیر بحث نہیں لیکن اس کی ایک تاریخی حیثیت ضرور ہے ۔ اس میں علامہ مرحوم کے چند خطوط ہیں جو اس وقت تک غیر مطبوعہ تھے ۔ ان کی بھی تاریخی حیثیت ہے ۔ دراصل اتنی بڑی شخصیت کے ہر زمانے کا ہر قول و فعل ایک

تاریخی حیثیت رکھتا ہے ۔

"اردو" کا زیر نظر اقبال نمبر نہ صرف ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے بلکہ کئی لحاظ سے بطورخاص ان بڑے ناموں کو دیکھتے ہوئے جنھوں نےآج سےچالیس سال پہلے جب نہ قرارداد پاکستان تھی نہ علامہ مرحوم پر کام کرنے والوں کا وہ زور و شور تھا جو آج ہے علامہ مرحوم کے فکر و ادب پر قلم اٹھایا اور اس طرح آج بھی ان کے تجزیے اور محنتیں تازہ ہیں ۔

۱۹۷۷ء

لغت کبیر اردو

جلد دوم

(حصۂ اول الف مقصورہ)

مولفہ

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم

پہلا ایڈیشن

یہ اس سلسلے کی دوسری جلد ہے ـ

پہلی جلد ۱۹۷۲ء میں چھپی تھی ـ اس میں بابائے اردو مرحوم کا مقدمہ اور ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم کا ایک تعارفی نوٹ شامل تھا ـ ڈاکٹر سبزواری اس وقت حیات تھے اور لغت پر ہی کام کر رہے تھے ـ تبرکاً ہم دونوں مقالات اس اشاعت میں دے رہے ہیں اور انشا اللہ اس سلسلے کی ہر جلد میں شامل کرتے رہیں گے تاکہ جن قارئین کی دسترس صرف ایک جلد تک ہو وہ بھی ان خیالات سے استفادہ کر سکیں ـ

اس میں شک نہیں کہ اس دوران مرکزی اردو بورڈ کراچی کے زیر اہتمام تالیف شدہ لغت کبیر کی پہلی جلد بھی شائع ہوگئی ہے ـ وہ بارہ سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت تین سو روپے (۳۰۰) ہے ـ وہ بھی وہی لغت ہے جس کے مدیر اوّل اور صدر بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبد الحق مرحوم تھے ـ سارا منصوبہ حکومت پاکستان نے انھی کے اصرار اور انھی کی نگرانی میں شروع کرایا تھا ـ اس پر کوئی بیس برس سے کام ہو رہا ہے اور آیندہ بہت دن ہوگا ـ سچ یہ ہے کہ اب لغت کبیر کا لقب اسی لغت کو زیب دے گا لیکن ! پہلی لغت اور پہلا سلسلہ یہی ہے ـ اردو بورڈ والی لغت کے مقابلے میں بہت مختصر ہے مگر اپنی قدر و قیمت الگ رکھتا ہے ـ مقابلتاً بہت سستا بھی ہے اور بہرحال دونوں کام اردو کی خدمت میں نہایت فاضل بزرگوں کی محنتوں کے سلسلے ہیں ـ زبانیں ایک یا دو لغات میں محدود نہیں ہوا کرتیں ـ لغت بڑا

پھیلا ہوا علم ہے اس سمندر میں جتنی غوطہ زنی کی جائے زیادہ سے زیادہ موتی ملتے جاتے ہیں ۔

اس لغت کی اپنی ایک تاریخ ہے جو مختصراً پہلی جلد کے "حرفے چند" میں بذریعہ اقتباس بیان کی گئی تھی وہ مولف سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم کی تحریر ہے ۔ قارئین کی دل چسپی کے لیے وہ اقتباس بھی اس اشاعت میں شامل کر دیا گیا ہے ۔

تقسیم کے وقت فسادات میں نہ صرف انجمن کے بیشتر انمول مخطوطات ، مسوّدات اور نوادرات ضائع ہو گئے ، بلکہ "لغت کبیر" کا دفتر بھی پراگندہ ہوا ۔ انجمن کے صدر دفتر دہلی میں پہلے تو آگ لگائی گئی، پھر جو کچھ بچا کچا رہ گیا تھا اسے نئے قابضین نے ادھر ادھر پھینک دیا ۔ یہ پرچے پرزے مولوی صاحب اور ان کے رفقاء نے کن حالات میں کس محنت سے جمع کیے، اس کی داستان بھی سیّد ہاشمی کی اسی کتاب میں موجود ہے ۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح مولوی صاحب کارڈوں کے چند پلندے اور کچھ حوالے دہلی سے کراچی منتقل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ دھنا انھوں نے یہ منصوبہ ترک نہیں کیا تھا ، چناں چہ پاکستان میں انجمن کی تنظیم کرتے ہی انھوں نے خود اس منصوبے پر دوبارہ کام کرنا شروع کیا اور جب تک زندہ رہے اس پر کام کرتے رہے ۔

یہ منصوبہ مولوی صاحب کو بہت عزیز تھا اور ان کی بڑی خواہش تھی کہ اپنی زندگی ہی میں اسے پورا کر جائیں ۔

بہرحال جو کچھ ہمارے پاس ہے اردو کی امانت ہے اور اہل اردو کی خدمت میں حاضر ہے اس کی علمی اہمیت پر ڈاکٹر شوکت سبزواری کا ایک مختصر سا تبصرہ بھی اس اشاعت میں شامل کردیا گیا ہے ۔

۱۹۷۷ء

شام غریبان

تذکرۂ شعرائے فارسی
که از ایران به‌هند آمده‌بودند

مصنفہ

لچھمی نرائن شفیق

مرتبہ

محمد اکبر الدین صدیقی

استاد شعبۂ اردو، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

پہلا ایڈیشن

منشی لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی جو اردو میں صاحب تخلص کرتے تھے، متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کے والد منشی منسا رام ہاتفی پنجاب کے علاقے کے رہنے والے تھے دہلی سے نواب آصف جاہ کے ہمراہ دکن گئے تھے اور وہیں شفیق کی ولادت ہوئی۔ یہ ۱۱۵۸ھ کی بات ہے۔ بہت جلد فارغ التحصیل ہوئے اور عنفوان شباب ہی میں شعر کہنے لگے جس میں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے اصلاح لی۔ ۱۱۷۵ھ میں جب کہ ان کی عمر صرف ۱۷ سال تھی اردو شاعروں کا ایک تذکرہ تصنیف کیا جس میں شعرا کا اندراج حروف تہجی کے اعتبار سے نہیں تھا بلکہ دوسرے تذکرہ نگاروں کی روش سے ہٹ کر انھوں نے اس کی ترتیب اعداد جمل پر رکھی تھی جن شعرا کا تخلص الف سے شروع ہوتا تھا اسے اس بنا پر اول درج کیا الف کا عدد ایک ہے، مثلاً اسیر، امیر، انجام وغیرہ اور جن کا تخلص صرف ب سے شروع ہوتا انھیں ان کے بعد جگہ دی مثلاً بسمل، برق، بیدل وغیرہ۔ اس طرح ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ اور ضظغ کے حروف کی ترتیب کو قائم رکھا گویا غ سے جن شعرا کا تخلص شروع ہوتا تھا مثلاً غریب، غالب وغیرہ کو اس بنا پر کہ غ کے ایک ہزار عدد ہیں سب سے آخر میں جگہ دی۔ یہ تذکرہ انجمن ترقی اردو کی جانب سے طبع ہوچکا ہے۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں انھوں نے نظم و نثر کی اور کتابیں تصنیف کیں، شام غریباں جو اس وقت آپ کے سامنے ہے یہ تذکرہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے

خصوصیت کا حامل ہے اس میں ان ایرانی شعرائے فارسی کا ذکر کیا گیا ہے جو اپنے وطن سے ہندوستان میں آئے ، یہاں رہے اور یہیں وفات پاگئے اور اس طرح اس کا نام "شام غریباں" موضوع کے اعتبار سے بہت ہی مناسب نام ہے اگرچہ یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تمام شعرا اس میں آگئے ہیں جو ہندوستان میں سپرد خاک ہوئے پھر بھی شفیق کی تلاش وکاوش قابل قدر ہے اس کا مخطوطہ حیدرآباد میں موجود تھا جسے جناب اکبر الدّین صدیقی صاحب نے حاصل کرکے مرتّب کیا اور جابجا ماخذوں کے حوالے دے کر اسے زیادہ مفید بنایا ۔ جس کے لیے وہ شکریے کے مستحق ہیں ۔ امید ہے کہ یہ تذکرہ قدردانان ادب اور اہل تحقیق کے حلقے میں شرف قبول حاصل کرے گا ۔

۱۹۷۷ء

افکار عالیہ

(چون عظیم مغربی مفکرین سے استفادہ)

ترجمہ اور خلاصہ

ڈاکٹر خان رشید

مقدمہ

جمیل الدین عالی

پہلا ایڈیشن

کل ایک سو چھپن صفحے کی یہ مختصر سی کتاب انجمن کے سلسلوں میں ہی نہیں پوری اردو دنیا میں اپنی نوعیت کی ایک نادر ترین اشاعت ہے۔

بادی النظر میں اگلے صفحات پر (بہت معمولی کتابت میں) مندرجہ ذیل سات موضوعات سے متعلق مختصر مقالے چھپے ہوئے ہیں۔

آرٹ (فن)

اتفاق

تغیر

جذبہ

حُسن

عدل

فرض

لیکن یہ مقالے نہیں۔ مباحث نہیں "فیصلے اور خلاصے" بھی نہیں۔ ان کی ایک کہانی ہے ۱۹۶۹ء میں انسائی کلوپیڈیا برٹینیکا نے ایک سلسلۂ کتب شائع کیا تھا۔

THE GREAT BOOKS OF THE WESTERN WORLD.

یہ سلسلہ ایک سو دو "آئیڈیاز" یعنی چوٹی کے عظیم۔ مغربی مفکرین و مصنفین کے افکار کی داستان ہے جو ان کی چار سو سینتالیس تصانیف سے لیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں باون جلدوں میں تو ان مصنفین کی اصل نمونہ تحریریں ہیں اور دو جلدیں ان موضوعات پر بے مثال تعارفی مقالوں اور اشاریوں پر مشتمل ہیں جنہیں چھپن فاضل مدیروں نے تقریباً بیس برس محنت کرنے کے بعد تحریر و مرتب کیا ہے۔ ان دو جلدوں کو انھوں نے

مندرجہ ذیل عنوان سے چھاپا ہے :

GREAT IDEAS

A SYNTOPICON OF GREAT BOOKS OF THE WESTERN WORLD

یہ دو جلدیں دو ہزار سے زیادہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں اور باریک ٹائپ میں ہیں — ان کی ترتیب اور تحریر میں کام کرنے والوں کی تعداد ملاحظہ کیجیے :

مدیر اعلی	ایک
مدیر عمومی	ایک
مدیر انتظامی	ایک
شریک مدیران	تین
عملہ ادارت	اڑتیس
مرتبین اشاریہ	چار
شریک مرتبین	تین
مشیران خصوصی	پانچ

اب ذرا ان چوٹی عظیم مغربی مصنفین میں سے چند کے نام ملاحظہ کیجیے جو اس سلسلہ میں شامل کیے گئے ہیں:

HOMER	ہومر
SOPHOCLES	سوفوکلیز
EURIPIDES	یوریپیڈیز
ARISTOPHANES	ارسٹوفینز
HERODOTUS	ہیرڈوٹس
PLATO	افلاطون
ARISTOTLE	ارسطو
HIPPOCRATES	بقراط
GALEN	جالینوس
EUCLID	اقلیدس
ARCHIMEDES	آرشمیدیس
PLUTARCH	پلوٹارک

PTOLEMY	ٹول می
COPERNICUS	کوپرنیکس
St.AUGUSTINE	سینٹ آگسٹائن
CHAUCER	چاسر
MACHIAVALLI	میکاویلی
HOBBES	ہوبس
SHAKESPEARE	شیکسپیئر
GALILEO	گیلی لیو
FRANCIS BACON	فرانسس بیکن
DESCRATES	ڈیکارٹ
MILTON	ملٹن
NEWTON	نیوٹن
LOCKE	لوک
BERKELEY	برکلے
MONTESQUIEU	مونٹیسکو
ROUSSEAU	روسو
ADAM-SMITH	آدم اسمتھ
GIBBON	گبن
J.S.-MILL	جان ـ اسٹوارٹ ـ مل
FARADAY	فیراڈے
HEGEL	ہیگل
GOETHE	گوئٹے
DARWIN	ڈارون
MARX	مارکس
ENGELS	اینگلز
TOLSTOY	ٹالسٹائی
FREUD	فرائڈ

ہم نے یہ نام نمونتہً ان مصنفین کے دیے ہیں جو
ہماری زبان اور ادب میں خاصے معروف ہیں ـ ساتھ ہی

ان ایک سو دو "آئیڈیاز" یا تصورات کی فہرست ملاحظہ کیجیے جس کا انتخاب مدیران سلسلہ نے کیا ہے :

ANGEL	فرشتہ
ANIMAL	جانور
ARISTOCRACY	جاگیرداری
ART	فن
ASTRONOMY	فلکیات
BEAUTY	حسن
BEING	وجود
CAUSE	سبب
CHANCE	موقع
CHANGE	تبدیلی
CITIZEN	شہری
CONSTITUTION	دستور
COURAGE	ہمت
CUSTOM AND CONVENTION	رواج اور روایت
DEFINITION	تعریف
DEMOCRACY	جمہوریت
DESIRE	خواہش
DIALECTICS	جدلیات
DUTY	فرض
EDUCATION	تعلیم
ELEMENT	عنصر
EMOTION	جذبات
ETERNITY	ابدیت
EVOLUTION	ارتقاء
EXPERIENCE	تجربہ
MATTER	مادّہ

MECHANICS میکانیات
MEDICINE طب
MEMORY AND IMAGINATION حافظہ اور تخیل
METAPHYSICS مابعد الطبیعات
MIND ذہن
MONARCHY بادشاہت
NATURE فطرت
FATE تقدیر
FORM ہیئت
GOD خدا
GOOD AND EVIL خیروشر
GOVERNMENT حکومت
HABIT عادت
HAPPINESS مسرت
HISTORY تاریخ
HONOUR اعزاز
HYPOTHESIS مفروضہ طرز استدلال
IDEA نظریہ خیال ــ تصور
IMMORALITY بداخلاقی
INDUCTION عمل اخذ
INFINITY لامحدودیت ــ ابد
JUDGMENT فیصلہ
JUSTICE انصاف
KNOWLEDGE علم
LABOR محنت
LANGUAGE زبان
LAW قانون
LIBERTY آزادی

LIFE AND DEATH	زندگی اور موت
LOGIC	منطق
LOVE	محبّت
MAN	آدمی ـ انسان
MATHEMATICS	ریاضی
RELATION	تعلّق
RELIGION	مذہب
REVOLUTION	انقلاب
RHETORIC	علم البیان
SAME AND OTHER	وہی اور دیگر
SCIENCE	سائنس
SENSE	حِس
SIGN AND SYMBOL	نشان اور علامت
SIN	گناہ
NECESSITY AND CONTINGENCY	ضرورت اور ضرورت انسانی
OLIGARCHY	چندخودپسندامرا کی حکومت
ONE AND MANY	ایک اور کئی
OPINION	خیال ـ رائے
OPPOSITION	اختلاف
PHILOSOPHY	فلسفہ
PHYSICS	علم طبیعات
PLEASURE AND PAIN	مسرّت اور درد
POETRY	شاعری
PRINCIPLE	اصول
PROGRESS	ترقی
PROPHECY	پیش گوئی
PRUDENCE	دور اندیشی
PUNISHMENT	سزا

QUALITY	معیار
QUANTITY	تعداد۔ وزن
REASONING	استدلال
SLAVERY	غلامی
SOUL	روح
SPACE	خلا
STATE	حالت ۔ ریاست
TEMPERANCE	اعتدال
THEOLOGY	علم الذہب
TIME	وقت
TRUTH	سچائی ۔ حقیقت
TYRANNY	استبداد
UNIVERSAL AND	عمومی اور
PARTICULAR	خصوصی
VIRTUE AND VICE	نیکی اور بدی
WAR AND PEACE	جنگ اور امن
WEALTH	دولت
WILL	خواہش
WISDOM	دانش مندی
WORLD	دنیا

اس وقت ہماری توجہ کا مرکز وہ دوجلدی مجموعہ SYNTOPICON ہے جسے مدیروں نے مجموعۂ موضوعات COLLECTION OF TOPICS کا نام دیا ہے ۔ان دوجلدوں میں جو موضوع وار مواد ہے اس کے متعلق مدیران کا اصرار ہے کہ اسے متعلقہ موضوع پر اصل مفکرین کے افکار کا خلاصہ نہ کہا جائے بلکہ اصل کتابوں اور موضوعات کی طرف ایک رہنمایانہ کوشش سمجھا جائے ۔ صحیح معنی میں یہ اہل علم کے شایان شان ایک انکسار ہے اور اس سے ناشرین کا یہ اصرار بھی ظاہر ہوتا ہے

(جس میں جائز تجارتی مقاصد بھی پوشیدہ ہیں) کہ متعلقہ "تصور" پر اصل مصنفین کے اصل خیالات جو دوسری جلدوں میں ہیں ضرور پڑھے جائیں ۔ مگر ہماری پسماندگیوں کے پیش نظر اس SYNTOPICON کی یہ جلدیں بھی خود مکتفی عظیم خلاصوں سے کم حیثیت نہیں رکھتیں ان کی اصل اہمیت صرف انہیں قارئین پر واضح ہوسکتی ہے جو خود یہ دو جلدیں ملاحظہ کرسکیں ۔ ترتیب ان کی یہ ہے کہ پہلے تو فاضل مدیران INTRODUCTION یعنی تعارف دیتے ہیں جو بجائے خود اس موضوع پر ایک مقالہ بن جاتا ہے ۔ پھر وہ متعلقہ IDEA پر موضوعات کا خاکہ بناتے ہیں ۔ ایک سو دو IDEAS پر یہ موضوعات کوئی تین ہزار کے قریب بنتے ہیں اور ہر باب میں چھ سے لے کر چھیتر تک ، یعنی اوسطاً تیس موضوع فی باب پڑتے ہیں ۔ ساتھ ہی حوالوں کا ایک حیرت انگیز سلسلہ ہے ۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ صرف ان دو جلدوں میں ایک لاکھ تریسٹھ ہزار حوالے آگئے ہیں۔ کسی باب میں کم ، مثلاً ۲۸۲ اور کسی میں کافی ، مثلاً سات ہزار پینسٹھ ۔ اگر نام کے لیے اوسط نکالی جائے تو پندرہ سو فی باب آئے ۔

یہ دو جلدیں ریسرچ دریافت اور فکر کی طرف بنیادی رہنمائیاں ہیں ، مگر جیسا کہ عرض کیا گیا بجائے خود عظیم خزانوں کی شکل اختیار کرگئی ہیں ۔ ہر IDEA پر کام ، ماضی سے اس کے تعلق اور مستقبل پر اس کے امکانی اندازے کا ایک جامع نقشہ دکھا دیتی ہیں اور ساتھ ساتھ ان علمی و فکری بلکہ سیاسی ادوار کی نشان دہی بھی کرتی جاتی ہیں جن میں مغرب کی حد تک ان IDEAS نے جنم لیا اور پرورش پائی ۔

اب ایک طرف تو ان کا کام دیکھیے اور دوسری طرف یہ ملاحظہ کیجیے کہ "فکر مشرق" کئی جہتوں میں

نہ صرف فکر مغرب سے قدیم تر ہے، بلکہ اس کا دائرہ بھی فکر مغرب سے کہیں زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ کئی بلکہ کافی IDEAS جنھیں فاضل مرتبین نے عنوان کتاب ہی کے ذریعے دنیائے مغرب کے IDEAS قرار دے دیا نہ صرف ان کے نہیں ہیں، بلکہ مشرق سے ابھرے ہم تصوّر الٰہیہ کے متعلق تو نہیں کہہ سکتے کہ خدا کا تصوّر بھی مشرق میں مغرب سے پہلے پیدا ہوا کیوں کہ انسان اور خدا کا فکری ربط مشرق و مغرب یا شمال و جنوب سے ابتدا کی کوئی مستند تاریخ نہیں رکھتا لیکن بہت سے ایسے IDEAS اس فہرست میں موجود ہیں جنھیں دنیائے مغرب کا تصوّر کہتے ہوئے ہنسی آتی ہے اور جن کے بارے میں ثابت ہے کہ ان پر اولین فکری کاوشیں (الہامی کتابوں کا ذکر نہیں) یونان سے پہلے کئی ممالک مشرق، مثلاً مصر، چین اور مشرق وسطیٰ سے شروع ہو کر درجہ کمال تک پہنچ گئی تھیں۔ ان میں تصوّر آزادی کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، چناں چہ اس لحاظ سے ہم محترم مدیران گرامی کے لیے تمام تر احترام کے باوجود سوچتے ہیں کہ وہ غالباً اپنے سامراجی پس منظر کی وجہ سے ایسے خالص علمی معاملے میں بھی مشرق کے خلاف ایسے تعصب میں مبتلا ہوئے کہ پورے ۱۰۲ " آئیڈیاز " کا مخزن مغرب کو قرار دیتے ہوئے انھیں املاک مغرب بنا دیا۔ (سوائے بائیبل اور متعلقات کے کیوں کہ یہ مقدس کتابیں جغرافیائی طور پر بھی مشرق کے اسٹیج ہی سے چلی ہیں)۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اہل مغرب نے ایک لحاظ سے اپنی فکری تاریخ پر کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور فکر مشرق پر اب تک کسی مشرقی ملک یا مجموعۂ ممالک نے کوئی مجموعۂ افکار عالیہ مرتب نہیں کیا۔ سچ کہ علم کے معاملے میں

مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی تخصیص بے معنی ہے۔ تمام علم تمام انسانوں کی میراث ہے، مگر مقصد اس گزارش سے یہ ہے کہ مغرب نے ایسے عظیم فکری خزانوں کو اپنی انتخابی صواب دید کے مطابق نہ صرف جمع کر دیا بلکہ ان کو اپنانے کا ٹانکا بھی لگا دیا ۔ فکر انسانی میں مشرقی کنٹری بیوشن کا راست ذکر ہی نہ کیا، جب کہ بیشتر فکر مغرب فکر مشرق سے متاثر ہوئی ہے، لیکن اہل مشرق نے جو مدتوں سے آزاد بھی ہوچکے ہیں اور جن میں سے چند ملکوں کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ تمام فکر عالم پر عظیم ترین ادارہ ہائے تحقیق قائم کردیں ۔ ابھی تک صرف فکر مشرق کی ترتیب پر بھی کوئی باضابطہ توجہ نہیں دی ۔ اب تک مجموعی طور سے مشرق پر جو قابل ذکر کام ہورہے ہیں وہ "مستشرقین" نے کیے ہیں یا" مغربی اداروں اور جامعات نے ۔ راقم الحروف نے پاکستانی فضلاء سے استفسارات کیے اور پچھلے برسوں میں جو چند غیر ملکی دورے کیے ان میں اچھی خاصی واقفیت رکھنے والے برطانوی، امریکی، عرب اور روسی دانشوروں اور اشاعتی اداروں سے جاننا چاہا کہ کیا کوئی ایسا سلسلۂ کتب مشرقی افکار عالیہ پر بھی محیط ہے؟ مگر جواب ہمیشہ نفی میں ملا۔ ہاں فکر مشرق کی چند جہتوں پر الگ الگ بڑے بڑے کام ہوئے ہیں ۔ مذاہب مشرق پر انچاس جلدوں کا ایک سلسلہ مرتبہ میکس ملر SACRED BOOKS OF THE EAST - MAXMULLER ۱۸۷۵ء میں شائع ہوا تھا۔ آزادی کے بعد بھارت نے اپنے قدیم فکری شعبوں پر بہت کام کیا ہے۔ مصر و عراق اور اب حجاز میں اسلامی فکری تاریخ پر قابل قدر کام ہوا ہے ۔ خود پاکستان میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا سلسلہ ایک عظیم علمی منصوبہ ہے جو آہستہ آہستہ مختلف مدارج سے گزرا ہے، مگر مجموعی فکر مشرق پر اس زیر نظر سلسلے جیسا کارنامہ شروع ہونے

کی خبر تک نہیں ۔ اس کم توجہی کے تاریخی اسباب تو "واضح" ہیں ہی مگر اتنی ہی واضح ضرورت بھی ہے کہ فکر مشرق پر ایک ایسا منصوبہ کم از کم شروع ہوجائے یہ کام کون کرے ۔ چین تو انقلاب اور ثقافتی انقلاب کے پس منظر میں ابھی برسوں ایسے منصوبے کو اپنی قومی ترجیحات میں شامل نہیں کرسکتا ، بلکہ اس نے تو بوجوہ اپنے دو عظیم ترین مفکرین " لازو " اور "کنفیوشس" کو بھی فکری تحت الشعور تک سے نکال دینے کی کھلی کوشش کی ہے، اور ابھی وہاں بہت دن صرف مارکسزم ، لینن ازم اور فکر ماؤ کا دوردورہ رہنا ہے ۔ بھارت میں کافی علمی کام ہوتا ہے، مگر اس کے "مخصوص تعصبات" میں مشرق وسطی کی فکر پر غیر جانب دارانہ کام کرنے کی گنجائش اگلے بہت سے برسوں تک نظر نہیں آتی ۔ جاپان کے متعلق عام تصور یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ مغربیا گیا ہے اور یا تو اس نے فکر مشرق کو ایک کمتر علمی سطح کا قصۂ پارینہ قرار دے دیا ہے یا ایسی کوشش میں اسے کوئی فوری تجارتی مفاد نظر نہیں آتا جو اس زمانے میں اس کی اولین قومی ترجیح ہے ۔ اب تیل پیدا کرنے والے ممالک مشرق وسطی کے علاوہ پورے مشرق میں کوئی علاقہ ایسا نظر نہیں آتا جس میں ایسے منصوبے میں سرمایہ کاری کی اہلیت ہو ، مگر رموز مملکت خویش خسرواں دانند ۔ زیادہ حد ادب ہے ۔ خدا کرے وہ فکر اسلامی پر ہی جامع اور مفید منصوبے شروع اور مکمل کرا دیں ۔

بہرحال یہ گزارشات مشرق و مغرب میں آویزش کے خیال سے نہیں بلکہ برسبیل تذکرہ اپنی بے بسی کا ناگزیر اظہار ہیں ۔ خدا کرے اگلی نسلیں زیادہ آسانی کے ساتھ پوری انسانی فکر کے مجموعی اور تفصیلی کنٹری بیوشن سے آگاہ ہونے کے قابل ہوں ۔ ایسا وقت

کبھی نہ کبھی تو آنا ہے ۔

اس پس منظر میں یہ زیر نظر کتاب "افکار عالیہ" کیا ہے ۔ اس انگریزی سلسلے SYNTOPICON کے سات ابواب کا تھوڑا سا اشاراتی استفادہ مگر اردو قارئین کے لیے بہت کچھ اور تاحال بے مثال ۔ اس کے کئی مقاصد ہیں ۔ ایک لحاظ سے یہ تبصرہ ہے اس عظیم مغربی کاوش پر جو اپنے چند در چند تعصبات کے باوجود ایک واقعی عظیم کاوش ہے ۔ ایک نمونہ ہے اس مشورے کے ساتھ کہ جو اہل مقدرت ہیں وہ اس انگریزی سلسلے کے ذریعہ فکر مغرب کے نچوڑ اور چاہیں تو باون کتابوں میں متعلقہ موضوعات پر عظیم مغربی مصنفین کے اصل افکار سے استفادے کی کوشش کریں کیوں کہ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ فکر مغرب نے انسانیت کو بہت کچھ دیا ہے ۔ بنیادی مسائل پر افکار کی گہرائی نشاۃ ثانیہ اور صنعتی انقلاب کی کارفرمائی سائنس کی وسعتیں ، جدید انکشافات اور ایجادات کی رحمتیں ۔

ایک گزارش بلکہ قدرتی توقع یہ ہے کہ اگلے ابواب کی معمولی پتلی کتابت (جو انشاءاللہ ہم آیندہ اشاعت میں بہت بہتر کردیں گے) مطالعے میں خارج نہ ہونے پائے ۔ اس کے علاوہ ان ابواب کے فقروں سے کہیں بھی سرسری طور پر گزر جانا پورے موضوع کی تفہیم کو مجروح کرسکتا ہے کیوں کہ یہ کھرے علمی اور فکری "خلاصے" مروّجہ مقالے، اشاریے اور خلاصے یا ترجمے نہیں ۔

ہم ڈاکٹر خان رشید صاحب کے ممنون ہیں کہ انھوں نے ان سات ابواب پر اتنی محنت سے اردو دانوں کے لیے کم از کم سات تصوّرات پر ہی ایسا بے مثال مواد فراہم کردیا جیسا کہ آپ دیکھیں گے ۔ وہ بہت

سے روایتی طور پر مشکل مقامات سے پڑھنے والے کو بہت آسان گزار دیتے ہیں لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ان ابواب کی ہر سطر اس امر کی متقاضی ہے کہ اسے پوری توجہ سے اور ممکن ہو تو تمام ابواب کو بار بار پڑھا جائے کیوں کہ وہ حقیقتاً نہ کہ محض لفظاً "افکار عالیہ" ہیں - یہ الگ بات ہے کہ انھیں مغربی قرار دے دیا گیا اور ان میں سے کچھ نے واقعتاً مغرب سے بہت زیادہ فیض پایا ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا علم ظاہر ہونے کے بعد کسی کی ملک یا میراث نہیں رہتا بلکہ پوری انسانیت کا اثاثہ قرار پاتا ہے جن احباب کو فکر مشرق سے کماحقہ آگاہی ہے اور فکر مغرب سے تفصیلاً واقف نہیں انھیں ماخذی اور تقابلی مطالعے کے لیے بڑا اہم اور دل چسپ مواد بھی ملے گا -

ہمیں اعتراف ہے کہ یہ ہمارا کوئی کارنامہ نہیں مگر معترضین کو ہمارے وسائل کی کم یابی پر خود بھی شرمندہ ہونا پڑے گا - تجارتی ادارے تو ایسے ایک سو چھپن صفحات پر بھی سرمایہ کاری نہیں کرتے ہم نے ایک چھوٹی سی ہمت تو کی ہے - کاش ایسا ممکن ہو کہ ہمارا کوئی بڑا ادارہ ناشرین کی اجازت سے پورے انگریزی سلسلے کا ترجمہ ہی کر ڈالے - یہ بھی دنیائے اردو پر ایک بڑا احسان ہوگا ہم نے تو نمونہ دکھنا کر ناشرین کے ایک کارنامے کی پبلسٹی کی ہے ہمارے اپنے منصوبوں میں امہات الکتب کے ترجمے شامل ہیں - آہستہ آہستہ اپنے وسائل کی محدودات میں کام کر رہے ہیں مگر کام بہت ہے - سب کو کرنا چاہیے -

۱۹۷۷ء

ANJUMAN'S
URDU - ENGLISH DICTIONARY

انجمن کی

اردو ۔ انگریزی لغت

مرتبہ

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق

پہلا ایڈیشن
۱۹۷۷ء

پہلا ایڈیشن

انجمن کی اس اردو ۔ انگریزی ڈکشنری کی بنیاد وہ قلمی مسودہ ہے جو تقسیم ملک سے قبل دہلی میں باباۓ اردو کی خاص نگرانی میں کارڈوں کی شکل میں تیار ہونا شروع ہوا تھا اور ایک آہنی بکس کے اندر ہمارے پاس ایک عرصہ دراز سے محفوظ چلا آرہا تھا ۔ ہمارے اشاعتی پروگرام میں ابتدا ہی سے اس ڈکشنری کا شائع کرنا شامل تھا مگر ہم نے انجمن کی بڑی اسٹینڈرڈ انگریزی ۔ اردو ڈکشنری کو ترجیح اوّل دی ۔ ہندوستان میں جس (PIRACY) غاصبانہ اشاعت کا ذکر مذکورہ ڈکشنری کی دوسری اور نظرثانی شدہ اشاعت کے دیباچے میں کیا گیا ہے اس کی وجہ سے ۱۹۶۸ء میں پہلے اسی کو بازار میں لانا ضروری سمجھا گیا ۔ اور وہ بجائے خود ایک مشکل کام تھا ۔ تقسیم ملک سے قبل ۱۹۳۷ء میں اپنی پہلی اشاعت کے بعد سے بڑی ڈکشنری پاکستان میں نایاب بھی ہوگئی تھی اور اس کی دوبارہ اشاعت کے لیے ملک میں عام اصرار بڑھتا جارہا تھا ۔ اس لیے بھی ضروری تھا کہ پہلے اسی کو شائع کیا جائے ۔

اس سے پیشتر اور اس کے بعد بھی ہماری بڑی ڈکشنری کے پانچ درمیانی، چار مختصر اور دو جیبی جملہ گیارہ ایڈیشن اور شائع کیے گئے ۔ ان کی مانگ بھی بازار میں بڑھ رہی تھی اور ہم سے ان کی اشاعت کا تقاضا کیا جارہا تھا ۔ اس طرح پاکستان میں انجمن کے قیام سے اب تک ہم نے انگریزی ۔ اردو ڈکشنری کے نو مختلف ایڈیشن نکالے اور وہ ہزاروں کی تعداد

میں شائع ہوئے ۔ ان سے فارغ ہونے کے بعد اب کہیں جاکر موجودہ اردو ۔ ڈکشنری کی اشاعت کی نوبت آسکی ہے ۔

اس ڈکشنری کے کارڈ دہلی میں بابائے اردو کی نگرانی میں چودھری رحم علی الہاشمی نے تیار کیے تھے اور ۱۹۴۷ء میں انجمن ترقی اردو کی دہلی میں بربادی کے بعد مشکل ترین حالات میں بابائے اردو انجمن کے زیر ترتیب کتابوں کے جو چند مسودے خوش قسمتی سے بچا کر لاسکے ان میں کارڈوں کی شکل میں اس ڈکشنری کے پلندے بھی شامل تھے ۔ ان پر لاہور میں ۱۹۵۲ء میں سید ہاشمی فرید آبادی نے نظرثانی کی تھی ۔

مگر یہ ڈکشنری بہت مختصر تھی، مسودہ کے ساتھ کوئی تحریر نہ تھی جس سے اس کے ہدف کا اندازہ ہوتا اسے شاید مبتدیوں کے لیے تیار کرنا مقصود تھا ۔ اوسط درجے اور زیادہ کارآمد بنانے یعنی کم از کم گریجویٹ سطح کے طلبا کے کام میں لانے کی غرض سے اس میں الفاظ، محاورات و امثال اور دیگر مشتقات کے اعتبار سے خاطر خواہ اضافوں کی ضرورت تھی ۔ اس کے علاوہ تیس پینتیس سال کا عرصہ گزر جانے کے باعث بھی بعض مقامات پر ترمیمات ناگزیر ہوگئی تھیں ۔ چناں چہ بنیادی مسودے پر نظرثانی کے سلسلے میں اضافہ و ترمیم کے بعد اب کتاب کی ضخامت تقریباً دوگنی ہوگئی ہے ۔ اندازہ ہے کہ بنیادی مسودے میں گیارہ ہزار سے کچھ اوپر الفاظ تھے ۔ اور اب تیار شدہ کتاب میں ساڑھے بیس ہزار سے زائد الفاظ ہیں ۔

ڈکشنریاں عموماً چوڑی تقطیع اور مہین کاغذ پر اور باریک ٹائپ میں چھاپی جاتی ہیں تاکہ ان میں زیادہ سے زیادہ الفاظ جمع ہوجائیں اور کتاب کی

جلد ہلکی رہے ـ مگر ہمارے پیش نظر استفادے کے لحاظ سے ایک مقررہ معیار تھا جو اوپر بیان کیا گیا ـ اس کے علاوہ ہم اس ڈکشنری کا ایک جیبی ایڈیشن بھی شائع کرنا چاہتے ہیں تاکہ علماء و فضلا نیز علمی اداروں کے ساتھ ساتھ عام طلباء کے طبقے میں بھی کتاب کی زیادہ سے زیادہ کھپت اور مقبولیت ہوسکے ـ چناں چہ جہاں اس نسبتاً کمتر سائز کی ڈکشنری میں دبیز کاغذ اور موٹا ٹائپ استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کا ایک جیبی ایڈیشن بھی تیار ہو رہا ہے جو مہین مگر مضبوط کاغذ پر اور باریک ٹائپ میں ہوگا ـ الفاظ کی تعداد دونوں میں برابر ہوگی ـ انشا اللّٰہ ـ

بنیادی مسوّدہ کی نظرثانی کے سلسلے میں اگرچہ کچھ کام ہماری عرض داشت پر بعض دوسرے اہل علم نے بھی انجام دیا جو بابائے اردو اور انجمن کے عقیدت مند ہیں ـ مثلاً ڈاکٹر ریاض الحسن، جناب رفیق خاور اور جناب فضل احمد صدیقی لیکن انجمن کی انگریزی ـ اردو ڈکشنری کے مختلف شائع شدہ نسخوں کی طرح اس ڈکشنری پر نظرثانی، اضافہ، ترمیم، تشریح، نیز مفاہیم، مطالب اور تلفظ الفاظ کی نشان دہی کے کام کا بار راقم الحروف کے ناچیز مشوروں کے ساتھ زیادہ تر جناب جلیل قدوائی پر رہا ـ جیسا کہ اس سے پہلے ہم اپنی ڈکشنری کے بعض نسخوں کے دیباچوں میں عرض کرچکے ہیں، قدوائی صاحب کو تصنیف و تالیف و تعلیم کے میدان میں ان کے پچاس سال سے زائد عرصے کے تجربے، خصوصاً پاکستان کے قیام سے پہلے اور اس کے بعد مرکزی حکومت کے شعبہ جات اطلاعات و مطبوعات میں ہمہ موضوعاتی تراجم نیز ان پر نظرثانی کے کام سے طولانی واقفیت کی بنا پر انجمن کی ڈکشنریوں پر نظرثانی کے

لیے موزوں ترین سمجھا گیا ۔ انھوں نے بابائے اردو، انجمن اور موجودہ صدر انجمن جناب اختر حسین صاحب سے اپنی قدیم نیازمندی اور تعلقات کے پیش نظر سارا کام نہایت تن دہی و جاں فشانی اور بے اندازہ دل چسپی کے ساتھ انجام دیا ۔ یعنی ایڈیٹنگ کے ذمہ دارانہ اور اہم ترین کام کے علاوہ مسودہ اور مبیضہ کی تیاری، گیلیوں کی تصحیح، پروف ریڈنگ اور کتاب کی طباعت اور ظاہری شکل و صورت غرض کہ جملہ مراحل کی ذمہ داری تمام تر انھیں کی رہی بعد میں کچھ کام موجودہ شریک معتمد جناب پروفیسر شہیر علی کاظمی نے دیکھا ہے بہرحال اس میں راقم الحروف کا حصّہ نہ ہونے کے برابر ہے ۔

اپنے فنی کام کے سلسلے میں انجمن نے ملک میں بعض رائج الوقت اردو ۔ انگریزی ڈکشنریوں کے علاوہ پلاٹس اور فیلن کی مشہور زمانہ ڈکشنریوں سے بھی استفادہ کیا ہے اور جہاں تک صرف اردو لغات کا تعلق ہے فرہنگ آصفیہ اور نور اللغات کو ہر ہر مرحلے پر پیش نظر رکھا ۔ مگر جیسا کہ اہل نظر جانتے ہیں ان میں سے کوئی لغت بھی متعدد اقسام کے اغلاط سے بالکل پاک نہ نکلی ۔ یہ اور بات ہے کسی میں کم اغلاط ہیں کسی میں زیادہ مگر کسی کو بھی بہ ہمہ وجوہ بے عیب قرار نہیں دیا جاسکتا ۔ شاید اس قسم کے کاموں میں باوجود ہزار حزم و احتیاط کچھ نہ کچھ اغلاط ناگزیر ہوجاتی ہیں ۔

مندرجہ بالا صورت حال کے علاوہ ہمیں اس امر کے اعتراف میں بالکل باک نہیں کہ کسی فنی، علمی کتاب کی تیاری کی عملاً صرف ایک بزرگ پر ذمہ داری ڈال دینے کے جہاں کئی فوائد ہوتے ہیں وہاں اس طریق کار کے سبب کتاب میں متعدد نقائص اور کمزوریاں بھی

پیدا ہوسکتی ہیں ۔ ہمیں ان کا علم اور احساس ہے اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ اس ڈکشنری کی پہلی اشاعت ہے اور لازمی ہے کہ اس میں بہت سے اور عیوب ہوں گے جو ہماری نظر سے رہ گئے ہوں ۔ چناں چہ ہم اپنے ناظرین سے درخواست کرتے ہیں کہ جہاں جہاں انھیں اسقام نظر آئیں ان سے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں ان کی تصحیح کردی جائے ۔ ظاہر ہے کہ آیندہ ہم خود انشاءاللہ ان کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے یعنی ڈکشنری کا متن ان اغلاط سے پاک ہوگا ۔

اب ہم الفاظ کی ترتیب ، تشریح اور اندراجات کی دیگر خصوصیّات کے بارے میں بعض اہم اشارات درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین اس ڈکشنری کو زیادہ سے زیادہ سہولت اور افادے کے ساتھ کام میں لاسکیں ۔

۱۔ یہ تو ظاہر ہے کہ الفاظ کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق رکھی گئی ہے مگر ہر بنیادی لفظ کے فوراً بعد چھوٹے بریکٹوں میں انگریزی کے بڑے حرف کے ذریعے اس زبان کی نشان دہی کی گئی ہے جس سے وہ لفظ اردو زبان میں آیا ۔

۲۔ اس کے بعد اطالوی حروف میں متعلقہ لفظ درج کیا گیا ہے اور اگرچہ بعض الفاظ کے سلسلے میں اصل زبان کا تلفظ بھی دیا گیا ہے تاہم چوں کہ ڈکشنری اردو الفاظ کی ہے عموماً تلفظ وہ رکھا گیا ہے جو اردو زبان میں مستعمل ہے ۔ اس معاملے میں عام طور پر بابائے اردو کے اس مقررہ اصول کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اصل زبان میں تلفّظ کچھ بھی ہو جب ایک لفظ اردو زبان میں آگیا تو وہ ہماری زبان کا ہوگیا ، اور ہمارے ہاں جو تلفظ اختیار کیا گیا وہی اس کا مستند تلفظ

قرار پائے گا ۔

۳۔ تلفظ کے بعد اطالوی حروف ہی میں اجزائے کلام کے لحاظ سے اس لفظ کی قسم یا اقسام (اسم ، صفت ، فعل ، حرف ، وغیرہ) ظاہر کی گئی ہیں ۔

۴۔ پھر لفظ کے معنی و مفہوم لکھے گئے ہیں اور اس سلسلے میں جہاں ضرورت ہوئی اصلی معنی کے ساتھ مجازی یا اصطلاحی معنی بھی بتائے گئے ہیں ۔ اگر کوئی لفظ اجزائے کلام کے لحاظ سے ایک سے زائد قسم کے ذیل میں آتا ہے تو دونوں اقسام ظاہر کرکے اسی ترتیب سے الگ الگ نمبر دے کر معنی لکھے گئے ہیں ۔ اگر اجزائے کلام کے لحاظ سے لفظ ایک ہی قسم کے ذیل میں آتا ہے مگر اس کے معنی ایک سے زائد نوعیت کے ہیں تو بھی جہاں تک ہوسکا معنی الگ الگ نمبر دے کر لکھے گئے ہیں تاکہ فرق آسانی سے نظر آجائے ۔

۵۔ اگر کوئی لفظ دو طرح سے بولا یا لکھا جاتا ہے یا کسی لفظ سے کوئی مشتق جملہ یا محاورہ ایک سے زائد طریقے پر مروج ہے تو اول زیادہ مروج صورت درج کی گئی ہے اور دوسری صورت یا صورتیں بعد میں لکھی گئی ہیں ۔ اگر دوسری صورت یا صورتوں میں متعلقہ لفظ یا اس کا کوئی حصّہ ابتدا میں مشترک ہے تو پہلی صورت پوری کی پوری اور دوسری صورت مشترک حصّے کو چھوڑ کر اور زیادہ مروج صورت کے بعد ایک الٹا کوما لگا کر درج کردی گئی ہے ۔

۶۔ بنیادی لفظ کے معنی و تشریح کے بعد جہاں ضروری سمجھا گیا اس لفظ کے مرکبات ، مشتقات ، محاورات ، ضرب الامثال وغیرہ لکھے گئے ہیں ۔ ایسی صورت میں ذیلی مندرجات بنیادی لفظ کے

اندراج سے داہنے ہاتھ کی طرف قدرے ہٹاکر لکھے گئے ہیں ۔ اس کے علاوہ بنیادی لفظ کا ٹائپ جلی اور اس کے مشتقات و مرکبات کا خفی رکھا گیا ہے تاکہ ہر دو کا امتیاز پہلی نظر میں نمایاں ہو جائے ۔

۷۔ بنیادی لفظ کی تشریح کے خاتمے پر بشرط ضرورت کچھ اضافی معلومات بھی دے گئی ہیں ۔ مثلاً اسم یا صفت کے خاتمے پر اس کی ضد بھی کہیں کہیں اس کے ترجمے کے ساتھ چھوٹے بریکٹوں میں درج کر دی گئی ہے یا مذکر لفظ کے خاتمے پر چھوٹے بریکٹوں میں اس کا مونث لفظ بھی دے دیا گیا ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی لفظ نیا ہے یا اس کے معنی جدید ہیں تو چھوٹے بریکٹوں میں اس خصوصیت کی نشان دہی کر دی گئی ہے یا کہیں جمع لفظ کا مفرد دے دیا گیا ہے اور مفرد کی جمع لکھ دی گئی ہے ۔ کہیں بنیادی لفظ یا مشتق کے بشرط ضرورت پہلے ٹھیٹ لفظی معنی دیے گئے ہیں جن کی طرف چھوٹے بریکٹوں میں اشارہ کر دیا گیا ہے بعد میں مستعمل معنی دیے ہیں ۔

۸۔ مندرجہ بالا امور یا ان کی نشان دہی کے سلسلے میں بہت سے اختصارات استعمال کرنے پڑے یا تلفظ ظاہر کرنے کے لیے حروف علت اور حروف تہجی وغیرہ کو انگریزی حروف سے ہم آہنگ کیا گیا ۔ اس دیباچہ کے آخر میں اس سلسلے میں ایک فہرست اور دو نقشے معہ یک مختصر نوٹ کے شامل کیے گئے ہیں ۔ انھیں ملاحظہ کر لیا جائے ۔

ان امور کی تشریحات سے مطلب یہ ہے کہ ناظرین کو یہ ڈکشنری استعمال کرنے میں نہ صرف آسانی ہو

بلکہ الفاظ کی مقررہ تعداد کے اندر زیادہ سے زیادہ لغوی معلومات بھی حاصل ہوسکیں ۔ اسی طرح کی اور بہت سی تفصیلات ڈکشنری استعمال کرنے کے بعد ہی معلوم ہوں گی ۔

ذیل میں ہم اس ڈکشنری کے صفحات سے چندمثالیں درج کرتے ہیں جن سے اوپر درج کیے ہوئے اشارات کی کماحقہ وضاحت ہوجائے گی :۔

آباد (P)ābād.adj.:Inhabited;populated; prosperous;flourishing. (opp.of ویران wīrān).

آبادکار ābādkār, n. m.:(Mod A settler on waste land; a cultivator;a colonist.

آزمائش میں ٹھہرنا، پورا اترنا āzmāish main thaharnā; purā utarnā, v.:To stand the test; to prove equal to the task;to prove one's mettle in difficult circumstances.

آنکھوں کا نور ānkhon ka nūr,id.:(lit) Light of the eyes:eyesight;(fig.) a son; progeny;near and dear one.

آسانی (P) āsāni,n.f:.Facility(opp. of دشواری dushwāri difficulty.)

اب وجد ab-o-jad,n.m.;Father and grand-father;ancestors.(pl. آباواجداد aba-o-ajdad.)

ادیان (A)adyān,n.m.pl.:Creeds;faiths: religions.(s. دین din.)

استقبالیہ istiqbalia, n.m.: (Mod) Reception.

باج گذار bājguzār, n.m.&adj.: (1) Tax Payer. (2) Feudatory or dependent.

بساند ، بساہند (H) bisānd, bisāhind, n.f.: (1) Stench; stink; bad smell; fishy smell; smell of meat. (2) Coarseness; vulgarity.

حاجی (A) hāji, n.m.: One who has performed pilgrimage to Mecca. (fem. حجّن hajjan.)

خاتمہ کلام پر ہم وہ فہرست اور نقشے نوٹ کے ساتھ پیش کرتے ہیں جن کا تذکرہ اس دیباچے میں الفاظ کی ترتیب ، تشریح اور دیگر خصوصیات کے بیان کے سلسلے میں پیراگراف نمبر ۸ میں کیا گیا ہے ۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم ایک اہم فرض سے اپنی بساط بھر عہدہ برآ ہوئے ۔ اگر اللہ نے چاہا تو آیندہ اس سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا جائے گا۔ امید ہے کہ طلبا کے علاوہ بے شمار دوسرے اہل ذوق اور ضرورت مند ہماری کاوش سے فائدہ اٹھائیں گے ۔

N.B The consonant ع is represented in English (as in Table II) by an inverted comma (ʻ) thus: عالم ʻālim, تعلیم taʻlīm; symbol ء by an apostrophe, e.g. قائد qā'id: the imperceptible ہ (h in Table II), at the end of a word, is shown in small brackets thus: پردہ parda(h); and the nasal sound of letter ن (n in Table II) is indicated as ń e.g. دہاں dahāń.

نوٹ۔ انگریزی میں حرف ع (دیکھیے نقشہ ۲) ایک واو معکوس (ʻ) سے ظاہر کیا گیا ہے مثلاً عالم ʻālim ، تعلیم taʻlīm, ء (ہمزہ) علامت حذف سے ظاہر کی گئی ہے مثلاً قائد qā'id؛ لفظ کے آخر میں آنے والی محذوف ہ (نقشہ نمبر ۲ میں h) چھوٹے بریکٹوں میں دکھائی گئی ہے مثلاً پردہ parda (h)؛ اور ن (نقشہ نمبر ۲ n) کے غنہ ہونے کی صورت میں ń استعمال کیا گیا ہے جیسے دہاں dahāń -

PRONUNCIATION AIDS ____ اشارات برائے تلفّظ

TABLE I — نقشہ نمبر ۱

Showing correspondence of vowels in Urdu(Hindi) and English.

اردو (ہندی) اور انگریزی کے حروف علت

Vowels		Initial		Non-initial	
Urdu	English	Urdu	English	Urdu	English
اَ	a	اَب	ab	بد	bad
اِ	i	اِس	is	دن	din
اُ	u	اُس	us	بت	but
آ	ā	آس	ās	بات	bāt
او	o	اوک	ok	سو	so
اُو	ū	اُود	ūd	تو	tū
اَو	au	اور	aur	نو	nau
ای	ī	ایکھ	īkh	سی	sī
اے	e	ایک	ek	بے	be
اَے	ai	ایسا	aisā	ہے	hai

TABLE II — نقشہ نمبر ۲

Showing agreement of consonants, Urdu(Hindi) and English.

اردو (ہندی) اور انگریزی کے ہم آہنگ حروف

Urdu	English	Urdu	English	Urdu	English
ب	b	د	d	ع	'
بھ	bh	دھ	dh	غ	gh
پ	p	ڈ	ḍ	ف	f
پھ	ph	ڈھ	ḍh	ق	q
ت	t	ذ	z	ک	k
تھ	th	ر	r	کھ	kh

ٹ	ṭ	ڑ	ṛ	گ	g
ٹھ	ṭh	ڑھ	ṛh	گھ	gh
ث	s̲	ز	z	ل	l
ج	j	ژ	z̲h̲	م	m
جھ	jh	س	s	ن	n
چ	ch	ش	sh	و	w
چھ	chh	ص	ṣ	ہ	h
ح	ḥ	ض	ẓ	ی	y
خ	k̲h̲	ط	t̤	ے	y
		ظ	z̤		

ABBREVIATIONS USED IN THE DICTIONARY

اختصارات جو اس ڈکشنری میں استعمال ہوئے ہیں

A	=	Arabic.
abbr.	=	abbreviation.
adj.	=	adjective.
adv.	=	adverb.
ant.	=	antique.
Arith	=	Arithmetic.
chem.	=	chemistry.
coll.	=	colloquial.
comp.	=	compounds, composition.
conj.	=	conjunction.
Contr.	=	Contraction.
Cor.	=	Corruption.
dimin.	=	diminutive.
E	=	English.
esp.	=	especial(ly).
fig.	=	figurative.
geom.	=	geometry.
G R	=	Greek.
gram.	=	grammar.
H	=	Hindi.
id.	=	idiom.
Imp.	=	Imperative.
intj.	=	interjection.
Ir.	=	Ironical(ly).
leg.	=	legal(ly).
lit.	=	literal(ly).

Math. = Mathematics.
Mod. = Modern.
n.f. = noun feminine.
n.m. = noun masculine.
n.p. = noun proper.
opp. = opposite.
P = Persian.
part. = participle, participial.
P B = Punjabi,Punjab.
phr. = phrase.
pl. = plural.
poet. = poetry.
P R = Portugese.
pref. = prefix.
prep. = preposition.
pron. = pronoun.
prov. = proverb.
P U = Pushto.
S = Sanskrit.
s. = singular.
S D = Sindhi.
sl. = slang.
suf. = suffix.
sup. = superlative.
T = Turkish.
U = Urdu.
v. = verb.
voc. = vocative.
vulg. = vulgar.
W = Women.

1977

مخطوطات انجمن ترقی اردو

(جلد پنجم)

مرتبہ

افسر صدیقی امروہوی

پہلا ایڈیشن

یہ ہماری ایک خصوصی سلسلۂ اشاعت کی ایک اہم منزل ہے اور فوراً ہی اعتراف کرلیا جائے کہ بابائے اردو کے بعد اگر ہمیں جناب افسرؔ صدیقی امروہوی جیسے محنتی فاضل بزرگ کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو ہم یہ سلسلہ شروع کرنے میں لاانتہا دشواریوں اور بڑے اخراجات کا شکار ہوتے ۔ افسر صاحب فنافی الاردو ہیں ۔ ان کے لیے معاوضہ ان کے شوق کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا ۔ اس بات پر ابتداء ہی میں اس لیے زور دینا پڑا کہ چند برس سے علمی تحقیق و تدوین بھی جلب منفعت کے علاوہ دوسری علمی، ادبی و اخلاقی اقدار سے آزاد ہوتی نظر آ رہی ہے ۔

مخطوطات اپنی جگہ ایک تاریخ اور تماشا ہوتے ہیں جن میں مختلف ادوار کے سوچنے اور لکھنے والوں کے ذہنی سفر اور زبان کے بدلتے ہوئے مناظر نظر آتے ہیں ۔

انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص میں اردو ادبی نظم و نثر کے مخطوطات ۸۰۰ (آٹھ سو) ہیں ۔ اس کثیر تعداد کی تشریح ایک جلد میں نامناسب و ناممکن سمجھی گئی چناں چہ اسے تین حصّوں میں تقسیم کردیا گیا ۔ پہلا حصّہ جس میں ۲۲۸ مخطوطات کی تشریح کی گئی ہے پچھلے دنوں مخطوطات انجمن کی جلد چہارم کے نام سے شائع ہوچکا ہے ۔ دوسرا حصّہ جس میں ۲۲۲ مخطوطات کی ضروری تفصیلات درج ہیں اس وقت پیش خدمت ہے ۔ یہ پانچویں جلد ہے۔ بقیہ مخطوطات انشا اللہ تعالی چھٹی جلد میں شائع کیے جائیں گے جو زیر کتابت

ہے اور مستقل قریب میں شائع ہوجائے گی۔ خلاصہ یہ ہے
کہ اس کے بعد مخطوطات انجمن کی صرف دو جلدیں اور رہ
جاتی ہیں ان میں سے ایک میں مجموعے ہوں گے اور دوسری
میں بیاضوں کی تفصیل درج کی جائے گی ۔

اکثر تشریح نگاروں کا یہ طریقہ ہے کہ بیاض
میں ان شعراء کے نام گنا دیتے ہیں جن کا کلام اس
بیاض میں ہوتا ہے، لیکن انجمن کی تشریح بیاضات ایک
اور طریقہ پر کی گئی ہے ۔ اس میں التزام یہ ہے کہ
صفحہ بہ صفحہ ہر بیاض کے اندراجات بتائے گئے ہیں
جن کے ساتھ مصنفین کا نام بھی ہے اور صفحات کا نمبر
بھی ۔

اس طرح بیاضات کی تفصیل دیکھنے والوں کو یہ
بات معلوم کرنے میں آسانی ہوگی کہ بیاض میں کس
کس مصنف کا کیا کیا اور کتنا کلام ہے ۔ اس طرح بیاض
کا مطالعہ کرنے والوں کا بہت سا وقت جو انہیں
مطلوبہ مواد کی تلاش کے لیے بیاض کی ورق گردانی میں
خرچ کرنا پڑتا، بچ سکے گا ۔

ان دونوں جلدوں کی ترتیب کا بہت سا کام ہوچکا
ہے ۔ جو باقی رہ گیا ہے وہ بھی انشاءاللہ سال رواں
کے آخر تک پورا ہوجائے گا ۔ ان دونوں جلدوں کے شائع
ہونے کے بعد انجمن کے اردو مخطوطات کی تشریح کا کام
مکمل ہوجائے گا اور اہل ذوق و ارباب تحقیق گھر
بیٹھے ان اردو مخطوطات کی توضیحات سے واقف ہوسکیں
گے جو انجمن کے قدیم، تاریخی اور نادر کتب خانہ
میں تھیں اور اب پاکستان قومی عجائب گھر کراچی میں
محفوظ ہیں ۔

یوں تو ہر مخطوطے کی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی
اہمیت ہوتی ہے مگر اس جلد کے مخطوطات اردو کچھ
زیادہ اہمیت کے حامل ہیں ۔ اہل نظر کے علم میں

اب تک یہ بات آچکی ہوگی کہ اردو میں سب سے پہلی مثنوی "کدم راوٗ پدم راوٗ" نویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں تصنیف ہوئی تھی جسے بابائے اردو نے دریافت کیا، ڈاکٹر جمیل جالبی نے جناب افسر امروہوی کے تعاون سے مرتب کیا۔ اور انجمن نے شائع کردیا ہے (سال اشاعت ۱۹۷۳ء ہے)۔ اس مثنوی کے تقریباً ستر پچھتر سال بعد (دسویں صدی ہجری کے آغاز میں) مثنوی "نوسرہار" تصنیف ہوئی ۔ یہ مثنوی ۹۰۹ھ میں لکھی گئی جس میں واقعات کربلا نظم کیے گئے ہیں ۔ اس کے مصنف شاہ اشرف بیابانی متوفی ۹۳۵ھ ہیں اور اسے ہماری انجمن کے قدیم اورمحترم کارکن اور فاضل سرپرست جناب افسر صدیقی امروہوی مرتب کرچکے ہیں ۔ جو اللہ نے چاہا تو اسی سال طبع ہوجائے گی ۔ اسی صدی کی ایک اور مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے ہے جو احمد گجراتی نے ۹۹۸ھ سے قبل مرتب کی ۔ ان دونوں مخطوطوں کی تشریح زیر نظر جلد میں موجود ہے ۔ گیارہویں صدی میں تصنیف ہونے والی مثنویوں میں قطب مشتری ۱۰۱۸ھ، لیلی مجنوں ۱۰۲۰ھ، مینا ستونتی ۱۰۵۰ھ، گلشن عشق ۱۰۶۸ھ اور مثنوی شہباز و منوہر ۱۰۸۸ھ ہیں ۔ ان کے مخطوطات کا تفصیلی بیان اسی جلد میں ہے ۔ بارہویں صدی میں سنگھاسن بتیسی ۱۱۰۹ھ من سبد ۱۱۲۷ھ، فیض عام ۱۱۲۲ھ، مخزن عشق ۱۱۳۵ھ، عاشورمالا و لدّھا درویش ۱۱۵۰ھ، لعل و گوہر ۱۱۶۵ھ، قصۂ فیروزشاہ ۱۱۷۲ھ، درمعنوی ۱۱۷۵ھ، طالب و موہنی قبل از ۱۱۸۲ھ اور مثنوی میر حسن ۱۱۹۹ھ کے مخطوطات کی تشریح بھی آپ اس جلد میں پڑھ سکیں گے۔ اسی طرح ان کثیر تصانیف کا علم بھی آپ کو اس جلد سے ہوسکے گا جو تیرہویں صدی میں لکھی گئیں ۔ ظاہر ہے کہ زبان کی تحقیق کرنے والوں، اردو کی مختلف ارتقائی

منزلوں اور ان کے آثار و شواہد پر کام کرنے والوں کے لیے مسلسل و مربوط مواد اس ایک جلد میں موجود ہے ۔ اتنی معلومات کا یکجا دستیاب ہونا کوئی معمولی بات نہیں ۔ ہمیں یقین ہے کہ محقق حضرات کے حلقے میں اس جلد کی خاص پذیرائی ہوگی ۔

آج کل اردو طباعت کا مسئلہ بڑی مشکلات کا باعث ہے ۔ کاغذ کی گرانی اور چھپائی کے حوصلہ فرسا مصارف سے قطع نظر کتابت کی دشواریاں بھی آڑے آرہی ہیں ۔ خوش نویسی کا فن اٹھتا جاتا ہے ۔ آج کل نوجوان طبقہ اس فن کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور جو تھوڑے بہت خوش نویسی سیکھ کر اس میدان میں قدم رکھتے ہیں، ان میں ایسے کم ہوتے ہیں جو فارسی و عربی کی ضروریات سے واقف اور ان کے پابند ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام تر احتیاط و کوشش کے باوجود غلطیاں باقی رہ جاتی ہیں ۔ یہ صورت حال زیر نظر کتاب کے سلسلے میں بھی دیکھنے میں آ رہی ہے معذرت کے ساتھ پڑھنے والوں کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک "غلط نامہ" شامل کردیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی غلطی نہ چھوٹے ۔ قارئین مطالعہ سے قبل اس غلط نامہ کے مطابق متن میں تصحیح کرلیں تو بہتر ہوگا اور کسی غلطی کی نشان دہی نہ کی جاسکی ہو تو اسے بشریت کا تقاضا تصور کرکے نظر انداز کردیں ۔

ہمارے فرائض تو کافی ہیں لیکن ہماری مجبوریاں ان سے کہیں زیادہ اور وسائل کہیں کم ہیں ۔ کاش ! اردو سے قومی اور سرکاری عدم توجہی کی آزمائش جلد ختم ہو ۔ بہتر وسائل میسّر ہوں اور جب ہم سبکدوش ہوں تو دوسرے کام کرنے والوں کو بہتر حالات ملیں ۔ لیکن! جب تک ایسا نہ ہو کام تو ہونا ہے خواہ وہ چند کوتاہیوں کا شکار بھی رہے ۔

۱۹۷۸ء

مصطلحات علوم و فنون عربیہ

از

محی الدّین غازی اجمیری

پہلا ایڈیشن

یہ کتاب غالباً اردو زبان میں اپنی وضع کی پہلی کتاب ہے ۔ ہمیں توقع تھی کہ ہم مخدومی پروفیسر مولانا منتخب الحق خیرآبادی سے اس کتاب اور صاحب کتاب مرحوم و مغفور کے متعلق مقدمے کے بہانے ایک سیرحاصل مقالہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گےاور ہم پورے دو برس مولانا موصوف کے پیچھے پڑے ۔ مرتب یا مصنف مرحوم و مغفور کی آرزو بھی یہی تھی کہ ان کی کاوش پر مولانا منتخب الحق خیرآبادی کی مکمل تصدیق نہیں تو ایک سیرحاصل گفتگو ضرور ریکارڈ. پر آجائے ، مرحوم مولانا موصوف سے عمر میں خاصے بڑے ہونے کے باوجود مولانا کے علم و فضل اور خاندانی مرتبے سے بہت متاثر تھے ۔ خود کو مکتب خیرآباد کا خوشہ چیں کہتے تھے اور راقم الحروف کے علم میں ہے کہ جب وہ ان اصطلاحات پر کام کر رہے تھے تو سخت گرمی اور ٹرانسپورٹ کی بے شمار مشکلات کے باوجود دوڑ دوڑ کر مولانا کے پاس جاتے تھے ۔

ہم نے یہ مسودہ دو برس سے زیادہ اس امید پر روکے رکھا کہ مولانا صاحب اس پر تفصیلاً لکھیں گے لیکن اولاً جامعہ کراچی میں ان کی تدریسی مصروفیات اور بعد میں ریٹائرمنٹ ، نقل مکانی اور دوسری مجبوریوں کے سبب یا تو وہ اس پر ایسی توجہ نہ دے سکے جیسی ہماری اور مرتب مرحوم کی آرزو تھی یا انھوں نے ہمارے مسلسل اصرار کے باوجود کتاب کے متن پر مطلوبہ اظہار رائے پسند نہ فرمایا ۔ بہرحال ہم ان کے ممنون ہیں کہ انھوں نے مرتب مرحوم کا تعارف

لکھا اور ان کی عمومی توصیف بھی فرمائی ۔ ایک لحاظ سے یہ بھی مرتّب مرحوم کے لیے اور ہمارے لیے سند ہے کیوں کہ اہل علم کی رائے میں جنوبی ایشیا میں اس موضوع پر مولانا منتخب الحق خیرآبادی سے زیادہ جاننے والے علماء نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں ۔

غازی محی الدین اجمیری مرحوم کا تعارف خود حضرت مولانا منتخب الحق خیرآبادی نے اگلے صفحات پر کردیا ہے ۔ راقم الحروف کو ان کے فضائل دہرانے کی ضرورت نہیں ۔ ہاں یہ مرحوم کے ساتھ ناانصافی ہوگی اگر اس عدیم المثال کتاب کے بارے میں ان کے ذوق و شوق اور محنت کا ذکر نہ کیا جائے ۔

انجمن سے ان کا تعارف جناب ممتازحسن مرحوم نے کرایا تھا ۔ ممتاز حسن صاحب میں بہت سی عجیب و غریب خوبیوں کے علاوہ ایک خصوصیت یہ تھی کہ علم کے ہر گوشے سے گہری دل چسپی رکھتے تھے اور اپنی ان گنت مصروفیتوں کے باوجود نہ صرف اسے خود حاصل کرنا چاہتے تھے، بلکہ پوری پوری کوشش کرتے کہ وہ کسی نہ کسی ذریعے سے عام بھی ہوجائے ۔ وہ بڑے اور نہایت مصروف رکھنےوالےسرکاری عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود علم و فن کے لیے وقت نکالتے،اہل علم کو تلاش کرتے اور جہاں پاتے کسی نہ کسی طرح ان سے استفادہ عام کی صورتیں پیدا کرتے ۔

راقم الحروف کو یاد نہیں کہ ممتاز حسن مرحوم غازی محی الدین اجمیری صاحب مرحوم و مغفور سے کہاں ملے ۔ اتنا یاد ہے کہ ایک دن انہیں انجمن میں تقریباً پابجولاں لائے اور فرمایا حضرت اس سے پیشتر کہ یہ چل دیں جو کچھ ان کے پاس ہے ان سے اگلوا لیجیے ۔

غازی صاحب سے راقم الحروف کا واسطہ کئی سال

رہا ـ انھوں نے اس منصوبے پر کام شروع کردیا تھا ـ
اور انجمن اپنے وسائل کی محدودات کے باوجود انھیں
کافی آسانیاں بہم پہنچاتی تھی، لیکن وہ مسلسل
شاکی رہتے تھے ـ یہ منصوبہ وہ واقعی بڑی سنجیدگی
سے پورا کرنا چاہتے تھے ـ وہ خود بہت کچھ جانتے
تھے لیکن اپنی ہر بات پر علمائے قدیم وجدید کا کام
دیکھنا چاہتے تھے ـ ان کی مطلوبہ کتابیں جس حد تک
ممکن ہوا انھیں دکھائی گئیں ـ انھیں لاہور جاکر قیام
کرنے کی سہولت بہم پہنچائی گئی ـ انھیں حسب طلب
ایک معاون بھی انجمن کے خرچ پر دیا گیا ـ وہ سب
کچھ کیا گیا جو ممکن تھا مگر سچ یہ ہے کہ ہماری
مصطلحات علمیہ پر کئی مکاتیب فکر رہے ہیں اور اب
بھی ہیں ـ سب کا احاطہ ان کے لیے ناممکن تھا ـ
محدود وسائل میں کام کرنے والوں کے لیے شاید اب
بھی آسان نہ ہو ـ

ان حالات میں انجمن غازی صاحب مرحوم کی لیاقت
اور محنت کو صدق دل سے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے
بھی یہ بات ریکارڈ پر لانا ضروری سمجھتی ہے کہ
مصطلحات مندرجہ کے تمام معانی و مفاہیم کی ذمہ داری
غازی صاحب مرحوم ومغفور پر ہے ـ اگر کسی لفظ کی
اصطلاح کے بیان کردہ مطالب میں کسی مکتب فکر کو
اختلاف ہے تو وہ سر آنکھوں پر لیکن واضح رہے کہ اس
سلسلے میں انجمن کو صرف ایک ناشر تصوّر کیا جائے ـ

یوں راقم الحروف نے ترتیب کتاب کے زمانے میں
بھی پوچھ گچھ کی تھی اور اب تک جیڈ سے جیڈ ذی علم
سے استفادہ کرکے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ غازی
صاحب مرحوم کے بیان کردہ مطالب میں کوئی بنیادی
یا کسی مکتب فکر کے لیے دل آزاری کا کوئی مضمون
نہیں، بیشتر بلکہ تمام تر مفاہیم غیر اختلافی ہیں ـ

اردو زبان میں ایسی کتاب کی ضرورت جیسی آج ہے کبھی پہلے نہ تھی ۔ آج ایسے لوگ آہستہ آہستہ ختم ہوتے جاتے ہیں جو اپنی ابتدائی مذہبی تعلیم اور عربی فارسی سے لازمی واقفیت کے سبب بہت سی مصطلحات علمیہ سے واقف تھے ۔ آج کیفیت یہ ہے کہ ایک طرف تو ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے،دوسری طرف ادھیڑ عمر کے لوگ بھی بھولتے جاتے ہیں تیسری طرف نئی نسل ہے جو صرف تھوڑی بہت انگریزی جانتی ہے اور اس کے ذریعے بھی ان مفاہیم اور مطالب تک اس کی دسترس نہیں جو نہ صرف مذہبی اور ثقافتی تقریر و تحریر بلکہ فکری مشقوں کے لیے بھی ناگزیر ہیں ۔

ساتھ ہی ایک نیا سلسلہ ابھر رہا ہے ۔ بہت سے لوگ جو کلاسیکی علم کے احیا پر (بجا) زور دیتے ہیں اور اس باب میں مخلصانہ ذوق و شوق سے کام لیتے ہیں اکثر مصطلحات علمیہ کو بالکل غلط معنے میں استعمال کرتے ہیں ۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو وحدت الوجود وحدت الشہود جیسی عام اور مشہور مصطلحات کا بیّن فرق معلوم نہیں ۔ ان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ایک ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اسی طرح بہت سے طالب علموں کے لیے یہ کتاب ایک ایسا ذخیرہ علم ہے جو صحیح علمی بول چال اور سوچ بچار کے لیے انتہائی مفید ہے ۔

اور عام قاری کے لیے بھی یہ امر باعث فخر ہونا چاہیے کہ اب اردو زبان میں ان الفاظ اور مصطلحات کی ایک ایسی خاصی مبسوط شرح آگئی جو پہلے صرف چند فارسی اور عربی داں حلقوں تک محدود تھی۔ اس کتاب کی مدد سے ایک عام اردو قاری بھی نہ صرف اپنی عام معلومات میں اضافہ کرسکتا ہے بلکہ کسی

ہر خود غلط نا واقف لکھنے والے یا مقرر کی غلطی بھی پرکھ سکتا ہے ۔

ظاہر ہے کہ غازی صاحب مرحوم نے مصطلحات پر انسائی کلوپیڈیائی کام نہیں کیا ۔ وہ اکیلے تھے دوسری بات یہ ہے کہ نہ وہ جدید ذہن کے بزرگ تھے نہ ان کا ماخذ مغربی علوم یا سائنس تھے نہ وہ ان کی طرف جانا چاہتے تھے اس لیے قارئین کو کہیں کہیں تشنگی محسوس ہوگی ۔ مثلاً طب پر ان کی شرح بہت مختصر ہے اور بڑی حد تک قدیم نام نہاد مذہبی تصوّرات پر مبنی ہے ۔ اس باب میں ہمیں ان کے اس بیان سے تعرض نہیں کہ علم طب کسبی یا آسمانی ہے کیوں کہ تمام علوم کا (خواہ وہ مشرقی ہوں خواہ مغربی) مخزن و منبع ذات باری ہے لیکن جدید طریق بیان کے مطابق طب کی اصطلاح تھوڑی بہت سائنسی اور ارتقائی تبصرہ بھی طلب کرتی ہے ۔ بہرحال اس معاملے میں ان کے کام کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ جہاں ہم علم طب کے ارتقاء پر بہت کچھ جانتے ہیں بہت کم لوگ ان کلاسیکی مطالب سے واقف ہوں گے جو غازی صاحب مرحوم کی کاوش نے ہم تک پہنچا دیے ہیں ۔

جدید دور میں کلاسیکی علوم کی ضرورت ایک موضوع بحث ہے لیکن اتنا سب کسی اختلاف کے بغیر مانتے ہیں کہ کسی بھی موضوع پر کلاسیکی علم حاصل کیے بغیر تکمیل علم بلکہ تصنیفی کاوشوں کی طرف بڑھنا بھی بے شمار خطرات سے خالی نہیں ۔ ایک بڑا مغربی مکتب فکر تو یہاں تک کہتا ہے کہ تمام موجودہ علوم و فنون میں کوئی علم کوئی فن ایسا نہیں جس پر قدما و متوسطین نے کچھ نہ کچھ فکر و تجربہ نہ کیا ہو ۔ یہ کہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی اور پھیلتی ہوئی فکری و تجرباتی کاوشوں نے کلاسیکی کلیات و مسلّمات

میں ترمیم کردی یا ان کی مکمل تنسیخ کردی اس سے
کلاسیکی محنتوں کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آتا ۔
کوپر نکس اور گلیلیو نے ہورے دو ہزار سالہ
نظام بطلیموس کی بنیادیں ہلا کررکھ دیں مگر بطلیموس
کی کاوشوں کا مقام اسی طرح بلند ہے ۔ گویا اس کے
نظام کائنات کی تغلیط تو یقیناً مگر یہ بھی
کہا جاتا ہے کہ نظام بطلیموس نہ ہوتا تو کوپر نکس
اور گلیلیو کو نئی تجرباتی بنیادیں بھی نہ مل پاتیں
ایک مغربی مکتب فکر تو کلاسیکی علم کو فکر کے لیے
اسی طرح ضروری قرار دیتا ہے جیسے پروں کے لیے
ہوا ۔ پر خواہ کتنے ہی مضبوط اور کامل ہوں ہوا کے
بغیر وہ کام نہیں کرسکتے ۔ کلاسیکی مسافروں کے
احساسات جدید اور آنے والے فکری عازمین سفر کے لیے
عظیم سے کم تر نہیں ۔

ظاہر ہے کہ "مصطلحات علمیہ" میں سائنسی
مصطلحات کم ہیں کیوں کہ اس ترتیب میں دانستہ طور
پر زور، ان مصطلحات پر دیا گیا ہے جو کلاسیکی حیثیت
رکھتی ہیں ۔ یہ کتاب جدید سائنس کی کتاب نہیں
بنیادی طور پر کلاسیکی عربی علوم و فنون اور معقولات
و منقولات کے ضمن میں کوئی ڈھائی ہزار ایسے الفاظ
و مصطلحات کی مختصر تشریح ہے جن کا جاننا بطور خاص
اردو داں مسلمان طالب علموں، استادوں، مفکروں اور
لکھنے والوں کے لیے ضروری ہے۔ اگر اس سے قرار واقعی
استفادہ کیا جائے تو نہ صرف آج کے بہت سے سننے اور
پڑھنے والے بلکہ سوچنے والے، بولنے والے اور لکھنے
والے بھی خبط مطلب اور خلط مباحث سے بچ
جایا کریں گے ۔

اللہ تعالٰی قاضی محی الدین اجمیری مرحوم پر اپنی
رحمتیں نازل فرمائے کہ وہ اردو کو اور اردو کے

ذریعے نہ جانے کتنے لوگوں کو علم کے وہ ذخیرے دے گئے جو عربی فارسی نہ جاننے والوں کو معلوم ہی نہ تھے اور واضح رہے کہ آج کل ایسی دقت طلب ہی کیا آسان ترین تصنیفات و تالیفات کے جو سرکاری معاوضے سنے جاتے ہیں انھیں دیکھتے ہوئے ہم انھیں اتنے بڑے کام کا کوئی معاوضہ نہیں پیش کرسکے ۔ ان ڈھائی سو صفحات اور پورے دو سال، محنت کے عوض انھوں نے ہم سے پانچ ہزار روپے سے زیادہ وصول نہیں کیے تھے ۔ ان کو اصلی اجر اللہ تعالیٰ سے مل رہا ہوگا ۔ اس بات کا ذکر ہم نے دانستہ اس امر پر زور دینے کے لیے کیا ہے کہ دوسرے اہل دل کو بھی معلوم رہے ۔

جیسا کہ آپ خود غازی صاحب مرحوم کے تبصرے میں دیکھیں گے ان کا کام بڑھ رہا تھا اور بہت سے الفاظ اور مصطلحات جن پر کام ہوچکا تھا یا ہو رہا تھا ۔ اس کتاب میں شامل نہیں ۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب حریف مئے مرد افگن عشق کون ہوتا ہے ۔

۱۹۷۸ء

مآخذات

احوال شعرا و مشاہیر

(جلد اول)

مولفہ
سرفراز علی رضوی

پہلا ایڈیشن

انجمن کا کتب خانہ اس درجے کا ہے کہ اس میں موجود کتابوں اور مخطوطات کی فہرستیں کئی عنوانوں سے مرتب ہونی ضروری ہیں - ہم فہرست مخطوطات شائع کرچکے ہیں - کتابوں کی فہرست بھی موجود ہے - اب یہ نادر کتاب ترتیب دی جارہی ہے جس کے مرتب خود مہتمم اعلیٰ کتب خانہ خاص محترمی سیّد سرفراز علی رضوی ہیں - سیّد صاحب موصوف انجمن کے لیے ایک اثاثہ ہیں جن ناگفتہ بہ حالات میں جس مستقل مزاجی اور درویشی کے ساتھ انھوں نے کتب خانہ خاص کی نگرانی کی ہے وہ کہانی خاموش کارکردگی کی اعلیٰ ترین مثالوں میں شامل ہوگی -

اگلے صفحات پر سیّد صاحب کا پیش لفظ ہے - اس میں انھوں نے اس ترتیب کے بارے میں جو اصول اختیار کیے ہیں، انھیں مجملاً بیان کردیا ہے - قارئین کو اور کام کرنے والوں کو ان وضاحتوں سے جو فائدہ ہوگا وہ یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں -

ظاہر ہے کہ ماخذات کی یہ فہرست مکمل نہیں - اردو کا سرمایہ قدیم بہت بڑا بھی ہے اور ایک جلد میں اس کا احاطہ کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو ممکن نہ ہوگا - کئی ہزار صفحات ایک جلد میں کیسے سماسکتے ہیں ، چناں چہ طے یہ کیا گیا ہے کہ جیسے جیسے کام ہوتا جائے ایک کے بعد دوسری جلد کی صورت میں اشاعت ہوتی رہے - اس فیصلے میں ہمارا یہ اصول کارفرما ہے کہ علم کو چھپاکر نہ رکھا جائے - جب جس قدر عام ہوسکے، عام کردیا جائے اور اس طرح کہ

وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی دسترس میں آ جائے ، چناں چہ یہ پہلی جلد پیش خدمت ہے جو ضخیم بھی نہیں اور سستی بھی ہے ۔

اللہ تعالیٰ محترم سید سرفراز علی صاحب کو عمر و صحت دے تاکہ وہ یہ کام کامیابی کے ساتھ جاری رکھیں اور ان کی محنت اور تجربے کے فوائد جلد اور زیادہ سے زیادہ عام ہوں ۔

۱۹۷۸ء

مم

عقد ثریا

(تذکرہ فارسی گویاں)

تالیف

غلام ہمدانی مصحفی

مرتبہ

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق

پہلا ایڈیشن

مصحفی کا تذکرہ شعرائے فارسی موسومہ "عقد ثریا" ۱۹۳۴ء میں انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن) سے شائع ہوا تھا ۔ نہیں معلوم کن اسباب کی بنا پر مصنف تذکرہ کے علاوہ کسی اور کا کلام ، نمونے کے طور پر پیش نہیں کیا گیا تھا ۔ اب اشاعت ثانی کی نوبت آئی تو متن پر نظرثانی کے ساتھ شامل تذکرہ شعرا کے کلام کا کچھ نمونہ دستیاب تذکروں سے ذیلی حواشی میں درج کردیا گیا ہے ۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ شعرا کا جو کلام نمونے کے طور پر حواشی میں درج کیا گیا وہ وہی ہے جو تذکرے کے اصلی نسخے میں تھا، البتہ ان اشعار سے ان شعرا کے کلام کا تھوڑا بہت اندازہ ہوسکتا ہے ۔ قارئین کو اگر زیادہ کلام دیکھنا مقصود ہو تو محوّلہ تذکروں سے مل سکتا ہے ۔

موجودہ اشاعت کی ترتیب اور کلام کے انتخاب کے لیے ادارہ جناب افسر صدیقی صاحب کا ممنون ہے ۔

۱۹۷۸ء

نل دمن

مصنفہ

احمد سراوی

مرتبہ

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

پہلا ایڈیشن

اردو کی تاریخ اور اس کا ارتقاء آج بھی زندہ بحثیں ہیں ۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ مواد انجمن ترقی اردو پاکستان نے فراہم کیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایسا مواد تلاش کرنے کی بنیاد باباۓ اردو مرحوم نے رکھی اور انجمن اب بھی حتی المقدور ان کا کام آگے بڑھاتی رہتی ہے ۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے باباۓ اردو نے ایک رسالہ لکھا تھا "اردو کی نشوونما میں صوفیاء کرام کا کام" اس کے بعد مثنوی پھول بن (۱۰۷۶ھ) مثنوی قطب مشتری (۱۰۱۱ھ) سب رس (۱۰۳۵ھ) مثنوی گلشن عشق (۱۰۶۸ھ) اور مثنوی من لگن (۱۱۱۲ھ) شائع کیں۔ آخری کو چھوڑ کر باقی سب گیارہویں صدی ہجری کی تصانیف ہیں اور انہیں اہل تحقیق کے سامنے لانا باباۓ اردو کی فضیلت اور ہمت نے ہی ممکن کیا ۔

باباۓ اردو کے بعد ان کی خواہش کے مطابق انجمن نے مثنوی نظامی دکنی عرف کدم راؤ پدم راؤ کی اشاعت کو اولین اہمیت دی لیکن اس کے پڑھنے والے نہ ملتے تھے ۔ یہ داستان مثنوی نظامی دکنی کے حرفے چند میں ملاحظہ ہو ۔ بہرحال ڈاکٹر جمیل جالبی نے کئی برس اس پر کام کیا اور وہ ۱۹۷۳ء میں شائع کردی گئی ۔ اس طرح کہ اصل مخطوطے کا فوٹو ایک طرف چھپا ہے اور اس کے سامنے نستعلیق میں اس کا متن ۔ ساتھ ہی ڈاکٹر جالبی کا نہایت پر مغز مقدمہ ہے ۔ امید ہے کہ اہل نظر نے یہ انتہائی تاریخی اہمیت کی کتاب ملاحظہ کی ہوگی ۔

اس دوران مخطوطات انجمن کی فہرست شائع کر دی گئی - مخطوطات کو زیادہ سے زیادہ استفادے کے لیے قومی عجائب گھر کے کتب خانے میں رکھ دیا گیا اور بہت سے کام کرنے والوں کو حسب طلب مختلف مخطوطوں کی فوٹو نقلیں بھی مہیا کی گئیں -

ادھر ہمارے فاضل بزرگ شریک کار جناب افسر صدیقی امروہوی نے دسویں صدی کی ایک مشہور تصنیف "نوسرہار" پر کام مکمل کرلیا ہے - انشاء اللّٰہ وہ عنقریب شائع ہو رہی ہے اس طرح جہاں تک دکن کا تعلق ہے نویں صدی ہجری سے لے کر بارہویں صدی ہجری تک چار سو سال کی قدیم اردو کے مستند نمونے سامنے آگئے ہیں -

اللّٰہ نے چاہا تو آیندہ کےلیے منصوبہ یہ ہے کہ اب اردو تاریخ وارتقاء کے سلسلے میں جنوبی ایشیا کے شمالی حصّوں سے متعلق مخطوطات و دستاویزات پر کام کیا جائے - اس طرح زبان کی اجتماعی‌تاریخ مرتّب کرنے والے کافی نئے مواد سے استفادہ کرسکیں گے -

اس منصوبے کی ابتدا "نل دمن" کی اس اشاعت سے کی جارہی ہے - یہ مثنوی اس سے قبل اورنٹیل کالج لاہور کے میگزین میں شائع ہوچکی ہے لیکن اس مرتبہ ایک تو یہ کتابی صورت میں شائع کی جارہی ہے دوم مخدومی ڈاکٹر سیّد محمدعبداللّٰہ صاحب نے اپنے سابقہ مقدمہ پر نظرثانی فرمائی ہے - ڈاکٹر صاحب انجمن کے قدیم مربّی اور عملی معاون ہیں - اس سے پہلے انھوں نے انجمن کے لیے "نوادرالالفاظ" ازسراج الدین خان آرزو مرتّب فرمائی تھی اب اس اشاعت کی اجازت دی ہے - انجمن ان کی انتہائی ممنون ہے -

متن دوبارہ کتابت نہیں کرایا گیابلکہ جومحولہ بالا میگزین میں چھپا تھا اس کی فوٹو نقل بنا کر

چھاپی گئی ہے ۔ اس زمانے میں کتابت کا مسئلہ بہت مشکل ہوگیا ہے ۔ اخراجات کا سوال بھی ہے ۔ آپ دیکھیں گے کہ متن کے علاوہ باقی مواد کی چھپائی ہلکی پھلکی سی ہے ۔ سبب وہی اخراجات کا مسئلہ ہے مگر طے یہی کیا گیا کہ "بہتر حالات" کا انتظار کرنے کی بجائے اسے چھاپ دیا جائے ۔ کام کرنے والے بنیادی مواد سے تو محروم نہیں رہیں گے ۔

"نل دمن" دراصل فیضی کی فارسی تصنیف ہے اور یہ اردو "نل دمن" کچھ اس کا ترجمہ ہے کچھ مصنف کی اپنی کاوش ۔ اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقدمے میں روشنی ڈالی ہے ۔ حسن اتفاق کہ اردو "نل دمن" کے مصنف علی احمد صاحب بابائے اردو کے ہم موضع ہیں ۔ یعنی قسمت میرٹھ کے ایک گاؤں سراوے کے رہنے والے ہیں ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے اندازاً اس کا زمانہ بارہویں صدی کا نصف ثانی قرار دیا ہے ۔ انھوں نے خود فرمایا ہے کہ سنہ تصنیف کا ذکر کتاب میں نہیں اور انھوں نے بعض قیاسات سے کام لیا ہے ۔

اس سلسلے میں انجمن کے بزرگ اور فاضل شریک کار جناب افسر صدیقی امروہوی نے ایک مخطوطے کی نشان دہی کی ہے جو انجمن کے نوادرات میں شامل ہے ۔ وہ ہے "بستان شہادت" جس کے مصنف اسی کتاب کے مصنف یعنی علی احمد معلوم ہوتے ہیں ۔ اس مخطوطے کا ذکر انجمن کی اشاعت "مخطوطات انجمن" کی چھٹی جلد میں موجود ہے ۔ "بستان شہادت" میں مصنف اپنے بارے میں یہ بیان کرتے ہیں

درود ہو جو ابد تک انتہا سیں
علی احمد غریب ابن رضا سیں
ہوا انجام بستان شہادت
بروز پنجشنبہ با سعادت

ربیع اول جو تھی تاریخ دوجی
سراوہ میں یہ من کی آس ہوجی

اغلب یہ ہے کہ "بستان شہادت" تاریخی نام ہے اور اس کا سن تصنیف ۱۲۲۲ھ نکلتا ہے ۔ تقویم (شائع کردہ انجمن) کی رو سے ربیع الاول ۱۲۲۲ھ کی پہلی تاریخ کو چہار شنبہ تھا گویا دوسری تاریخ کو پنجشنبہ پڑتا ہے اور اس سے پتا چلتا ہے کہ اگر دونوں کے مصنف سراوے کے باشندے علی احمد ہیں تو ان کا زمانہ تیرہویں صدی ہجری ہے ۔ دراصل سیٹھ عبداللہ صاحب نے بھی کسی خارجی شہادت کے بغیر بڑی ماہرانہ جانچ کی ہے ۔ بنتی ہوئی زبانوں کے معاملے میں پچاس ساٹھ برس کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتے ۔ بارہویں صدی کے نصف ثانی اور تیرہویں صدی کے اوائل میں کوئی خاص فرق نہیں ۔ ممکن ہے آیندہ اس سلسلے میں کوئی مزید شہادت سامنے آجائے تاحال اس نسخے کا زمانۂ تصنیف تیرہویں صدی کا نصف اول قرار دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ سراوے کے ہی کوئی اور مصنف اسی نام کے نہ ہو گزرے ہوں ۔

امید ہے کہ اہل تحقیق اس اشاعت کو پسند کریں گے۔

۱۹۷۸ء

اقبال

علامہ اقبال کی شخصیت اورفکروفن پر
اردو میں شائع ہونے والی پہلی کتاب

از

مولوی احمد دین

مرتبہ

مشفق خواجہ

پہلا ایڈیشن

کہنے کو یہ اصل کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے لیکن اصل کہانی کچھ اور ہے ۔ پہلی بار یہ کتاب ۱۹۲۳ء میں چھاپی ضرور گئی لیکن اس کی اشاعت نہ ہو سکی ۔ مرتب جناب احمد دین نے تمام نسخے تلف کر دیے، کیوں؟ اس کی تفصیل دیباچے میں ملے گی ۔ پھر کچھ تبدیلیوں کے ساتھ یہ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی لیکن نایاب ہو گئی کہا جاتا ہے کہ آج پہلے ایڈیشن کے زیادہ سے زیادہ دو نسخے موجود ہیں ۔

اس دوران علامہ اقبال کی شہرت اور عظمت نے نہ جانے کتنی منزلیں طے کر لی ہیں ۔ ہمارے لیے تو وہ مقدسات کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں ۔

اسی لیے اس کتاب کی اشاعت و تشہیر کا اصل زمانہ یہی ہے ۔ ایک اتنے بڑے مفکر اور شاعر کے ذہنی اور فنی ارتقاء پر تحقیق و تبصرہ کی یہ پہلی کوشش ہے جو کتابی صورت میں اس وقت تمام کی گئی جب علامہ کا پہلا مجموعہ کلام اردو اشاعت پذیر نہیں ہوا تھا ۔ مرتب جناب احمد دین علامہ کے ہم عصر اور ایک فاضل مداح تھے ۔ کتاب ایک اعلیٰ درجے کا علمی کارنامہ بھی ہے اور ایک خصوصی حیثیت بھی رکھتی ہے ۔ ہمیں فخر ہے کہ اس کی اشاعت ہمارے حصے میں آئی ۔ تقریباً چون برس بعد ایسے کارنامے کا عام ہونا بے شمار قارئین کے لیے خوشی کا باعث ہوگا ۔ امید ہے کہ اقبالیات پر کام کرنے والے اس سے قرار واقعی استفادہ کریں گے ۔

جناب مشفق خواجہ ایک محقق کے طور پر اتنے

مشہور و مستند ہوچکے ہیں کہ اب ان کے ذریعے تعارف دوسروں کو منظر عام پر لاتا ہے ۔ ان سطور میں ان کا کیا تعارف کرایا جائے ۔ انھوں نے اپنا مقام اپنی طبعی اہلیت اور مسلسل محنت سے حاصل کیا ہے ۔ یہاں یہ کہہ دینا بے جا نہ ہوگا کہ ان کے ذوق تحقیق نے بابائے اردو مرحوم سے بھی فیض پایا ہے ۔ خواجہ صاحب نے جو چند سال بابائے اردو کی زیر نگرانی انجمن ترقی اردو پاکستان میں علمی معاون کی حیثیت سے گزارے ان سے انھیں بہت کچھ ملا ہوگا ۔ بوقلموں معاشرتی حالات میں خواجہ صاحب کا ادب سے مکمل وابستگی کو شعار زیست بنانا ان کے خلوص کی گواہی دیتا ہے ۔۔ جس توجہ سے انھوں نے اس کتاب کو اس اشاعت کے لیے مرتب کیا اور انجمن کے لیے ایک اثاثہ بنا دیا اس کے لیے انجمن ان کی انتہائی ممنون ہے ۔ اگلے صفحات پر ان کا دیباچہ اپنی جگہ ایک علمی دستاویز کی حیثیت اختیار کر گیا ہے ۔

جیسا کہ مشفق خواجہ صاحب نے بیان کیا ہے جناب ممتاز حسن مرحوم اس کام میں گہری دل چسپی لے رہے تھے، وہ اقبال اکادمی کے اعزازی عہدہ دار ضرور تھے اور اغلب تھا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ کتاب اقبال اکادمی شائع کرتی، لیکن انجمن ترقی اردو کی حیات نو بھی صدر انجمن جناب اختر حسین کے ساتھ ساتھ جناب ممتاز حسن کی مرہون منت ہے ۔ وہ دم آخر تک مجلس متولیان انجمن کے ایک فعال رکن اور انجمن کے نہایت مفید سرپرست رہے ۔ ایک ایسے نیازمند کی حیثیت سے جو انھیں قریب سے جانتا تھا، راقم الحروف کہہ سکتا ہے کہ جناب ممتاز حسن اس بات پر بھی بہت خوش ہوتے کہ یہ کتاب ان کی انجمن ترقی اردو پاکستان شائع کر رہی ہے ۔

۱۹۷۹ء

قاموس الکتب اردو

(جلد سوم)

عمرانیات

مرتبہ

انجمن ترقی اردو پاکستان

پہلا ایڈیشن

انجمن کا ایک اشاعتی سلسلہ ہے ۔ قاموس الکتب، یہ سلسلہ پورے جنوبی ایشیا میں اردو کی حد تک کسی اور تحقیقی یا اشاعتی ادارے نے نہیں بنایا ۔

اگلے صفحات پر بابائے اردو مولوی عبد الحق مرحوم کا ایک مضمون ہے جو دراصل اس سلسلے کی پہلی جلد "مذہبیات" پر ان کا مقدمہ ہے ۔ اس سے اس سلسلے کی غرض و غایت اور ابتدا کا نقشہ سامنے آجائے گا ۔ یہ مقدمہ مولوی صاحب نے ۲۲ جون ۱۹۶۱ ء کو بستر مرگ سے بھیجا تھا ۔ اور ان کی آخری تحریر ہے ۔ وہ اگست ۱۹۶۱ء میں انتقال فرماگئے ۔

پہلی جلد "مذہبیات" پر تھی ۔ مختلف ناپوں کے ٹائپ میں ایک ہزار ایک سو چھہتر صفحے متن کے بعد بہت باریک ٹائپ میں ایک سو ننانوے صفحات کا اشاریہ ۔ کاغذ اس وقت بہت خراب آتا تھا ۔ ضخامت کافی تھی ۔ انھوں نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ اس اشاعت کو گتّے اور کپڑے سے مجلد کیا جائے ۔ بہرحال یہ ان کے زیر اہتمام انجمن کی آخری اشاعت تھی ۔ لیکن ایک عظیم الشان منصوبے کی ایک عظیم اور کامیاب ابتدا بھی ۔

کسی مضمون، کسی تقریر، کسی نگاہیے، کسی گفتگو میں ترقی اردو، نفاذ اردو، ضرورت اردو، حبِّ اردو وغیرہ پر بات کرلینا، بڑے قیمتی اور مفید مشورے دے دینا، شکایت کا دفتر کھول دینا، شخصیات اور اداروں کو طنز و مزاح کا نشانہ بنالینا اپنی جگہ ہر ایک کا حق سہی، شاید ضروری بھی ہو، مگر مسلسل نامساعد

حالات میں اردو پر ٹھوس کام کیے جانا بھی بڑا مشکل کام ہے ۔ اللہ مولوی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیت کرے ۔ وہ عمر بھر کام کرتے رہے ۔

پہلی جلد پندرہ سو کی تعداد میں چھپی ۔ یونیسکو منصوبے کے تحت وفاقی حکومت کے ذریعے پچیس ہزار روپے ملنے تھے (جو اشاعت پر ملے بھی) مگر سرمایہ اس سے کہیں زیادہ لگا ۔ ایک بن لکھا سمجھوتہ حکومت سے یہ بھی تھا کہ وہ کم از کم پانچ سو جلدیں خرید کر جامعات ، کالجوں، کتب خانوں اور دوسرے اداروں میں بھی تقسیم کرے گی، وہ پورا نہ ہوا ۔ کتاب بہ مشکل نکلی۔آٹھ سو جلدیں اب بھی باقی ہیں۔ ان بہت سے حضرات نے بھی کوئی مدد نہ کی جن کی گرم گرم تقریریں اور بڑے بڑے وعدے بہت سے لوگوں پر بہت دن اثر انداز رہے ۔ آج بھی رہتے ہیں ۔

مولوی صاحب کے بعد ایک برس انجمن کی تشکیل نو میں گزرا ۔ راقم الحروف ۱۹۵۹ء سے مولوی صاحب کی حیات میں ہی انھی کے حکم پر انتظامیہ سے متعلق ہوگیا تھا ۔ اسے معلوم ہے کہ مولوی صاحب اس منصوبے کو کتنی اہمیت دیتے تھے ۔ ان کے انتقال کے بعد دوسری جلد پر کام شروع ہونے سے پہلے پوری انجمن ہی اپنے دوسرے دستور کی منتظر رہی ، اس میں قریب ایک سال لگا ۔ پھر جناب اختر حسین صدر انجمن ہوئے مگر انھیں ورثے میں ایک بڑے نام کے ساتھ ساتھ بے شمار مشکلات بھی ملی تھیں ۔ سب سے پہلے ترجیح اردو کالج کو دینی تھی جس کا خزانہ نہ صرف خالی تھا بلکہ بری طرح زیر بار بھی تھا ۔ بہرحال انھوں نے انجمن کے اشاعتی منصوبوں پر بھی توجہ دی اور اس سلسلے میں ان کی سب سے زیادہ معاونت انجمن اور مولوی صاحب کے ایک نہایت مستعد نوجوان دوست اور اردو کے

مشہور محقق اور شاعر جناب مشفق خواجہ نئے کی۔ مجلس منتظمہ میں سب سے زیادہ فعال اور باقاعدہ کام کرنے والے صاحب جناب ممتاز حسن مرحوم تھے۔ انھوں نے اصرار کیا کہ قاموس الکتب کا سلسلہ تمام ترنقصانات کے باوجود جاری رہنا چاہیے ، چناں چہ کام شروع کر دیا گیا۔ محترم مولانا اعجاز الحق قدوسی، مولانا عقیل احمد جعفری مرحوم، مولانا عبد السلام صاحب اور جناب امید فاضلی نے کچھ مدت کل وقتی اور کچھ مدت جزوقتی کام کیا۔ اس دوران جناب شمیم احمد بھی انجمن کے تحقیقی عملے میں شامل ہوگئے اور انھوں نے بحیثیت مدیر قاموس جلد سوم عمرانیات کا کام سنبھال لیا۔ چوں کہ دوسری جلد میں سیاسی تحریکوں، سیاسی سوانح اور اس سے متعلق بہت سے عنوانات شامل کرلیے گئے ہیں، اس وجہ سے شمیم احمد صاحب کا تھا بڑا کام جلد دوم میں بھی شامل کرلیا گیا ہے اور باقی کام تیسری جلد عمرانیات میں موجود ہے۔ ۱۹۶۲ء ختم ہوتے ہوتے پہلا مرحلہ مکمل ہو رہا تھا کہ انجمن کے مالی حالات بہت خراب ہوگئے۔ اردو کالج کے خسارے بڑھ گئے تھے۔ اقامتی اردو کالج کی بنیاد رکھ دی گئی تھی، لیکن وفاقی حکومت نے مطلوبہ مالی امداد نہیں دی، نہ صوبائی حکومت نے جب کہ صدر ایوب مرحوم کے سنگ بنیاد رکھتے وقت وعدے بڑے بڑے کیے گئے تھے۔ منتظمہ کالج اور انجمن کی ایک ہی تھی وہ حیرانیوں کے ساتھ نئی پریشانیوں میں گرفتار ہوگئی مگر وہ ایک الگ کہانی ہے۔ کبھی سنا دی جائے گی۔ اب منتظمہ کو اپنی ذمہ داریاں نباہنے میں ایک بار پھر ترجیحات مرتب کرنی پڑیں۔ دوسری جلد کی تدوین ایک سال کے لیے مؤخر کر دی گئی۔

ایک سال بعد کام پھر شروع ہوا۔ شمیم صاحب

موجود تھے ۔ مشفق خواجہ صاحب بہت مصروف ہونے کے باوجود بھی توجہ کرتے تھے۔ جناب ابوسلمان شاہجہان پوری کا خصوصی تعاون حاصل کیا گیا ۔ مسودہ تیار ہوا تو پروفیسر ایوب قادری نے نظرثانی کی اور معلوم ہوا کہ ابھی خاصا کام ہونا باقی ہے ۔ اس دوران جناب مشفق خواجہ اپنے تحقیقی اور ادبی کاموں میں اتنا الجھ گئے کہ انجمن کو مطلوبہ وقت دینا ممکن نہ رہا ۔ چناں چہ وہ رخصت ہوئے ۔ یہ الگ بات ہے کہ انجمن کے آڑے وقت میں آج تک کام آتے ہیں ۔ جو خدمت ممکن ہو بجا لاتے ہیں ۔ کاش انجمن انھیں قید کرکے رکھ لیتی ۔ پھر اسے جناب اختر حسین صدر انجمن کے علاوہ کسی کی ضرورت نہ ہوتی ۔

بہرحال دوسری جلد آٹھ برس میں تیار ہوئی ۔ کتابت ، نظرثانی اور اغلاط سے مبرّا پروف ریڈنگ ، سب مراحل سے گزر کر ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی۔ یہ دوسری جلد "تاریخیات" پر ہے ۔ اسے لیتھو میں چھاپنا پڑا ، کیوں کہ اب ٹائپ کی چھپائی اور بھی مہنگی ہوگئی تھی ۔ متن کے صفحات پانچ سو چودہ اور اشاریہ مصنّفین ایک سو تیرہ صفحوں کا ۔ اس بار کاغذ ذرا بہتر استعمال ہوا ۔ کتاب مجلد نہ کی گئی ۔ پیپر بیک میں ہے مگر مضبوط ہے ۔ ڈر کے مارے اس بار کل پانچ سو جلدیں چھاپی گئیں، مگر ۔ تاحال وہ سب بھی نہیں بکی ہیں ۔ اشتہار ، تبصرے، اطلاع بذریعہ خطوط سب مراحل مکمل ہوچکے ہیں ۔

تیسری جلد کی تیاری ایک طرح دوسری جلد کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی ۔ اس پر بہ طورخاص جناب شمیم احمد نے کام کیا ، مگر دوسرے شریک کارکنوں کا ذکر ضروری ہے اور وہ ہیں جناب سیّد سعید احمد اور مولانا ابوسلمان شاہجہان پوری ۔ جمع شدہ مواد کی ترتیب

اور نظرثانی کا کام ڈاکٹر خان رشید نے انجام دیا اور انھوں نے ضروری اضافے بھی کیے۔

عمرانیات کو یوں بھی ایک خشک موضوع کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اردو کا مزاج تو اس موضوع کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا لیکن اس تیسری جلد میں بھی جس کی ترتیب میں چند کمزوریوں کا ذکر بھی کیا جائے گا ۔ چار ہزار چار سو اکتیس کتابوں کے نام درج ہیں اس کے صفحات سات سو چوبیس ہیں اور اشاریہ ۱۰۰ صفحات پر آیا ہے ۔

یہ فہرست اب سے تقریباً دو برس پہلے کی فہرست ہے، کیوں کہ اس کی کتابت میں ضرورت سے زیادہ وقت لگا ۔ اس میں ہندوستانی کتب خانوں اور اشاعت گھروں کی قدیم و جدید کتابیں شامل نہیں، کیوں کہ ان تک دسترس بڑی کوششوں کے باوجود بھی ممکن نہ ہوئی ۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ ، پھر تلخیاں، کتابوں اور فہرستوں کا تبادلہ ہوتا ہی نہیں پھر ۱۹۷۱ء کی جنگ ، پھر مابعد کی تلخیاں اور اب تک جاری رہنے والی صورت حال کہ

آدمی واں نہ جاسکے یاں کا

بہت سے ایسے مقامی کتب خانوں سے بھی استفادہ ممکن نہ ہوا جو ذاتی ملکیت میں ہیں۔ان کے مالکان کتابیں رکھنے پر تو بڑے فخر کا اظہار کرتے ہیں مگر مستند اہل تحقیق تک کو ان سے غیر ذاتی فائدہ اٹھانے کی اجازت بھی نہیں دیتے ۔ بہتوں کے پاس ان کی زیر تحویل کتابوں کی فہرست تک نہیں ہے ۔ بہرحال یہ سب ہمارے قومی مسائل کا ایک حصّہ ہے اور کام اس کے باوجود ہونا ہے ۔ سو وہ ہوتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ ایسا کام کچھ نہ کچھ لنگڑا لولا ہوگا ۔

اس جلد میں ذیلی عنوانات کہیں کہیں متنازعہ فیہ

ہو جاتے ہیں - راقم الحروف اہل تحقیق نہیں، مگر ایک عام قاری کی حیثیت سے اسے بھی کئی مقامات کھٹکے - چالیس کتابیں، مثلاً "سرگزشت و سوانح" کے ذیلی عنوان میں رکھی گئی ہیں - ساتھ ہی غیر ملکی مشاہیر پر چودہ کتابیں الگ درج ہیں - ان میں سے کچھ ایک طرف سے دوسری طرف جاسکتی تھیں - اس کے علاوہ یہ تعداد بادی النظر میں بھی ایک بہت ہی کم تعداد معلوم ہوتی ہے - کیا غلطی ہوئی - یا تو کئی فہارس کتب سے ان ذیلی موضوعات پر کتابیں چھانٹی ہی نہیں گئیں یا مرتبین نے وہ فہارس ملاحظہ ہی نہیں کیں - یہ ان کی اور میری ہماری غلطی بھی ہے، نگرانوں کو کم از کم اپنی بے عملی کا اعتراف تو کرنا چاہیئے -

لیکن ادباً یہ بھی عرض کردیا جائے کہ ذیلی عنوانات کا موضوع تعین کرنا خود یورپ میں ایک بڑا پیچیدہ اور متنازعہ موضوع بنا ہوا ہے - بہت سے ماہرین ایسی تقسیم جزئیات کے بارے میں بھی بالکل متضاد آراء رکھتے ہیں - دراصل BIBLIOGRAPHY کا فن بجائے خود ایک بہت مشکل اور تفصیلی فن ہے جس میں وقت کے ساتھ بے شمار تنازعے در آئے - جو مضمون ہے وہ چار بڑے اور گیارہ ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی :

I. Enumerative(or)Systematic Bibliography.
   1. General.
   2. Form.
   3. Subject.
   4. Other lists and guides.

II. Analytical(or)Critical Bibliography.

III. Descriptive Bibliography.
    1. Primary Documents.
    2. Identification and Arrangement.
    3. Variety of Information.

IV. Tetual Bibliography.
    1. Physical Characteristics of Manuscripts.
    2. Details of Prints.
    3. Transmission of Text.

یہ ایک ہلکا سا خاکہ ہے۔ قاموسی مطالبات، ضروریات، امکانات اور ان سے متعلق مباحث کا۔ اس خاکے کا مقصد اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو ایک فضائے بسیط میں پھیلا کر نظر سے اوجھل کردینا نہیں، بلکہ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ بڑے بڑے وسائل رکھنے والوں کو بھی بڑے بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے پاس تو اپنی بے بضاعتی کے علاوہ کوئی قابل ذکر سرمایہ بھی نہیں۔ اگر کوئی اور ادارہ، تجارتی یا رفاہی، اب بھی ایک سائنٹفک اور مکمل قاموس کتب اردو مرتب کرنے کا ذمہ لے تو ہم اپنا سارا کام اس کی نذر کرنے پر تیار ہیں۔ وہ غلطیاں دور کرے اور اسے ضروری اضافوں سے مزین کرکے شائع کردے، تو انجمن ہی کا مقصد پورا ہوگا۔ فی الحال کل وقتی اہل علم کی نایابی اور جزوقتی کارکنوں کی ناتجربہ کاری کے باوجود ایسی فہرست کتب بھی شائع ہوجانا کم از کم ایک مفید بات ضرور ہے۔

آپ ملاحظہ کریں گے کہ اس تیسری جلد میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کتنی تعداد درج کی گئی ہے جبکہ یہ صرف کتاب کا نام دیا گیا ہے، بلکہ ناشر کا نام، پتہ، صفحات کی تعداد اور کہیں ایک سطر میں لکھیں

دو سطر میں کتاب کی مختصر کیفیت بھی بیان کردی گئی ہے ـ کتاب میں تفصیلی فہرست شامل ہے ـ پھر بھی مندرجات ذیل ایک فہرستی اشاریے کا مقصد پورا کرسکتے ہیں (واضح رہے کہ اشارہ مصنفین جو ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے کتاب کے آخر میں ہے)ـ چند ذیلی عنوانات کے تحت بہت ہی کم کتابوں کی تعداد دیکھ کر سب کو حیرت ہوگی ـ راقم الحروف کو بھی ہوئی ـ کاش یہ تعداد زیادہ درج ہوتی ـ نہ معلوم کیا ہوا ہے یا تو کتابوں کی نشان دہی نہیں ہوئی یا وہ تھیں ہی کم، لیکن ساتھ ساتھ چند ذیلی عنوانات کے تحت اردو جیسی نئی زبان میں ان موضوعات پر سینکڑوں کتابوں کی تعداد دیکھ کر دل خوشی سے معمور بھی ہوتا ہے ـ

۱ـ عمرانیات ۲۰۲ ۲ـ اخلاقیات ۱۸۹
۳ـ معاشیات ۱۷۳ ۴ـ مالیات ۹۰
۵ـ تجارت ۲۵ ۶ـ صنعت و حرفت ۲۲۲
۷ـ زراعت ۵۶۹ ۸ـ مواصلات ۵
۹ـ سیاسیات ۶۲۲ ۱۰ـ سرگزشت وسوانح ۳۰
۱۱ـ غیرملکی مشاہیر ۱۲ ۱۲ـ خطبات سیاسی ۶۰
۱۳ـ خطبات تعلیمی ۳۲ ۱۴ـ خطبات متفرق ۱۱
۱۵ـ روئداد متفرق سرگرمیاں ۲۷۸
۱۶ـ قانون ۵۱۵ ۱۷ـ تعلیم ۲۳۱
۱۸ـ فلسفہ ۱۸۲ ۱۹ـ نفسیات ۱۹۰
۲۰ـ موسیقی ۳۹ ۲۱ـ دست شناسی ۱۲
۲۲ـ نجوم و جوتش ۲۵ ۲۳ـ قیافہ شناسی ۳
۲۴ـ شعبدہ بازی ۷ ۲۵ـ پیش گوئی (سالانہ رسائل وجرائد شامل نہیں)
۲۶ـ تعبیرخواب ۵ ۲۷ـ تحریر شناسی ۳
۲۸ـ کیمیا ۸ (تعداد کم ہے مگر اندازہ ہے کہ درست بھی ہے)
۲۹ـ فالنامے ۲ (سالانہ رسائل وجرائد شامل نہیں)

۲۰۔ توہمات ۱ (ذیلی عنوان کا مقصد ہے باطنی موضوع، کو معیار انتخاب قرار دیا جائے تو بہت سی کتابیں شامل ہوسکتی ہیں)۔
۲۱۔ کھیل ٦٧
۲۲۔ تقویم ۳۰ (سالانہ رسائل وجرائد شامل نہیں)
۲۳۔ رسم الخط شائپ ۳۰
۲۴۔ صحافت ۱۲ ۲۵۔ معلومات عامہ ٦ (یہ تعداد مضحکہ انگیز حد تک کم اور غلط ہے)
۲٦۔ اصطلاحات ۲۱ ۲٧۔ انتظام کتب خانہ ، ۳
۲۸۔ فہارس کتابیات (کتب خانہ جات) ۹۳
۲۹۔ اشتہاری فہارس کتب ۱۲٧

کل تعداد ۲۲۲۱

یہ جلد بھی پانسو کی تعداد میں چھپ رہی ہے گو ہمیں سابقہ تجربہ کی بنا پر یقین ہے کہ یہ جلد بھی مشکل سے بکیں گی ۔ ایک امید کی کرن اس سال ان تیاریوں سے پیدا ہوئی ہے جو نفاذ اردو کے سلسلے میں کی جانے والی ہیں ۔ اگر واقعی تندہی سے اور دفتری زبان اردو نافذ ہوتی ہے تو فوراً نہ صرف اس قاموس کی اشد ضرورت محسوس کی جائے گی بلکہ بہت جلد نئی نہایت سائنٹفک اور بڑی قاموس الکتب تیار کرنی پڑے گی ۔ نہ جانے وہ وسائل کس ادارے کے حصہ میں آئیں ۔ بہرحال وہ دن نہایت مبارک ہوگا انجمن پیشگی رکارڈ پر لاتی ہے کہ وہ نئی قاموس تیار کرنے کے لیے آمادہ ہے اور اگر یہ کام اسے نہ ملے تو جس ادارے کو ملے اس سے حتی المقدور پورا پورا تعاون کرے گی ۔ ابھی سے ہر پاکستانی ادارے کو اجازت ہے کہ کوئی معاوضہ ادا کیے بغیر انجمن کی آن تمنوں

بلکہ آنے والی جلدوں کو ترمیم و اضافہ کے ساتھ یا کسی ترمیم و اضافہ کے بغیر اپنا کر چھاپ دے ۔ اس فیاضی کی وجہ یہ نہیں کہ ہم یہ منصوبہ ترک کر رہے ہیں ۔ نہیں ہم تو چوتھی جلد تیار کر رہے ہیں جو انشا اللہ اگلے دو برس تک آجانی چاہیے ۔ اس پیش کش یا اجازت کی وجہ وہی ہے جو انجمن کی غایت قیام ہے ۔ اردو نے اس منصوبے کا خواب دیکھنے میں اب تک ایک سو گیارہ برس گزار دیے ہیں ۔ جیسا کہ آپ بابائے اردو کے مقدمے میں دیکھیں گے یہ خیال سب سے پہلے سرسید مرحوم کو آیا تھا ۔ پھر جب ۱۹۰۳ء میں انجمن کی بنیاد پڑی تو فہرست کار میں یہ منصوبہ بھی رکھا گیا تھا ۔ یہ خواب بہت پرانا ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا ۔ ایک اصول کے مطابق قاموس ایک مسلسل عمل ہے ۔ لائبریری آف کانگریس ، ریاستہائے متحدہ امریکہ ہمارے سال ایک قاموس مسلسل چھاپتی رہتی ہے ۔ وہاں کاپی رائٹ قانون کی ایک شق بڑی سختی سے نافذ کی جاتی ہے ۔ وہ یہ کہ جو کتاب چھپے خواہ مصنف/ناشر اس کا حق اشاعت محفوظ کرانا چاہے یا نہ چاہے اسے کم از کم تین جلدیں اس کتب خانے میں داخل کرنی پڑتی ہیں ۔ ایسا ہی قانون بہت سے مغربی اور کئی مشرقی ممالک میں نافذ ہے ۔ پاکستان میں بھی یہ سعادت راقم الحروف کے حصے میں آئی تھی کہ یونیسکو سے تربیت پاکر آنے پر ۱۹۶۱ء اور (۱۹۶۲ء میں) کاپی رائٹ ایکٹ ڈرافٹ کو مختلف مفادات کے اجلاس عام سے منظور کراکے قانون سازی کرائی ۔ بدقسمتی کہ یہ قانون ۱۹۶۲ء میں ایک آرڈی نینس کے ذریعے بن تو گیا مگر مشینری نہ ہونے کی وجہ سے ۱۹۶۷ء تک نافذ نہ ہوا ۔ در اصل اس میں ادیبوں کے کچھ مفادات کو بھی تحفظ دیا گیا تھا ۔ جو کچھ طاقتور ناشرین کو نہ

بھاتا تھا ۔ ان کا اثر حکومت وقت پر اتنا تھا کہ
نفاذ ٹلواتے رہے ۔ یہاں تک کہ ۱۹٦۷ء میں جناب
قدرت اللّٰہ شہاب وفاقی معتمد تعلیم ہوئے اور انہوں
نے فروری ۱۹٦۷ء میں ہی اسے نافذ کرادیا ۔ افسوس
کہ اس کے بعد بھی کاپی رائٹ کی مشینری حسب دلخواہ
منظم نہ ہوسکی ۔ وہ ایک الگ کہانی ہے ۔ لیکن اس
موضوع سے یہ حصّہ مربوط ہے کہ اگر اس قانون کی چند
دفعات پر سختی اور کشادہ دلی سے عمل ہوتا تو
رجسٹرار کاپی رائٹ کے دفتر سے ایک ماہانہ یا سہ
ماہی جریدہ شائع ہوا کرتا جس میں تمام نئی کتابوں
کا ذکر ہوتا اور یوں اردوکتابوں کی نشان دہی کسی
دقت کے بغیر ہوجاتی ۔ یہ جلدیں جمع ہوتے ہوتے
دوبارہ مدوّن ہو کر قاموس بن جایا کرتیں ۔ زیادہ سے
زیادہ پچھلی کتابوں کا کام رہ جاتا جس کا خاصا بڑا
حصّہ انجمن پورا کرچکی ہے ۔ بہرحال یہ طے ہے کہ اگر
اردو کو واقعی قومی زبان کی حیثیت سے جینا ہے تو
مکمل قاموس الکتب قدیم اور قاموس مسلسل کی ترتیب
لازمی مرحلے ہوں گے ۔ انشاءاللّٰہ انھیں کوئی نہ کوئی
ضرور پورا کرے گا ۔ انجمن نے اپنی بساط بھر اس
کام کی ابتدا کردی ہے اور جب تک ممکن ہوا اپنا فرض
ادا کیے جائے گی ۔ اس کے ماہنامے "قومی زبان" میں
نئے خزانے کے عنوان سے ایک اشاریہ چھپتا ہے جس میں
تمام اردو اخبارات و جرائد میں چھپنے والے مضامین
نظم و نثر کی فہرست دی جاتی ہے ۔ کتابوں کی فہرستیں
ناشرین باقاعدگی سے نہیں بھیجتے ورنہ انھیں بھی
جمع کرکے مسلسل چھاپا جاتا ۔ تاہم اب بھی جو کچھ
میسّر ہوجائے اسے جمع کرکے عام کیا جارہا ہے ۔

بہرحال ۔ زبانی جمع خرچ اور بلندبانگ دعووں
سے قطع نظر، اگر قومی زبان پر مسلسل قومی بے توجہی

کے حقائق سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ سلسلہ قاموس الکتب اردو، یہاں تک کہ یہ جلد بھی دنیائے اردو میں ایک اہم واقعہ ہے ۔ امید ہے کہ کام کرنے والے اس سے قرار واقعی استفادہ کریں گے ۔

۱۹۸۰ء

مولانا ظفر علی خاں

(بحیثیت شاعر)

از

نظیر حسنین زیدی
ایم-اے- پی-ایچ - ڈی

پہلا ایڈیشن

مولانا ظفر علی خاں اُن مشاہیر میں سے ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں قوم و ملک کی خدمت کے لیے وقف کردی تھیں ۔ اُن کی شخصیت نہایت پہلودار تھی ۔ وہ ایک مخلص سیاسی رہنما تھے اور انھوں نے قوم و ملک کی آزادی کے لیے قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کیں ۔ وہ جرأت مند صحافی ایک شعلہ بیان مقرر، ایک اچھے ادیب اور پُرگو شاعر تھے ۔ اُن کی شاعری تخیلی نہیں تھی، بلکہ وہ اُس کے ذریعے زندگی کے حقائق پیش کرتے تھے ۔ اُن کے کلام میں جوش و ولولہ ہے ۔ مردانہ آہنگ ہے ۔ خلوص ہے اور ساتھ ہی جذبات صادقہ کی فراوانی ہے ۔ انھوں نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی اور ہر جگہ اپنی قادرالکلامی اور مہارت کا ثبوت دیا ۔ وہ سنگلاخ زمینیں ڈھونڈ کر لاتے اور بڑے مشکل قافیہ اور ردیف کے ساتھ نہایت جان دار شعر کہہ دیتے تھے ۔ ان کی بعض نظمیں لطف زبان اور حسن بیان کی آئینہ دار ہیں ۔ افسوس ہے کہ ایک ایسی نابغہ روزگار ہستی کے کوائف اور کارناموں کی جانب زیادہ اعتنا نہیں کیا گیا ۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی کا جنھوں نے ان کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اپنے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کا موضوع قرار دے کر مولانا محترم کی زندگی اور اُن کے کارناموں پر سیر حاصل بحث کی ۔ چوں کہ مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا انجمن سے بھی گہرا تعلق تھا ۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ نظیر حسنین صاحب کے اس گراں قدر مقالہ کے کسی حصہ کو انجمن کی جانب

سے شائع کریں ۔ زیدی صاحب نے ازراہ مہربانی مولانا کی شاعری سے متعلق مواد کو کتابت کرا کر ہمیں اس کے چھاپنے کی اجازت دے دی جس کے لیے ہم بہ صمیم قلب ان کے ممنون ہیں ۔ یہ حصہ اگرچہ ایک طویل مقالہ کا جزو ہے تاہم اس کی حیثیت ایک مستقل موضوع کی ہے ۔ اس میں مولانا ظفر علی خاں کی شاعرانہ صلاحیت اور ان کی شاعری پر نہایت تفصیل سے اظہار خیال کیا گیا ہے ۔ مصنف نے مولانا کے کلام کے مختلف پہلوؤں کو الگ الگ کرکے ان پر تفصیلی بحث کی ہے اور دکھایا ہے کہ انھوں نے شاعری کی جس صنف کو بھی لیا ہے اس کا حق ادا کردیا انھوں نے آزادی اور حب الوطنی کے بھی راگ الاپے ہیں لیکن ان پر بھی دینی جذبات کا رنگ چھایا رہتا ہے ۔ ہمیں اعتراف ہے کہ کتابت کا معیار زیادہ اچھا نہیں ہے۔ تاہم چوں کہ ہم نے اس کتاب کو اپنے اس سال کے پروگرام میں شامل کرلیا ہے اور جلد از جلد منظر عام پر لانا چاہتے ہیں اس لیے اسی کتابت سے اس کو طبع کررہے ہیں ۔

۱۹۸۰ء

جاپانی لوک کہانیاں

تہذیب و ترجمہ

شفیع عقیل

پہلا ایڈیشن

انجمن ترقی اردو کے گوناگوں مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عالمی اور مقامی ادب پاروں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اردو زبان میں منتقل کیا جائے ۔ اس سے جہاں اردو زبان و ادب کا دائرہ وسیع ہوتا ہے وہاں ہمیں ذہنی طور پر دوسری قوموں کے قریب آنے اور ان کی معاشرتی اقدار کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے ۔ دنیا کا تمدّن تنہا کسی ایک قوم کی کوششوں سے پروان نہیں چڑھتا بلکہ یہ اقوام عالم کی مجموعی کوششوں کا ثمرہ ہوتا ہے، لہذا کسی بھی قوم کو صرف اپنے ہی سرمایہ پر اکتفا نہیں کرلیناچاہیے، بلکہ اپنے خرمن علم و ادب اور تہذیب و تمدّن کو ہر جگہ سے حاصل شدہ جواہر ریزوں سے پُر کرنے کی کوشش کرنا چاہیے ۔ اس سے جہاں اس قوم کےاپنے سرمایہ میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسری قوموں کے ساتھ قدم ملا کر راہ ترقی کو طے کرسکتی ہے وہیں اس کو ان قوموں کی تمدّنی سطحوں کو جانچنے، ان کے ذہن۔فکرکی گہرائیوں کا اندازہ لگانے اور ان کے میلانات و رجحانات کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے کا بھی موقع ملتا ہے اور اجنبیت کی دیواریں منہدم ہوتی چلی جاتی ہیں ۔

ویسے تو جملہ اصناف ادب سے قوموں کے مزاج رجحانات اور معاشرتی اقدار کو سمجھنے میں مددملتی ہے، لیکن ادب کی بعض شاخیں ایسی ہیں جو صرف ایک خاص طبقہ کی ذہنی سطح کی عکاسی کرتی ہیں ۔ جیسے فلسفیانہ تحریریں ، سائنسی ادب ، سیاسی نظریات ، وغیرہ ، لیکن بعض شاخیں ایسی ہیں جو عوام کےذہنوں

کو سمجھنے اور پرکھنے میں مدد دیتی ہیں اورچوں کہ ہر قوم میں آبادی کا بڑا حصہ عوام کا ہوتا ہے، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ادب کی یہی شاخیں ان قوموں کے مزاج اور طبع نیز تمدّن و معاشرت کا آئینہ ہوتی ہیں ۔ ان میں حکایتیں ، روایتیں، مقامی اور عوامی نظمیں، لوک گیت اور لوک کہانیاں شامل ہیں ۔

ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم کافی عرصے سے دوسری قوموں کے علمی اور ادبی سرمایہ کے ساتھ ساتھ بعض ایسی چیزیں بھی اردو میں منتقل کر رہے ہیں، چناں چہ الف لیلہ کے سات حصوں کو اردودان طبقہ کے سامنے پیش کیا جاچکا ہے اور الف لیلہ وہ شہرہ آفاق تخلیق ہے جس نے عالمی ادب کو متاثر کیا ہے ۔ اس کے بعد جاپانی بچّوں کے گیت اور بلغاریہ کی کہانیوں کو اردو زبان کا جامہ پہنایا گیا تھا ۔ کچھ عرصہ پہلے اسی ادارہ نے مشہور صحافی اور ادیب شفیع عقیل صاحب کی مترجمہ چینی لوک کہانیوں کوزیور طبع سے آراستہ کیا ہے ۔ چینی قوم وہ قوم ہے جوماضی میں بھی عظیم رہی اور آج بھی دنیا کی ایک عظیم قوم ہے ۔ ایسی قوم سے ذہنی طور پر قریب رہنا خودہماری قوم کے لیے بھی مفید ہے ۔ اسی بات کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے یہ ادب پارہ پیش کیا تھا ۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی "جاپانی لوک کہانیاں" ہے جو اس وقت اردو کے قالب میں ڈھال کر پیش کی جارہی ہے ۔ یہ کام بھی شفیع عقیل صاحب کے ہاتھوں ہی انجام پایا ہے جاپانی قوم کا ماضی قریب خواہ کچھ ہی رہا ہو لیکن اس کے حال کی تابناکی سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ۔ یہ دنیا کی ان عظیم قوموں میں سے ایک ہے جو عالمی تمدّن کے سفینہ کو کھے رہی ہیں

اور ان سے ذہنی طور پر رابطہ قائم رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے ۔ اسی امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم جاپانی بچّوں کے گیت اردو میں منتقل کرا کر پیش کر چکے ہیں اور اب یہ کہانیاں جو عوام کے رجحان طبیعت اور مزاج کی آئینہ دار ہیں، منظرِ عام پر لا رہے ہیں ۔

شفیع عقیل صاحب جنھوں نے ان دو عظیم قوموں کے اس عوامی سرمایہ سے ہماری زبان کے خزانہ میں گراں قدر اضافہ کیا ہے کسی تعارف و تعریف کے محتاج نہیں ہیں ۔ وہ ایک طویل عرصہ سے صحافت اور ادب کے گلستانوں کی آبیاری کر رہے ہیں ۔ مسلسل لکھتے رہنے سے ان کا قلم اتنا منجھ گیا ہے کہ اب ان کی تحریروں میں کسی نوع کا الجھاؤ محسوس نہیں ہوتا ۔ وہ ایک سادہ اور دل کش طرزِ تحریر کے مالک ہیں، نہ مرصّع و رنگین زبان لکھنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ فلسفیانہ اور مفکرانہ انداز اختیار کرنے کے درپے ہوتے ہیں ۔ سیدھے سادے الفاظ میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کر دیتے ہیں ۔ عبارت رواں اور عام فہم ہوتی ہے ۔ تاہم غیر شعوری طور پر اس میں شگفتگی اور دل کشی کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔ جاپانی لوک کہانیوں کو انھوں نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ بچّے اور بڑے دونوں ہی ان کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اور ان سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں ۔ یہ ضرور ہے کہ پڑھتے وقت بڑوں اور بچّوں کے نقطۂ نظر میں فرق ہوگا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یقینی ہے کہ شفیع عقیل صاحب نے جو گلزار تیار کیا ہے اس سے ہر شخص کا دامن پھول اور کلیوں سے پُر ہوگا اور کسی کو بھی کانٹوں سے الجھنا نہیں پڑے گا ۔

ہمیں امید ہے کہ اردو زبان سے محبت رکھنے والے حضرات اس تحفہ کی قدر کریں گے اور اس کے مطالعہ سے اپنے ذوق کی تسکین اور اپنی معلومات میں گراں بہا اضافہ کریں گے ۔

۱۹۸۰ء

نســـــاخ

(حیات و تصانیف)

ڈاکٹر محمد صدر الحق

پہلا ایڈیشن

مولوی عبدالغفور نسّاخ نہ دہلوی تھے، نہ لکھنوی نہ دکنی نہ لاہوری ۔ وہ مستند اور خاندانی بنگالی تھے، مگر اردو کے اہم ستونوں میں شمار ہوتے ہیں ۔

حیرت ہے کہ انیسویں صدی کے اردو شعراء پر کام کرنے والوں نے ان پر پوری پوری توجہ نہ دی۔ نسّاخ کی استعداد ایسی تھی اور ذوق بھی اس درجہ کا ہوگا کہ "عید کے روز مرزا صاحب (غالب) نے اپنی مثنوی گوہربار کے تین سو شعر میرے سامنے پڑھے اس پر اہل دہلی کو بڑا تعجب ہوا ....." (ص ۱۲۵-۱۲۶)

پچھلی صدی میں تو ان کا نام ایک استاد شاعر اور بطور خاص ناسخ اور امیر و دبیر کے ایک ناقد کی حیثیت سے مشہور ہوا، مگر اب نسّاخ کا کام زیادہ تر چند خطوط کی وجہ سے جانا جاتا ہے جو مرزا غالب نے ان کو لکھے ۔ یقیناً غالب کے سبھی مکتوب الیہ اوّل درجہ کے شاعر، ادیب اور نقاد نہیں ہوتے تھے لیکن یہ بات سب ادب دوستوں کو معلوم ہے کہ مولوی عبدالغفور نسّاخ سے غالب کی مراسلت کسی قرابت داری قدیم دوستی یا ہم وطنی کے سبب نہ تھی ۔ غالب نے جوہر شناسی کی تھی۔ مولوی صاحب اٹھائیس کتابوں کے مصنف؍مولف ہوئے ہیں ۔ زبان و ادب کے ایک اہم خادم ثابت ہوچکے ہیں ۔ صفحہ ۱۵۷ سے آخر تک ان کے علمی اور ادبی کاموں کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ یہ بات پورے طور سے واضح کرتا ہے، وہ شاعر بھی ہیں خود نوشت سوانح کے مصنف بھی، تذکرہ نویس بھی، نقاد بھی اور نصابی کتب لکھنے والے بھی ۔ یہ خصوصیات ان پر

ایک پوری کتاب کا مطالبہ کرتی ہیں جو انجمن بڑی خوشی کے ساتھ پیش کر رہی ہے۔

یہ نساخ کی حیات پر بھی جامع تحقیق ہے جو اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔ اس کے کچھ حصے ہمارے سہ ماہی "اردو" میں چھپے تھے۔ دراصل یہ ڈاکٹر صدر الحق صاحب کا وہ مقالہ ہے جس پر جامعہ ڈھاکہ نے انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی۔ کتابی صورت میں پہلی بار پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۹۸۰ء

اردو تنقید کا ارتقا

ڈاکٹر عبادت بریلوی

جب کسی زبان کا ادب منزل ارتقا کی جانب گامزن ہوتا ہے اسی وقت سے اس پر تنقیدی نظریں پڑنی شروع ہوجاتی ہیں ۔ کسی نظر میں سطحیت ہوتی ہے اور کسی میں عمق لیکن اگر تنقید میں خلوص شامل ہو تو ہر تنقید ادب کے حق میں مفید ہوتی ہے ۔ تنقید دراصل ادب کو جانچنے کی کسوٹی ہے جس سے بُرے اور بھلے کی تمیز ہوجاتی ہے اور شعوری اور غیر شعوری طور پر ادب سے برائیاں خارج ہوکر اس میں نکھار اور سدھار پیدا ہوتا جاتا ہے ۔ جس طرح ادب اپنے ماحول کا ترجمان اور ادیب کی طبیعت و مزاج کا آئینہ دار ہوتا ہے ، اسی طرح تنقید بھی ماحول کے مطابق اور تنقید نگار کی طبیعت اور مزاج کا مظہر ہوتی ہے ۔ تاہم تنقید کے بعض اصول ایسے ہیں جن کو عالمگیریت اور آفاقیت کا درجہ حاصل ہے اس لیے ہر ادب کو جانچنے کے لیے ان کو پیش نظر رکھنا ضروری بھی ہے اور مفید بھی ۔ اردو ادب نے جب سے برگ و بار پیدا کرنے شروع کیے اسی وقت سے اس پر تنقیدیں ہونی شروع ہوگئیں، چناں چہ جتنی مدّت اُردو ادب و شاعری کی ہے اتنی ہی تنقید نگاری کی بھی ہے ۔ لیکن چوں کہ ابتدائی دَور کی تنقیدیں عموماً ان لوگوں نے کیں جو خود شاعر اور ادیب تھے اور جن کو محض اردو یا فارسی ادب سے واقفیت تھی اس لیے انھوں نے تنقید کرتے وقت خصوصیت سے شاعرانہ اور ادیبانہ نکات کو پیش نظر رکھا ۔ بعد میں تنقیدی رجحان بڑھتا گیا اور اس کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا ۔ انگریزی تعلیم اور مغربی ادب کے مطالعہ

نے اس میں وسعت اور فکر کی گہرائی پیدا کی اور اب تنقیدی ادب مستقل حیثیت اختیار کرگیا ہے ۔ کچھ عرصے پہلے بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ اردو میں تنقید کا وجود ہی نہیں ہے ۔ چوں کہ یہ ایک انتہا پسندانہ نظریہ تھا اس لیے اردو کے مشہور تنقید نگار ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب نے ایک طویل مقالہ " اردو میں تنقید کا ارتقا "لکھ کر اس نظریہ کو مسترد کیا اور دلائل و شواہد سے ثابت کیا کہ اردو میں تنقید کا وجود شروع سے رہا ہے اور اس میں برابر ترقی ہوتی رہی ہے ۔ یہ تحقیقی مقالہ جب "اردو تنقید کا ارتقا" کے نام سے کتابی شکل میں منظر عام پر آیا تو اس کی بے حد پذیرائی ہوئی ۔ مختلف جامعات نے اس کو داخل نصاب کیا ۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۹ء میں نکلا تھا ۔ دوسری اشاعت انجمن کی جانب سے ۱۹۶۱ء میں ہوئی ۔ گزشتہ تین چار سال سے کتاب پھر نایاب ہوگئی تھی اور اس کی مانگ بڑھ رہی تھی ۔ اس لیے انجمن نظرثانی کے بعد اسے تیسری بار شائع کر رہی ہے ۔ امید ہے کہ طلبہ کے علاوہ اردو ادب سے دل چسپی رکھنے والے دیگر حضرات بھی اس سے استفادہ کریں گے ۔

تیسری اشاعت ۱۹۸۰ء

انتخاب جدید

(حصّہ دوم)

مرتبین:

وزیر آغا

انور سدید

سجّاد نقوی

پہلا ایڈیشن

یہ کتاب کافی تاخیر سے پیش کی جا رہی ہے جس کے لیے ہم بہ صد خلوص معذرت خواہ ہیں۔

انتخاب جدید (جلد اول) کی پہلی اشاعت ۱۹۲۲ء میں ہوئی تھی۔ اسے بابائے اردو مرحوم کے ایما پر پروفیسر عزیز احمد مرحوم اور ڈاکٹر آل احمد سرور نے مرتب کیا تھا۔ وہ انتخاب ۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۲ء کی شاعری پر محیط تھا۔ ۱۹۷۳ء تک اس کے چار ایڈیشن اور آئے (۱۹۵۰ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۳ء)۔ اب بھی اس کی تاریخی حیثیت کے سبب فرمائشیں آتی رہتی ہیں کہ اسے پھر چھاپا جائے۔

بابائے اردو مرحوم کا ارادہ تھا کہ یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اسی لیے انھوں نے اس کتاب کو جلد اول قرار دیا تھا، لیکن ہوا یہ کہ ان بہت سے مسائل کی بنا پر جن سے انجمن پاکستان میں آنے کے بعد دوچار رہی (اور جن کا ذکر انجمن کی پنجاہ سالہ تاریخ میں آچکا ہے) یہ منصوبہ دوبارہ شروع نہ ہوسکا۔

تکلف برطرف، وہ انتخاب، یعنی انتخاب جدید جلد اول بھی اپنی جگہ کوئی مثالی یا مکمل انتخاب نہ تھا۔ کسی بھی اتنی پھیلی ہوئی شاعری کا کوئی بھی انتخاب سب قارئین اور سب ناقدین کے لیے یکساں طور پر قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔ ہم سب زبانوں کے انتخاب اور ان پر تبصروں سے تو واقف نہیں انگریزی کی وساطت سے مغرب کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات رکھتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود ہم عصر مغربی ادب کے انتخاب جنھیں مقابلتاً

بے اندازہ محنت اور ذرائع کی امداد حاصل ہوتی ہے، نہ صرف نہایت سخت تنقید بلکہ بعض اوقات مذمت تک کا شکار ہوجاتے ہیں ـ شاید ادب کی دنیا میں کسی نہ کسی حد تک یہ ایک ناگزیر عمل ہے ـ

بہرحال انتخاب جدید جلد اول کے وقت شعری انتخابات کے سلسلے میں اتنا اشاعتی مقابلہ بھی نہ تھا ـ دائرہ کار بھی نسبتاً محدود تھا اور اتنے مکاتیب تخلیقات بھی نہ تھے اپنی اشاعت کے وقت اسے ایک نظریاتی طور پر غیر متعصب ادارے، انجمن ترقی اردو اور ایک بہت قدآور شخصیت ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی سرپرستی میں شائع ہونے کے سبب ایک خاص مستند اور نمایندہ دستاویز سمجھا گیا اور اب بھی سمجھا جاتا ہے ـ ۱۹۴۲ء میں مخدومی فیض صاحب نئے نئے ابھرے تھے اور کھلے طور پر انجمن ترقی پسند مصنفین کے رکن تھے لیکن انتخاب کرنے والوں نے ان کا کلام شامل اشاعت کیا ـ

پاکستان بننے کے بعد ایک دو اداروں نے الگ الگ کوشش کی کہ ایسے انتخابات کا سلسلہ جاری رہے ـ بعض نے سالانہ انتخابات کے سلسلے شروع کیے بعض نے چند سالہ ادوار کو محیط کرنا چاہا کئی جائزے چھپتے رہے ہیں لیکن اب بڑی کہانیاں شروع ہوسکتی ہیں ـ بہرحال ہم یہ کہیں گے کہ اپنے اپنے طور پر اپنی اپنی ذہنی اور مالی محدودات میں سبھی نے اردو کی کافی خدمت کی ہے ـ

اب یہ زیر نظر انتخاب جدید "جلد" دوم لیجیے کئی برس پہلے صدر انجمن جناب اخترحسین، ممتازحسن صاحب اور پیر حسام الدین راشدی مرحوم نے طے کیا کہ انتخاب کا سلسلہ جاری کردیا جائے ـ راقم الحروف کو شبہ تھا کہ انجمن کے وسائل اور پاکستان کی ادبی

"کیفیات" کے پیش نظر انجمن کی طرف سے شائع ہونے والا کوئی بھی انتخاب جلد اوّل جیسی سند قبول حاصل کرسکے گا اور اکثروبیشتر صورتوں میں مقبول بھی ہوگا لیکن ان محترم عہدہ داران کی خواہش ایک فیصلے کی حیثیت رکھتی تھی - انھوں نے جناب ڈاکٹر وزیر آغا سے وعدہ لیا کہ جلد دوم وہ مرتب کریں گے -

انجمن ڈاکٹر صاحب موصوف اور ان کے محترم شرکائے کار ڈاکٹر انور سدید اور جناب سجاد نقوی صاحبان کی ممنون ہے کہ انھوں نے کسی معاوضے کے بغیر یہ اہم کام سرانجام دیا -

حسب دستور انتخاب کا معیار بھی مرتبین نے مقرر کیا جو ڈاکٹر وزیر آغا کے مقدمے کے آخر میں واضح کردیا گیا ہے (صفحہ ۳۲)- کاش وہ ،اور ہم، اس کا دائرہ زیادہ سےزیادہ وسیع کرسکتے - ہم اپنے وسائل کی کمی کے سبب ایسا نہ کرسکے - ان کی اپنی وجوہ بھی ہوں گی جن کا احترام ناشرین کی حیثیت سے ہم پر فرض ہے اور وہ ضخامتی محدودات کے پابند بھی تھے -

ایک بات صاف کردی جائے - انجمن اسے ایک نمایندہ انتخاب کے طور پر شائع نہیں کر رہی - ۱۹۲۷ء سے ۱۹۶۵ء تک بھی پاکستان میں مختلف اصناف میں اردو شاعری کی ضخامت اور کوالٹی اتنی زیادہ ہوچکی تھی اور اس کے نقادوں میں ایسے ایسے (غالباً جائز) تاثرات و تعصبات اور اختلافات پیدا ہوچکے تھے کہ کسی بھی ادارے یا فرد کے زیر انتظام کوئی تفصیلی اور بڑی حد تک غیرمتنازعہ انتخاب ممکن نہیں ہوا - یہی صورت حال آج بھی ہے بلکہ اور بھی پیچیدہ ہوچکی ہے - مثالاً ۱۹۸۱ء سے ایک محترم درسگاہ فیڈرل گورنمنٹ سرسیّد کالج، راولپنڈی نےچار جلدوں پر مشتمل "پاکستانی ادب" کےعنوان سے ایک عظیم الشان

سلسلہ انتخاب شائع کیا ہے ۔اسے سرکار کی طرف سے نہایت معقول مالی امداد بھی ملی ہے اور اس کے محترم مرتبین بھی کسی ایک مکتب فکر سے تعلق نہیں رکھتے ۔ ضخامت کی محدودات ذرا حائل نہیں معلوم ہوتیں، صاف اندازہ ہوتا ہے کہ بہت محنت کی گئی ہے اور بہت روپیہ خرچ ہوا ہے ۔ لیکن اس کی بے شمار خوبیوں کے باوجود اسے ایک غیر متنازعہ انتخاب قرار نہیں دیا جاسکا ہے اس کی دستاویزی اہمیت میں کلام نہیں اور ناسپاسی ہوگی اگر اس کے مرتبین کی محنت اور منتظمین کی ہمت پر تحسین و آفرین ریکارڈ پر نہ لائی جائے ۔ یہ جیسا کہ عرض کیا گیا ہمارے غیر ادب دوست معاشرے میں ایک عظیم الشان کارنامہ ہے ۔ مگر یہ بھی ہے کہ اس میں بہت سے قابل ذکر شعرا و ادبا کو نظر انداز کیا گیا ہے اور پاکستان میں لکھی جانے والی بہت سی نہایت عمدہ تخلیقات نظم و نثر شامل نہیں کی گئیں ۔ یا نہیں کی جاسکیں ۔

یہ صرف ایک مثال دی گئی ہے ۔ ہمارا مقصود "پاکستانی ادب" کی تنقیص کرنا نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ جب ایک ایسے باوسیلہ منصوبے میں چند خامیاں در آسکتی ہیں،جب سرکاری اور بڑے اداروں کے زیر اہتمام شائع ہونے والے جائزوں میں بڑی بڑی باتیں نظر انداز ہوجاتی ہیں، جب انتخاب ہے ہی ایک قابل تنازعہ عمل،تو ہم زیر نظر انتخاب جدید حصّہ دوم جیسی بے وسیلہ اور ضخامت کی محدودات میں مبتلا اشاعت کو کسی طور ایک نمایندہ یا مکمل انتخاب کے طور پر پیش نہیں کرسکتے ۔

دراصل یہ جلد دوم فاضل مرتبین کا عکس انتخاب و نقد ہے ۔ انھوں نے ایک دور کی اردو شاعری کو جس طرح دیکھا اور پسند کیا اس انتخاب کے ذریعے ظاہر

کردیا ہے۔انجمن اس سلسلے میں محض ایک ممنوں ناشر کی حیثیت رکھتی ہے اور عاجزانہ گزارش کرے گی کہ اسے اس انتخاب کا ہم رائے نہ سمجھا جائیے۔اس وضاحت پر اصرار اس لیے ضروری ہوا کہ انجمن، پاکستان میں موجودہ ادبی فضا کے مناقشات میں حصّہ لینےکی متحمل نہیں ہوسکتی اور یہ سلسلہ منقطع کرنے پر بھی خوش نہ ہوتی ۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ انتخاب کی ذمہ داری لیے بغیر آیندہ بھی انجمن منتظر رہے گی کہ اہل دل اٹھیں اور ۱۹۲۷ء سے ۱۹۸۱ء تک کی اردو شاعری (جملہ اصناف کی وہ اردو شاعری جو پاکستان میں ہوئی)کا ایک اور انتخاب مرتب کردیں ۔ اگر اسی سائز کے صفحات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ ہونے دی جائے تو انشاءاللہ انجمن اسے بھی شائع کرنا چاہے گی ۔ آج اردو شاعری کا دامن ماشاءاللہ اتنا وسیع ہوچکا ہے اور تنقید کےمکاتیب و ماہرین اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ اب انجمن جیسے محدود وسائل کا غیر سرکاری ادارہ کسی ایک یا دو تین مکاتیب فکر یا خواتین و حضرات کو اپنے طور پر دعوت نہیں دے سکتا۔ اگر کسی سبب سے یہ دعوت عام ۱۹۸۲ء کے اواخر تک قبول نہ کی گئی تو ہم تیسری جلد کا منصوبہ اگلے چند برسوں تک معطل رکھنے پر مجبور ہوں گے ۔

ان وضاحتوں کے بعد بھی ایک اور گزارش تقریباً دہرانی ہے ۔ انجمن اس انتخاب کے سلسلے میں فاضل مرتبین کی ہم رائے تو ہے ہی نہیں جیسا کہ عرض کر دیا گیا ، لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ اسے فاضل مرتبین کے معیار و انتخاب سے کوئی اختلاف ہے۔ نہیں یہ بات بھی نہیں ہے اس ضمن میں وہ محض ایک ناشر ہے ۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ادب کا ، بطور خاص

شاعری کا، کوئی انتخاب بھی مثالی اور مکمل نہیں ہوا کرتا، لیکن جس انتخاب کے مرتبین اتنے فاضل اور محنتی ہوں اسے پیش کرتے وقت کوئی اختلافی نوٹ تو کیا غیر ضروری تحفظات سے کام لینا بھی محترم مرتبین اور ان محترم تخلیق نگاروں کے ساتھ نا انصافی ہوگی جن کا کلام اس اشاعت میں شامل کیا گیا ہے ـ بہت دن سے انجمن عصری تخلیق و تنقید کی اشاعت سے گریز کرتی ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اپنے مولفین، مترجمین اور مرتبین کے منتخب کرنے کی ذمہ داری اسی کی ہے ـ بعض امہات الکتب بھی متنازعہ ہیں لیکن انجمن نے ان کے ترجمے چھاپے، مخطوطات تک کے معاملے میں اشاعتی ترجیحات سے کام لینا پڑتا ہے اور انجمن کو ان کی پوری ذمہ داری قبول کرنی ہوتی ہے ـ اسی طرح، ایک ادبی ناشر کی حیثیت سے انجمن اس اشاعت کے لیے پوری پوری ذمہ داری قبول کرتی ہے ـ اسے خوشی ہے کہ محترم مرتبین نے صدر انجمن اور دو بہت فاضل اراکین منتظمہ کی ایک نہایت مخلصانہ خواہش پوری کی اور اپنے وقت کا ایک قیمتی حصّہ اپنی صوابدید کے مطابق اس نہایت اہم اشاعت کے لیے صرف کیا ـ اس اشاعت کی اہمیت اس کے مندرجات سے ظاہر ہے ـ

یہ بھی بتادیا جائے کہ اس اشاعت کے لیے انجمن کے رفیق قدیم اور فعال مددگار جناب ابن انشا مرحوم فاضل مرتب ڈاکٹر وزیر آغا صاحب سے اصرار کرتے رہتے تھے ـ لیکن اس منصوبے سے عملاً وابستہ رہنے کے سبب ان کی خواہش تھی کہ خود ان کا کلام شامل انتخاب نہ کیا جائے اگر یہ اشاعت ابن انشاء مرحوم کی زندگی میں ظہور پذیر ہوتی تب بھی ہم یہ فیصلہ ان پر نہ چھوڑتے کہ وہ اپنا کلام منتخبہ اس میں

شامل رہنے دیتے ہیں یا نہیں، لیکن اب کہ یہ اشاعت آئی ہے اور وہ ہم میں نہیں ان کا جو کلام فاضل مرتبین نے انتخاب کیا اس کی زینت ہے۔ راقم الحروف کا کچھ کلام بھی انتخاب میں شامل تھا مگر وہ اس سے حذف کر دیا گیا ہے۔

۱۹۸۱ء

مضامین پریم چند

مرتبہ

عتیق احمد

پہلا ایڈیشن

منشی پریم چند کی ادبی شہرت اور عظمت عموماً
ان کی دو خصوصیات سے منسوب کی جاتی ہے - پہلی یہ
کہ انھوں نے اردو میں "جدید" افسانے کو عام کیا
دوسری یہ کہ وہ ایک بہت بڑے افسانہ نویس اور ناول
نگار تھے -

یہ دونوں وجوہ شہرت درست بھی ہیں - بڑی حد
تک ان کی عظمت بھی انھی پر قائم ہے، لیکن ادب کے
خاص طالبِ علموں کو چھوڑ کر ان کی ایک بڑی صفت سے
بہت کم لوگ واقف ہیں - وہ یہ کہ وہ ایک ناقد، مبصر
اور مقالہ نگار بھی تھے - ہوتا یہ ہے کہ بعض،
بلکہ بیشتر، بڑی ادبی شخصیات کی کئی دوسری خوبیاں
ان کی تخصیصی شہرت کے سامنے ماند پڑجاتی ہیں، یہاں
تک کہ لوگ انھیں بھول جاتے ہیں، جبکہ وہ ان کی
مجموعی شخصیت کے اہم عناصر میں شامل ہوتی ہیں -

لیونارڈ و داونجی کی مثال سامنے ہے- وہ معمار
انجینئر، سائنس داں، موجد نہ جانے کیا کچھ تھا،
اور ان میں سے ہر شعبے میں ایک غیر معمولی حیثیت
رکھتا تھا، مگر اس کی وجہ شہرت مونالیزا ہوئی -
اس حد تک کہ آج بیشتر لوگ اسے ایک مصوّر کی حیثیت
سے جانتے ہیں -

ہمارے ہاں صرف غالب ایسے خوش نصیب گزرے ہیں
جن کے شعر اور نثر دونوں کو اب تک بہت بڑا مقام دیا
جاتا ہے - بیشتر لوگ جنھوں نے نظم ونثر دونوں میں
طبع آزمائی کی صرف ایک صنف کے حوالے سے پہچانے
جاتے ہیں، مثلاً حضرت حفیظ جالندھری نے افسانے بھی

لکھے (ان کا مجموعہ ہفت پیکر بھی چھپا تھا) لیکن ان کا تشخص ان کی شاعری سے ہوا ۔ مولانا محمد حسین آزاد نئی نظم کے متقدمین میں ضرور یاد کیے جاتے ہیں، مگر ان کی بڑائی ان کے نثری اسلوب سے مختص ہے ۔ پروفیسر احتشام حسین اور پروفیسر آل احمد سرور دونوں شاعر بھی ہیں بلکہ پروفیسر احتشام حسین نے افسانے بھی لکھے ہیں لیکن دونوں حضرات اہم نقّادوں کے طور پر جانے جاتے ہیں ۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ پچھلے دنوں فیض صاحب کے دو نثری مجموعے بھی آئے مگر اکثر و بیشتر لوگوں کے لیے وہ ایک بڑے شاعر ہی ہیں اور رہیں گے ۔

یہ سب کسی کی کسی کے ساتھ کوئی دانستہ زیادتی نہیں ۔ بس ایک روش عام ہے ۔ ہاں ادب کے سنجیدہ طالب علموں اور قارئین سے یہ توقع بے جا نہیں ہوگی کہ وہ ادیب کی مجموعی تخلیقی شخصیت سے پوری طرح آگاہ رہیں ۔ اس طرح انہیں نہ صرف نقش ہائے رنگ رنگ نظر آئیں گے بلکہ وہ اس شخصیت کا صحیح مقام بھی متعیّن کر پائیں گے ۔ ایک بڑے بادل کی قدر و قیمت صرف اس معیار سے متعیّن نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی ایک خطّے، کسی ایک علاقے پر کیسا برسا۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اس نے کتنے علاقے سیراب کیے ۔

پریم چند یقیناً اردو افسانے اور ناول کے اوّلین تاج داروں میں غالباً سب سے زیادہ قابل ذکر اور قابل احترام شخصیت ہیں، مگر وہ ڈرامہ نویس بھی تھے ، سوانح نگار بھی ، انھوں نے پرانی طرز کی کہانیاں بھی لکھیں اور "غیر تخلیقی" ادب بھی کثیر مقدار میں تخلیق کیا یعنی ادبی تنقیدیں، مضامین ، تبصرے، مقالے ۔ مگر ان کے یہ غیر افسانوی کارنامے فراموش کردیے گئے ۔

ہم پروفیسر عتیق احمد کے ممنون ہیں کہ انھوں نے پریم چند کے کوئی تین درجن ادبی اور تنقیدی مضامین اور مقالوں کو اس کتاب میں جمع کر دیا۔ پاکستان میں پریم چند کی ایسی تحریروں کا کوئی مجموعہ اب تک نہیں چھپا تھا۔ یہ مجموعہ پاکستان کے اردو ذخائر میں ایک بیش قیمت اور تاریخی اضافہ ہے اور غالباً ہندوستان کی پریم چندی اشاعتوں میں بھی۔

ذرا ان مضامین میں موضوعات ، اسلوب اور طرز تحریر کا تنوّع دیکھیے۔ فارسی اور سنسکرت شاعری ، ہندی اور اردو شاعری اور شعرا پر پریم چند کی محنت اور روپئے،ناول اور افسانے اور ڈرامے اورسماجی موضوعات پر بھی مختصر ہونے کے باوجود گہرے گہرے تبصرے۔ پریم چند کی شخصیت ہر جہت سے کیسی امیر اور روشن نظر آتی ہے۔ انھوں نے تقریباً ساڑھے تین سو کہانیاں لکھیں، دو درجن سے زیادہ اردو،ہندی ناول ڈرامے اور بے شمار ادبی اور سیاسی تبصرے۔اتنا کام کرتے رہنا اور ساتھ ساتھ ایسے سنجیدہ تنقیدی مضامین اور مقالات اور عمرانیات لکھتے رہنا ان کی کئی اہم،گو کم معروف صفات کا ثبوت ہے، مثلاً یہ صفت کہ وہ اتنے کثیر المطالعہ تھے، مثلاً یہ صفت کہ ان میں کیسی گہری تنقیدی صلاحیت تھی، مثلاً یہ صفت بھی کہ وہ اپنی بات کہنے کے لیے کسی ایک میڈیم کی حدود میں رہنے پر مطمئن نہ تھے۔ اپنے مخصوص اور وجہ شہرت میڈیم کا پابند نہ رہنا بھی ان لوگوں کا ایک نشان عظمت ہے جو اپنے سوالات اور جوابات ، یعنی انسانی درد و فکر پر اپنا پیغام، اپنے خیالات ، مفاد عامہ کے لیے عام کرنے میں مفروضات معیار و انا کو اپنے اصل مقصد پر حاوی نہیں ہونے دیتے۔

پریم چند صدی کے سلسلے میں ہونے والی تقریبات

کی اہمیت مسلّم ہے، مگر ان سے زیادہ ضروری کام ان کے مختلف ذہنی گوشوں پر توجہ تھی ۔ اس سلسلے میں ہندوستان نے خاصی محنت کی ہے ۔ یہاں پاکستان میں پروفیسر عتیق احمد نے یہ اختصاص حاصل کیا کہ ان تحریروں کی تلاش اور ترتیب پر ایسی قابل قدر محنت کی ۔ ان تحریروں سے نہ صرف پریم چند کی مجموعی شخصیت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے بلکہ اردو تنقیدی ادب کے ارتقا اور تاریخ کے مطالعے میں بھی کئی آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں ۔ پریم چند کی یہ تحریریں مختلف ایسے رسائل اور کتابوں میں منتشر تھیں جن کی دستیابی بجائے خود ایک سخت مرحلہ تھی۔ فاضل مرتّب نے یہ مواد کوئی ڈیڑھ سال کی تلاش اور تگ و دو کے بعد جمع اور مرتّب کیا ہے ۔ ممکن ہے کہ ان کی رسائی کئی ذرائع تک نہ ہوسکی ہو یا کوئی تحریر سہواً چھوٹ گئی ہو، لیکن ہمیں یہ کہنے میں انتہائی مسرّت محسوس ہوتی ہے کہ ہندوپاک ثقافتی تعاون کی ان گنت محدودات کے باوجود جو کارنامہ انھوں نے سرانجام دیا وہ اِس کے لیے انجمن اور ہند و پاک دنیائے ادب کے دلی شکریے کے مستحق ہیں ۔

ایک زمانے میں پریم چند انجمن ترقی اردو کے سرگرم معاون اور کارکن بھی تھے ۔ گو یہ ایک اضافی نسبت ہے لیکن انجمن ترقی اردو اپنی تاریخ کے اس دور کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی ۔ اس نسبت سے بھی ہمارے لیے اس کتاب کی اشاعت ایک ادائیگی قرض کی حیثیت رکھتی ہے ۔

۱۹۸۱ء

سہلٹ میں اردو

مصنفہ

محمد عبدالجلیل بسمل

پہلا ایڈیشن

جنوبی ایشیا کی زبانوں میں اردو وہ واحد زبان ہے جس کا پھیلاؤ تقریباً پورے خطے میں ہے ـ اس زبان کی مقبولیت کی بیّن دلیل یہ ہے کہ اس خطۂ ارض کے کئی علاقے ایسے ہیں جن کا یہ ادعا ہے کہ اردو کا آغاز وہاں ہوا۔ لیکن تحقیق و تدقیق کے باوجود آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہوسکا کہ یہ فخر کلّی طور پر کس علاقے کو حاصل ہے ـ اس کے باوجود یہ بات بغیر کسی تردید کے کہی جاسکتی ہے کہ یہ زبان صدیوں سے "برصغیر" کے عوام کے اظہار خیال کا ذریعہ رہی ہے، چناں چہ جب فارسی سرکاری اور دفتری زبان تھی اس وقت بھی عام بول چال کی زبان اردو ہی تھی اور برّصغیر کے تمام حصوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھی ـ اٹھارہویں صدی کے آخری ربع میں جب گلکرسٹ نے سورت سے مشرقی ہند تک سفر کیا تو اس کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ "جس گاؤں اور جس شہر میں میرا گزر ہوا وہاں اس زبان کی مقبولیت کی، جو میں سیکھ رہا تھا، مجھے ان گنت شہادتیں ملیں، جنھوں نے مجوزہ کتاب کی تکمیل کے شوق کو تیزتر کردیا" ـ

بعد میں جب فارسی زبان کو دفتروں سے نکال کر اس کی جگہ اردو کو دی گئی اس وقت اس کو اور بھی مقبولیت ہوئی اور ہر علاقے میں علمی اور ادبی کام ہونے لگا ـ نظم و نثر میں کتابیں لکھی جانے لگیں تمام برّصغیر کے طول و عرض میں بے شمار شعرا اورنثرنگار اس زبان میں اپنی جولانی طبع کا اظہار کرنے لگے ـ آسام جیسا علاقہ جو اردو کے "مراکز" دہلی اور لکھنو

سے دور تھا، اس زبان کو اپنائے بغیر نہ رہ سکا ۔ چناں چہ سلہٹ جو پہلے آسام کا ضلع تھا اور قیام پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں ملا دیا گیا تھا، وہاں بے شمار اردو شعرا پیدا ہوئے یہاں کے بہت سے لوگوں نے اردو نثر میں اپنی تصانیف پیش کیں اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اردو میں ہونے کی وجہ سے عوام اس سے زیادہ مستفید ہوں گے ۔

پچھلے ڈیڑھ دو سو سال میں اردو نظم و نثر کا جو سرمایہ جمع ہوا وہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے اتنا وقیع تھا کہ اس کے ذکر کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت محسوس ہونے لگی ۔ اس کام کی انجام دہی کے لیے ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو ایک طرف زبان کا ستھرا مذاق رکھتی ہو اور دوسری جانب ایسا ٹھوس کام کرنے کی لگن ہو ۔ خوش قسمتی سے بسمل صاحب ان دونوں خوبیوں سے متصف ہونے کے ساتھ اس علاقہ کی ادبی سرگرمیوں کا ذاتی تجربہ رکھتے ہیں ۔ وہ اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں نو سال سلہٹ میں مقیم رہے ۔ اس طویل مدت میں انھوں نے مقامی لوگوں سے مل کر اور تحریری مواد سے مدد لے کر سلہٹ کے شعرا اور ادبا کا ایک جامع تذکرہ تیار کیا اور ایسے وقت میں یہ کام انجام دے لیا جب اس کے لیے حالات سازگار تھے ۔ اب تو حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ کوئی انتہائی کوشش کرے تب بھی یہ مواد جمع نہیں کر سکتا ۔ نہ وہاں کا وہ ماحول رہا جو اس وقت تھا اور نہ وہ لوگ رہے جو اس کام میں دل چسپی لیتے تھے ۔ ۔

ع آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

ان امور کے پیش نظر ضرورت سمجھی گئی کہ اس سرمایہ کو جو جناب محمد عبد الجلیل بسمل صاحب نے اتنی محنت اور لگن سے جمع کیا ہے محفوظ کردیا جائے، لہذا انجمن ترقی اردو کراچی نے جس کے فرائض میں یہ شامل ہے کتاب ہذا کی اشاعت کو اپنے منصوبے میں شامل کیا اور اب وہ اس کو زیور طبع سے آراستہ کر رہی ہے۔ اس کی اشاعت سے جہاں یہ فائدہ ہوگا کہ یہ قیمتی سرمایہ ضائع ہونے سے بچ جائے گا وہاں ان طبقات کے لیے جنھوں نے اردو کو دیس نکالا دینے کے لیے سردھڑ کی بازی لگادی یہ تحریری دستاویز بھی فراہم ہوجائے گی کہ ان کے اپنے بزرگوں کا رویہ اس زبان کے ساتھ کیا تھا اور وہ اسے کس طرح سینے سے لگائے ہوئے تھے۔

امید ہے کہ اردو سے دلچسپی رکھنے والے حضرات انجمن کے اس اقدام کو سراہیں گے۔

۱۹۸۱ء

مکاتیب

عبدالحق بنام محوی

عبدالقوی دسنوی

پہلا ایڈیشن

بابائے اردو کے غیر مطبوعہ خطوط کتنے ہیں یہ ابھی تک معلوم نہیں ۔ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس ہیں ۔ یہ بھی پورے طور پر نہیں معلوم ۔ ہماری کوشش برابر رہتی ہے کہ جیسے جیسے ان کا پتا چلے وہ کسی نہ کسی طور پر شائع ہوجائیں ۔ مشاہیر کے خطوط قانوناً مکتوب الیہ کی ملکیت ہوتے ہیں ۔ بعض اہل دل بے قیمت دے دیتے ہیں یا کہیں چھپوا دیتے ہیں بعض ان کی نقلیں فراہم کرنے پر تیار ہوجاتے ہیں مگر اصل خطوط کو اپنے ثقافتی اثاثوں میں شمار کرتے ہوئے اپنے پاس ہی رکھتے ہیں بعض ان کی قیمت بھی وصول کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں (مغرب میں یہ رواج عام ہے ابھی پاکستان میں عام نہیں ہوا)۔ اس بار یہ خطوط انجمن کے جریدے سہ ماہی "اردو" (شمارہ ۱۹۸۰ء) میں تو شائع کردیے گئے تھے لیکن طے ہوا کہ انھیں کتابی صورت بھی دے دی جائیں۔ ان کی تعداد کم ہے لیکن اسی طرح آہستہ آہستہ ایک بڑی کتاب کی تیاری بھی ہو جائے گی ۔ انجمن پورے خلوص کے ساتھ چاہتی ہے کہ بابائے اردو کے تمام غیر مطبوعہ خطوط کبھی نہ کبھی ایک جلد میں جمع ہوسکیں ۔ اہل دل کا تعاون درکار ہے ۔ راقم ان میں سے کئی بزرگوں سے بار بار زبانی درخواست کرچکا ہے ۔

بابائے اردو کے غیر مطبوعہ ۳۶ خطوط کو جمع اور محفوظ کرنا ایک قومی اور ادبی فریضہ ہے ۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کی ذات اردو زبان کے لیے فی الحقیقت ایک محبت شعار باپ کی سی تھی ۔

انھوں نے پدرانہ محبت و شفقت سے اس زبان کو پروان چڑھایا اور اپنی پوری زندگی اس کی ترقی و اشاعت میں صرف کردی ۔ اس زبان کے یقیناً بے شمار محسنین ہیں جنھوں نے اس کے دامن کو اپنی تحریروں سے وسیع کیا لیکن حق یہ ہے کہ بابائے اردو کی طرح کسی نے بھی صرف اسی کو اپنا نصب العین حیات نہیں بنایا ۔ انھوں نے اپنی زندگی کو اردو زبان کی خدمت کے لیے وقف کردیا اور اسی دھن میں لگے رہنے کے ساتھ آخر کار دنیا سے رخصت ہوگئے ۔

بابائے اردو کا ہر قدم اردو زبان کی ترقی و اشاعت کے لیے اٹھتا تھا اور ان کو ہر لمحہ اسی بات کی فکر رہتی تھی کہ اگر ممکن ہو تو اس زبان کے دامن کو پھیلا کر تمام دنیا کو اسی کے زیر سایہ لے آئیں ۔ چناں چہ ان کے نجی خطوط بھی بیشتر اردو زبان کے ذکر سے پُر ہوتے تھے ۔ کبھی انجمن کے نئے مراکز قائم کرنے کی تجویزیں پیش ہو رہی ہیں کبھی مقامی لوگوں کو اردو زبان سکھانے پر زور دیا جا رہا ہے اور کبھی اردو زبان کے رسائل، اخبارات اور کتابیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں چھاپنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے ۔

غرض اردو زبان کو ترقی دینے میں مولوی عبدالحق صاحب نے جو تگ و دو کی ان کے بیشتر نجی خطوط ان کا ایک جامع خاکہ ہیں ۔ ان خطوط سے بہت سی وہ باتیں معلوم ہوجاتی ہیں جن سے واقفیت کا اور کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے ۔

ابھی تک حسب ذیل مجموعے شائع ہوچکے ہیں ۔

(۱) اردو کے مصنّف ، ہاشمی فرید آبادی

(۲) مکتوبات عبدالحق مرتبہ جلیل قدوائی

(۳) خطوط عبدالحق مرتبہ اکبرالدین صدیقی

(۲) اقبال اور عبدالحق مرتبہ ممتاز حسن

اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ مجموعہ مکاتیب ہے جس کو پروفیسر عبدالقوی صاحب دیسنوی نے "عبدالحق بنام محوی" کے عنوان سے مرتب کرکے اشاعت کے لیے انجمن کو دیا ہے۔ تقریباً تمام مکاتیب زبان کی لطافت و شگفتگی، بے تکلفی و ظرافت اور اردو زبان کو ترقی دینے کی سعی و کوشش کا ایک دل کش اور واضح مرقع ہیں لیکن سورج کی روشنی پر گفتگو کے لیے کوئی دوسرا سورج ہی درکار ہے۔ بابائے اردو کے محاسن نگارش اتنے جانے جا رہے ہیں کہ ان پر ہمارا کچھ کہنا ضروری نہیں رہا۔

امید ہے یہ کتاب بھی علمی اور ادبی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔

۱۹۸۱ء

مثنوی

عاقبت بخیر

مصنفہ

سید ساجد علی فنائی

مرتبہ

افسر صدیقی

پہلا ایڈیشن

دسویں صدی ہجری میں بیجاپور اور گولکنڈے کے والیان ریاست نے اپنے اپنے علاقے میں اردو کو دفتری زبان کا درجہ دے کر اس قابل بنادیا تھاکہ وہ روزانہ کے کاروبار میں استعمال ہونے لگی تھی ۔ حاکم شاعری بھی کرتے تھے اور حکومت بھی ۔ ان کی دیکھا دیکھی عوام میں بھی اردو کو مقبولیت حاصل ہوگئی تھی۔اس صورت حال کے مقابلے میں شمالی ہند میں جہاں گورگانی سلطنت کا دور دورہ تھا معاملہ ہی دوسرا تھا ۔ بابر سے اکبر بلکہ اس کے بعد کے حاکموں تک اپنے دفتروں میں فارسی زبان برقرار رکھے ہوئے تھے ۔ بات چیت فارسی میں کرتے تھے خط کتابت میں فارسی کا عمل دخل تھا ۔ حاکموں کا اثر رعایا پر ہوتا ہے۔اونچے طبقے فارسی ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتے تھے ۔ درس گاہوں میں فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ کاروبار میں فارسی کا بول بالا تھا ۔ گفتگو فارسی میں ہوتی تھی ۔ ظاہر ہے ان حالات میں اردو کی طرف کون توجہ کرتا ۔ یہ غریب زبان تو نہ کسی کو سرکار دربار تک پہنچا سکتی تھی نہ خورد و نوش کی فراہمی میں مددگار ہوسکتی تھی اور نہ زندگی کے کسی مرحلے پر ان کی دستگیری کرسکتی تھی اس لیے عوام بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوسکے ۔

جو زبان رواج میں نہیں ہوتی اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی مسدود رہتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے تک جو ۱۷۰۷ ء / ۱۱۱۸ھ میں ختم ہوا ، نہ کوئی قابل ذکر تصنیف اردو

زبان میں مکمل ہوسکی نہ کوئی مضبوط صاحب دیوان شاعر پیدا ہوسکا ۔ سید مسعود حسین ادیب نے شمالی ہند کا پہلا اردو شاعر فائز کو قرار دیا ہے اور اس کا دیوان اردو اپنے ایک مبسوط مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے ۔ بعض لوگ شاہ مبارک آبرو کو اس علاقہ کا پہلا شاعر قرار دیتے ہیں ۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ جامعیت کے لحاظ سے جعفر زٹلی کو ان دونوں کے مقابلے میں تقدم زمانی حاصل ہے جس نے عوامی شاعر کی حیثیت سے اپنے افکار و خیالات کا کافی ذخیرہ چھوڑا ہے ۔ ہمیں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بارھویں صدی ہجری کے آغاز سے قبل شمالی ہندوستان میں اردو کا رواج نہ تو نظم نگاری میں تھا نہ نثری تصانیف میں، اندازہ ہے کہ کہیں کہیں ہندی الفاظ کے شمول کے ساتھ باہمی گفتگو میں استعمال ہوتی تھی ۔ البتہ برطانوی حکومت کے آغاز نے اردو کو عوام کی زبان بنایا ۔ اس میں شعر و شاعری کے چرچے بھی زیادہ شروع ہوئے اور تصنیف و تالیف کا بھی دور دورہ ہوا۔ اس دور میں ہمیں جو منظوم تصانیف نظر آتی ہیں ان میں شاعری کے دواوین سے قطع نظر مثنویوں کے بھی نام نظر آتے ہیں ان میں سے ایک مثنوی جنگ دو جوڑا کے نام سے ہے جو ۱۲۰۹ھ میں واقع ہوئی تھی اور دوسری عاقبت بخیر ہے جو رنجیت سنگھ والئ پنجاب اور نواب مظفرخاں والئ ملتان کی جنگ کے حالات میں ہے۔ یہ جنگ ۱۲۳۲ھ میں لڑی گئی تھی جس میں نواب مذکور اپنے پانچ فرمانبردار اور بہادر بیٹوں کے ساتھ میدان جنگ میں شہادت سے ہمکنار ہوئے تھے ۔ یہ دونوں انجمن ترقی اردو کراچی نے مرتب کرا کر شائع کر دی ہیں ۔ دوسری شمالی ہندوستان کی تصنیفات کی تلاش جاری ہے۔ ہمیں امید ہے کہ بہت جلد کارکنان انجمن اس میں کامیابی حاصل کرسکیں گے ۔

۱۹۸۱ء

تہافت الفلاسفہ

مصنفہ

امام ابو محمد غزالی

مترجمہ

پروفیسر ابوالقاسم محمد انصاری

مقدمہ

ڈاکٹر منظور احمد

پہلا ایڈیشن

حضرت امام غزالی کی تصنیف "تہافت الفلاسفہ امہات الکتب میں شامل ہے۔ امہات الکتب کی اشاعت انجمن کے مستقل اور اہم منصوبوں میں ایک ایسا منصوبہ ہے جس پر آہستہ آہستہ کام ہوتا رہتا ہے۔ یقیناً کئی امہات الکتب ایسی ہیں جن کے کچھ اجزا بیسویں صدی کے اس حصّے میں ترقی علوم، بطور خاص تجربی علوم، کے سبب ایک لحاظ سے غیر ضروری لگتے ہیں، لیکن ان کی تاریخی اہمیت اب بھی مسلّم ہے، بلکہ یہ مسلّمہ اور بھی اجاگر ہوتا ہے کہ اگر اپنے زمانے میں وہ اجزا نہ لکھے جاتے، وہ مباحث سامنے نہ آتے تو رفتار فکر اس تیزی سے اپنے ارتقائی منازل طے نہ کرتی۔

آج "تہافت الفلاسفہ" کی چند بحثیں، مثلاً حدوث و قدم پر گفتگو نہ لا دینی نظام فکر میں پرانے زمانے جیسی اہمیت رکھتی ہیں نہ آج کے نظام فکر میں، کیوں کہ اب لادینی نظام فکر میں بھی بگ بینگ نظریہ (BIG BANG THEORY) تقریباً ایک ثابت شدہ کلیے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ہیلیم گیس HELIUM GAS کی دریافت، دوسرے بے شمار شواہد، تجربے اور تجزیے عالم کو "حادث" ثابت کر چکے ہیں اور اب کسی مکتب فکر کے جدید علماء اپنے مقالوں اور کتابوں میں اس مسئلے پر مناظرے کرتے نظر نہیں آتے، لیکن یہ تجربی منزلیں بھی انھی فکری مشقوں کی ارتقائی کڑیاں ہیں جن پر امام غزالی جیسے بہترین دماغوں نے ایمان کے زور پر بے مثال محنت کی تھی (مدت سے مسلمان علما چند ایسے دلائل کے حق میں جو امام غزالی

نے تخلیق کائنات، اختیارات الٰہیہ اور حشر اجساد پر دیے ۔ سائنسی انکشافات کی تائید پیش کرتے رہے ہیں جب کہ اصولاً ایسے اجزائے ایمان کے لیے سائنس کی تائید ضروری نہیں بلکہ کسی حد تک معذرتیہ APOLOGY بن جاتی ہے ۔ سائنس اپنے کسی انکشاف یا دریافت کو آخری نہیں کہتی اور یہی اس کی خوبی یا عیب ہے ۔ بہرحال ایک بات بڑی حیرت میں ڈالتی ہے ۔ مشہور جرمن عالم، سائنس داں اور فلاسفر ایرخ جینش ERICH JANTSCH کی ایک کتاب ۱۹۷۹ء میں چھپی ہے جس کا نام ہے SELF ORGANIZING UNIVERSE (مطبوعہ پرگمن پریس PERGAMON PRESS ہیڈنگٹن ہل ہال، آکسفورڈ ۔ اس کے بعض مقامات، حالاں کہ مصنف کا بنیادی نظریہ مذہبی نہیں، تہافت الفلاسفہ کے بعض دلائل سے حیرت انگیز طور پر واضح استفادہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں)۔

علاوہ ازیں اہم فلسفیانہ مسائل پر خاص طور سے ان مسائل پر جن کا اثر دین و ایمان پر پڑنے لگا تھا، حضرت امام غزالی کا جہاد جس میں انھوں نے وہی ہتھیار استعمال کیے جو رائج الوقت تھے اور جن کے بغیر شاید یہ لڑائی لڑی نہیں جاسکتی تھی اور ان کے افکار نہ صرف فلسفۂ اسلامی بلکہ فلسفۂ عالم کی تاریخ میں بھی بنیادی اہمیت حاصل کرچکے ہیں ۔ اس اردو داں طبقے کے لیے جسے فکر سے شوق ہے "تہافت الفلاسفہ" کا ترجمہ ایک خوب صورت سرمایہ ثابت ہوگا ۔

"تہافت الفلاسفہ" پر یہ پہلا اردو کام نہیں ہے اس وقت ہمارے سامنے ہندوستان پاکستان سے متعلق کوئی ایک جامع قاموس الکتب نہیں جس کی مدد سے ہم یہ پتہ چلاسکیں کہ اس کتاب پر اردو میں اور کتنا کام ہوا

ہے ۔ ایسی قاموس جو دونوں ممالک کی اردو کتابوں کی مکمل فہرست ہو اب تک شائع ہوئی نہ شاید مرتب ہو سکی ہے ۔ انجمن کی شائع کردہ قاموس الکتب ، جلد اوّل ایک بڑا کارنامہ ہونے کے باوجود علمی زبان میں "مکمل" نہیں ہے ۔ ہندوستان کی چند فہارس، کتابیات جو ہم تک پہنچی ہیں خود ہندوستان کی آدھی اردو کتابوں پر بھی محیط نہیں ۔ اس عالم میں یہ معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ "تہافت الفلاسفہ" کے اردو ترجمے کتنے ہیں ۔ ایک اہم کام ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کا ہمارے سامنے ہے جس کا نام "تہافت الفلاسفہ" تلخیص و تفہیم ہے یہ مولانا محمد حنیف ندوی کی کاوش ہے اور پہلی بار ۱۹۷۲ء میں چھپی تھی (ہماری اس اشاعت کے مقدمہ نگار محترم ڈاکٹر منظور احمد نے کسی وجہ سے اس کا ذکر اپنے مقدمے میں نہیں کیا) ۔ اس میں بقول ناشرین " ان تمام فکری و کلامی مضامین کا خلاصہ اور ان پر ہے لاگ خاکہ جو غزالی اور ابن رشد کے درمیان موضوع بحث رہے" جمع کرنے کا اعلان ہے اس کا مقدمہ بہت پُر مغز اور خوب صورت ہے اور اٹھاسی صفحوں پر مشتمل ہے ۔ وہ دراصل "تہافت الفلاسفہ" کے بیس ابواب پر نقد و تبصرہ کا "خلاصہ" ہے اور اس میں شک نہیں کہ مولانا ندوی نے جس حد تک علمی سطح پر ممکن ہے آسان زبان استعمال کی ہے ۔ صفحہ نواسی سے صفحہ دو سو انیس یعنی اختتام کتاب تک اصل کتاب کی اردو تلخیص و تفہیم ہے جو تمام و کمال حرف بہ حرف ترجمہ نہیں ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ تلخیص و تفہیم نہایت قابل قدر ہے ۔

ہماری اس کتاب میں صفحہ ۱۳ سے آخر تک (یعنی صفحہ دو سو پچاس تک) تمام کا تمام اصل کتاب کے پورے بیس ابواب کا لفظی ترجمہ ہے جس میں پروفیسر

ابو القاسم محمد انصاری نے تلخیص و تفہیم سے گریز کیا ہے
کہ اصل مقصد عربی متن کو اردو میں منتقل کرنا تھا
یہ بجائے خود ایک کارنامہ ہے۔
علمی کتابوں کے ترجمے بالکل آسان نہیں ہوسکتے
اصطلاحات کا استعمال اکثر اوقات ناگزیر ہوتا ہے۔
پہلے بھی علم دین و علم فلسفہ سے متعلق اصطلاحوں
کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس میں نہ تھا پھر بھی
ثقافتی روایات کے تسلسل نے عام مسلمان کو بڑی حد
تک کچھ زیادہ استعمال میں آنے والی اصطلاحات سے
واقف رکھا تھا، مثلاً حدوث و قدم، مثلاً واجب الوجوب،
وحدت الشہود، وحدت الوجود وغیرہ - لیکن اب تو عام
کیا "خاص" مسلمان بھی ان اصطلاحوں سے بہت کم واقف نظر
آتے ہیں - اس صورت حال کے اسباب ظاہر ہیں اور یہ
موقع نہیں کہ ان اسباب پر بحث کی جائے - عرض یہ
کرنا ہے کہ اس ترجمے میں بھی، مولانا ندوی صاحب
کے مقدمے اور تلخیص و تفہیم کی طرح اصطلاحات آتی
ہیں اور قاری کے لیے ضروری ہوگا کہ اگر ان سے واقف
نہیں تو کسی مستند ذریعے سے ان کے معانی سمجھ لے۔
انجمن کی ایک اشاعت ہے "مصطلحات علمیہ" از جناب
قاضی محی الدین اجمیری مرحوم - اس میں ایسی کئی
مصطلحات کے معنی بتائے گئے ہیں جو اس ترجمے میں
استعمال ہوئیں (گو وہ کتاب اپنی تمام تر خوبیوں کے
باوجود اس کے موضوع کی وسعتوں کو دیکھتے ہوئے خود
ہم نے نامکمل قرار دی ہے)۔ ان "مشکلات" کے باوجود
اور اس امر کے باوجود کہ یہ ترجمہ بہت محتاط ترجمہ
ہے اور اس میں اتباع متن کا پورا پورا خیال رکھا
گیا ہے - صرف یہی امر بڑی تسلّی کا باعث ہے کہ اتنی
اہم عربی تصنیف اردو زبان میں لفظ بہ لفظ منتقل
ہوگئی اس طرح کہ اگر ایک بار محض چند اصطلاحات

سے سرسری واقفیت بھی حاصل کرلی جائے تو کتاب کے
معانی و مطالب سمجھنے کے لیے مناسب حد سے زیادہ
جستجو نہیں کرنی پڑتی ۔ ہاں جستجو معانی و مطالب
سمجھنے کے بعد ضرور کرنی پڑتی ہے، یعنی جب اپنے
طور پر سوچا جائے تو بہت کچھ سوچا جاتا ہے اور کیوں
نہ ہو اصل کتاب اسی مقصد کے لیے تو لکھی گئی تھی
کہ طلباء و مفکرین وقت کے علاوہ عام اہل طلب بھی
ان موضوعات پر ربط و دلیل کے ساتھ غور کریں ۔

انجمن پروفیسر ابوالقاسم محمد انصاری صاحب کی
نہایت ممنون ہے کہ انھوں نے امام غزالی کے اس عظیم
کارنامے کا ترجمہ اتنی محنت اور مہارت کے ساتھ کیا
اللہ انھیں جزا دے ۔

انجمن ڈاکٹر منظور احمد صاحب کی بھی نہایت
ممنون ہے کہ انھوں نے ایسا عالمانہ مقدمہ تحریر
فرمایا جس میں مختصر ہونے کے باوجود ان تمام مسائل
کا جائزہ لے لیا گیا ہے جو "تہافت الفلاسفہ" میں
زیر بحث آتے ہیں ۔

چوں کہ اس کتاب کی اشاعت کے مقاصد میں تجارتی
مقاصد شامل نہیں اور اسے امہات الکتب میں سے ایک
اہم کتاب قرار دے کر معلومات عامہ کے لیے شائع کیا
گیا ہے اس لیے ہم قارئین کرام کو ایک ضروری مشورہ
دینے میں ذرا تامل سے کام نہیں لیں گے ۔ وہ مشورہ
یہ ہے کہ جس کے لیے ممکن ہو اس کتاب کے ساتھ ساتھ
ادارہ ثقافت اسلامیہ کی محولہ بالا کتاب "تہافت الفلاسفۃ
تلخیص و تفہیم از مولانا محمد حنیف ندوی
بھی حاصل کرکے دونوں کو ساتھ ساتھ پڑھے ۔ جناب
مولانا ندوی کا خلاصہ اور ڈاکٹر منظور احمد صاحب کا
مقدمہ ، مولانا ندوی کی تلخیص و تفہیم اور پروفیسر
انصاری کا لفظی ترجمہ ۔ ان عناصر کے ذریعے امام

غزالی کے افکار جن کے بیشتر مضامین آج بھی ہر سوچنے والے مسلم اور غیر مسلم کے لیے انتہائی ضروری بلکہ ناگزیر غذائے روح ہیں بڑی شرح و بسط کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں ۔

اور اس میں بھی شک نہیں کہ اگر محولہ بالا کتاب کم یاب یا نایاب ہوگئی ہو تو انجمن کی یہ زیر نظر اشاعت اپنی جگہ کافی ثابت ہوگی ۔

۱۹۸۱ء

THE STANDARD
ENGLISH-URDU DICTIONARY

EDITED BY
THE LATE

BABA-E-URDU DR.ABDUL HAQ

THIRD EDITION
1981 A.D.
1401 HIJRI

یہ اس لغت کی تیسری اشاعت ہے۔ یہ پہلی بار ۱۹۳۷ء میں چھپی تھی ۔ دوسری بار ۱۹۶۸ء میں اب تیرہ برس بعد اسے دوبارہ چھاپا جا رہا ہے ۔ پہلی سے دوسری اشاعت تک کی داستان راقم الحروف کے مقدمے میں موجود ہے جو دوسری اشاعت پر لکھا گیا تھا۔ اسے دوسرے الفاظ میں دہرانے کے بجائے یہی بہتر سمجھا گیا کہ اس اشاعت میں بھی شامل کردیا جائے ۔

آزادی کے بعد کچھ تجارتی اداروں نے بھی انگریزی ۔ اردو لغات پر کام کیا۔ انجمن کی مالی حالت پاکستان میں ہمیشہ خستہ رہی اور اب بھی ہے (اور اس کے اسباب الگ ہیں) امید تھی کہ اتنے برس میں امیر کبیر اشاعتی ادارے اس سے کہیں زیادہ الفاظ پر مشتمل اور زیادہ تفصیلی معانی کے ساتھ کوئی لغت تیار کرسکیں گے مگر ایسا نہیں ہوا ۔ سچ کہ بابائے اردو کی مرتب کردہ یہی لغت آج بھی سب سے زیادہ مقبول اور مستند سمجھی جاتی ہے ۔ اسی لیے اس کی مانگ بھی بہت ہے ۔ اگر ہم اس کا مخصوص کاغذ زیادہ مقدار میں درآمد کرسکتے تو اب تک اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہوتے، لیکن ہماری کئی حکومتوں کی درآمدی پالیسی ہمیشہ بائبل پیپر کی درآمد مشکل سے مشکل تر بناتی رہی ۔ اس دوران میں کئی سرکاری ادارے بھی قائم ہوئے جنھیں نصابی کتب کے لیے بائبل پیپر کے کوٹے بطور خاص دیئے گئے جب کہ انجمن کو ان سے محروم رکھا گیا ۔ اب بھی ہمیں بڑی دقتوں کے بعد یہ کاغذ مل سکا ہے ۔ خداوندکریم صدر انجمن

جناب اختر حسین کو سلامت رکھے جن کی ذاتی وجاہت اور کوششوں کے سبب ایسے مشکل کام حل ہوجاتے ہیں ۔ جیسے حالات سے ہمارے مختلف غیرسرکاری علمی ادارے گزرتے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے بابائے اردو کے بعد انجمن کا قائم رہنا اور کام کرتے رہنا جناب اختر حسین صاحب کی کرامت ہے ۔ انجمن کا پاکستانی ماضی جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ بابائے اردو کی زندگی میں ہی کن کن عناصر کے ہاتھوں کیسے کیسے خلفشار کا شکار ہوگئی تھی ۔ یہاں تک کہ تقریباً تمام کام رک گیا تھا ۔ ان صدمات سے انجمن آج تک نہیں پنپی لیکن جب سے جناب اختر حسین نے ذمہ داریاں سنبھالیں ہمارے تمام منصوبے آگے ہی بڑھتے رہے ۔ اردو فنون کالج، اردو لا کالج دونوں نے حیرت انگیز ترقی کی اردو سائنس کالج علیحدہ کر کے ایک نئی عمارت میں منتقل کردیا گیا ۔ یہ نئی عمارت کئی برس کی محنت شاقہ سے بنوائی گئی اور اسے اپنے وقت کے لحاظ سے بہترین سائنسی معمل مہیا کیے گئے تھے ۔ آج صرف اس سائنس کالج میں طلبا کی تعداد ڈھائی ہزار سے زیادہ ہوچکی ہے فنون، قانون اور سائنس تینوں کالجوں کے سالانہ نتائج ہر مرتبہ ان کے طلبا اور اساتذہ کی استعداد کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی حیرت انگیز صلاحیتوں کے درخشاں نمونے پیش کرتے رہتے ہیں ۔ مگر! انجمن ان تینوں کالجوں کی وجہ سے مسلسل مالی پریشانیوں سے دوچار رہی انجمن اور کالجوں کی منتظمہ جو تقریباً ایک ہی تھی کسی نہ کسی طرح اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوتی رہی ۔ ۱۹۷۲ء میں جب تعلیم قومیائی گئی تو یہ کالج بھی ہم سے لے لیے گئے لیکن ہم نے اور ہمارے ساتھی کارکنوں نے جن میں ان کالجوں کے اساتذہ شامل ہیں بہت جلد ان کالجوں

کی مخصوص حیثیت تسلیم کرالی اور یہ وفاقی حکومت کی تحویل میں آگئے ۔ اب یہ وفاقی حکومت کی ذمہ داری ہیں اور اردو میں جملہ علوم و فنون کی تدریس پر بڑے کامیاب تجربے کر رہے ہیں ۔ قانون اور فنون کے علاوہ اعلیٰ ریاضیات جیسے مضامین ایم ۔ اے تک اردو میں پڑھائے جاتے ہیں ۔ ایل ۔ ایل ۔ ایم اور سائنس کے کئی شعبوں میں ایم ۔ ایس ۔ سی کی اردو میں تدریس کسی اور پاکستانی ادارے میں نہیں ہوتی۔

اشاعتی منصوبوں کی داستان الگ ہے، دو سو کے قریب نئی کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں جائزہ مخطوطات اردو کا سلسلہ اور قاموس الکتب کی جلدیں، ماخذات مشاہیر، لغت کبیر اردو، تراجم اور اہم تخلیقی کتابوں کی اشاعت شامل ہے ۔ ماہنامہ " قومی زبان " اور سہ ماہی "اردو" باقاعدہ شائع ہوتے ہیں ۔

ان باتوں کا مختصر ذکر اس لیے ضروری ہوا کہ دراصل یہ ڈکشنری انجمن کی کئی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک تھی — اور ہے — اور ہمیں یہ بتانا مقصود تھا کہ ہم اپنی ترجیحات پر، مختلف محدودات میں برابر کام کرتے رہے ہیں ۔ انجمن ایک غیر سرکاری ادارہ ہے ۔ اس میں عمال بہت کم ہیں انھیں پاکستان بھر کے ایسے اداروں میں غالباً سب سے کم تنخواہیں دی جاتی ہیں ۔ دیگر کارکنوں کے معاوضے بھی سب سے کم ہیں ۔ زیادہ تر کام اہل دل رضاکار سرانجام دیتے ہیں جن میں بڑی بڑی فاضل اور اہل دل شخصیات شامل رہی ہیں ۔ لیکن وہ سب ذوق و شوق، مناسب سرمایہ اور چند معاملات میں ناگزیر سرکاری سرپرستی کا نعم البدل نہیں تھا ۔ بعض مسائل میں مثلاً ماہرین لغات کا ایک بورڈ، کافی مقدار میں اس مخصوص کاغذ کی ہر وقت فراہمی اور اشاعتی اخراجات، ان کے لیے سرکاری ہا

وسیع پیمانے پر عملی عوامی سرپرستی کی ضرورت رہتی ہے ۔ سرکار دربار میں بہت دن تک اردو کا معاملہ زبانی ہمدردیوں میں الجھا رہا ۔ عام سرپرستی کے لیے زیادہ دور جائیں یعنی تحریکات چلائیں تو مختلف سیاسی عناصر اور مصالح در آتے تھے شخصیات کا ٹکراؤ ہونے لگتا تھا ۔ اچھے اچھے منصوبے عدم توجہی کا شکار ہوجاتے تھے ۔ بابائے اردو سے تقریباً ہر حکومت نے زبانی ہمدردی تو کی مگر عملاً مخالفت ہی ظاہر ہوتی رہی ۔ ہماری نئی پالیسی سے انجمن کی "تحریکی حیثیت" کسی حد تک ضرور متاثر ہوئی مگر سچ یہ ہے کہ زمانہ بھی بدل گیا تھا ۔ اب ملک میں فروغ اردو اور نفاذ اردو کے لیے کئی ادارے قائم ہوچکے ہیں " انجمن اردو کی کارکن ہے اجارہ دار نہیں ۔ اس کا تحریکی ماضی ایک تاریخی ضرورت تھا ۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے اب وہ سب کام کرنے والوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے انہیں بھرپور تعاون پیش کرتی رہتی ہے ۔ مثال کے طور پر اسّی ہزار اصطلاحات مرکزی اردو بورڈ لاہور کو مفت پیش کردی گئیں کیوں کہ اس کی مالی حالت ، ایک خالص سرکاری ادارہ ہونے کی حیثیت سے، بہت بہتر تھی اور وہ اس منصوبے کو پھیلا کر ایک بڑی اشاعت پیش کرنا چاہتا تھا ۔ یہ صرف ایک مثال ہے ۔

ایسے حالات میں اس ڈکشنری کی تیسری اشاعت پر ہم زیادہ کام نہ کرسکے ۔ وقت کی رفتار اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر یہ فیصلہ بھی ہوا تھا کہ جس حد تک ممکن ہو الفاظ کی تعداد میں اضافے کر دیے جائیں ۔ پہلی اشاعت پر تقریباً تین ہزار الفاظ کا اضافہ دوسری اشاعت میں کردیا گیا تھا ۔ اس کے بعد مالی دشواریوں کے سبب مطلوبہ اضافہ اب تک ممکن نہ ہوا ۔ کام کرنے والے ماہرین نایاب نہیں

تو کم یاب ضرور ہیں ۔ ساتھ ہی ان کے معاوضوں کا مسئلہ ہے ۔ ایسے ماہرین امرا اور بڑے تجار تو ہوتے نہیں ۔ ان کی معاشی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں ۔ افسوس کہ ہم اتنا روپیہ فراہم نہ کرسکے کہ تیسری اشاعت کے لیے ایک معقول تعداد میں اضافے منتخب کرتے اور ان کے مستند ترجمے اس میں شامل کردیتے ۔ یہ کام شروع تو ہوچکا ہے اور کوئی دو ہزار نئے الفاظ انتخاب کرکے ان کا ترجمہ شروع کردیا گیا ہے لیکن بین الاقوامی معیار سے یہ بالکل ناکافی ہے ۔ ارادہ ہے کہ انشا اللہ اگلی اشاعت میں کم از کم چار ہزار مزید الفاظ اور ان کے ترجمے شامل کردیے جائیں گے ۔ انگریزی زبان جس طرح پھیلی ہے، جس طرح اس میں نئے نئے الفاظ داخل ہوئے ہیں وہ ایک الگ موضوع ہے ۔ اردو کو، دنیا کی دوسری بڑی زبانوں کی طرح، انگریزی سے استفادے کی ضرورت ابھی بہت دن تک رہے گی ۔ انگریزی بولنے والی دنیا کئی علوم وفنون میں باقی تمام دنیا سے بہت آگے ہے۔انکشافات، ایجادات کی کوئی حد نہیں ۔ عمرانی علوم میں نئے نئے الفاظ وضع ہوکر لمحہ بھر میں مستعمل ہوجاتے ہیں ۔ ایک طرف تو اردو کو خود کفیل کی جانب چلتے رہنا ہے دوسری طرف تیز رفتاری عالم کا ساتھ دینا ہے ۔ اس کے لیے انگریزی الفاظ کے ترجمے اور مترادفات پر مسلسل کام ہونا ہے ۔ البتہ اس دوران ہم نے طلبہ اور اہل علم کی ضرورتوں کے پیش نظر اسٹوڈینٹس ڈکشنری (دس ایڈیشن)، پاپولر انگلش اردو ڈکشنری (چار ایڈیشن) اور پاکٹ انگلش اردو ڈکشنری (تین ایڈیشن) شائع کی ہیں ۔

سب جانتے ہیں کہ خود انگریزی لغات بھی مسلسل نظرثانی اور اضافوں کے عمل سے گزرتی رہتی ہیں ۔

آج ایک بڑی سے بڑی اور جدید انگلش ڈکشنری بھی دو تین برس کے اندر اندر "پرانی" ہوجاتی ہے ـ نئے الفاظ کی یلغار نے وسائل اور مشینوں کو بھی پیچھے چھوڑدیا ہے ـ مغرب نے اس کا ایک علاج یہ نکالا ہے کہ مختصصین کے لیے ہر علم و فن سے متعلق الگ الگ لغات مرتب کرنی اور چھاپنی شروع کردی ہیں ـ لیکن سچ یہ ہے کہ اکثر اوقات آج کا عام آدمی بھی ایسے بہت سے الفاظ اور ان کے معانی مطالب جاننے پر مجبور ہے ـ اس لیے عمومی یعنی بڑی لغات بھی بے شمار نئے الفاظ لینے پر مجبور ہیں اور اس صورت حال نے متعلقہ اداروں کو بڑی سرمایہ کاری اور نئی نئی تکنیک اختیار کرنے کے مسائل میں مبتلا کردیا ہے ـ چوں کہ انگریزی بولنے والے مغربی علاقوں میں خواندگی سو فی صد کے قریب پہنچ چکی ہے اور ان کی آبادی میں بھی بڑی تیزی سے بڑھی ہے اس لیے انھیں مارکیٹ جلد اور اچھی مل جاتی ہے ـ اس کے باوجود ان کے منتظمین اپنی رفتار کار سے مطمئن نہیں ـ دراصل اس صدی کے دوسرے نصف میں معلومات کے نئے نئے سمندر بڑے پھیلاؤ کے ساتھ نمودار ہوئے ہیں ـ بے شمار پرانے الفاظ نے نئے معانی اختیار کرلیے ہیں اور بے شمار نئے الفاظ اور نئی اصطلاحات عامہ نے ایک علمی طوفان سا بپا کردیا ہے ـ انگریزی لغت نویسی پہلے انگریزوں کی اجارہ داری تھی ـ امریکہ نے کچھ دن تو یہ اجارہ برداشت کیا مگر اس کی آبادی انگلستان سے کہیں زیادہ ہوگئی اور اس کے سائنسی، سیاسی، ادبی، فنی اور عمرانی مسائل کے پھیلاؤ اسے "اپنی" لغت نویسی کی طرف لے گئے ـ آکسفورڈ ڈکشنری اب بھی ایک مستند لغت ہے مگر امریکی اس سے کہیں آگے چلے گئے ہیں ـ ان کی بہت سی اصطلاحات تو خیر نئی ہونے کی وجہ سے

انگلستان اور دوسرے انگریزی بولنے والے علاقوں میں مستعمل ہوتی ہی تھیں ان کے بعض بلکہ اکثر روز مرہ بھی غیر امریکی انگریزی بولنے والوں میں قبول ہو کر رائج ہوچکے ہیں -

یہ انگریزی کا عالم ہے - انگریزی کی ان گوناگوں تبدیلیوں کے اثرات سے آزاد رہ کر کوئی بھی انگلش- اردو ڈکشنری نامکمل کہلائے گی - چناں چہ اب انجمن نے فیصلہ کیا ہے کہ پوری پوری کوششیں کرکے اتنا سرمایہ فراہم کرلے کہ اس لغت کو اگلے دو ڈھائی برس میں کسی نہ کسی جدید سطح پر یعنی کوئی دس ہزار اضافوں کے ساتھ پیش کرسکے - آگے سب کچھ اللہ کے ہاتھ ہے - ان اعترافات یا گزارشات کے بعد یہ عرض کرنا ہے کہ بہرحال آج بھی بنیادی انگریزی الفاظ کو اردو کے ذریعے سمجھنے کی ضرورت اسی طرح باقی ہے جیسے پہلے تھی اور آیندہ رہے گی- بابائے اردو کی مرتب کردہ یہ لغت علمی لحاظ سے "جدید" نہیں اور کوئی لغت چھپتے ہی "جدید" نہیں رہتی - لیکن انگریزی زبان کے بے شمار اور بنیادی الفاظ کے سب سے زیادہ مستند ترجمے اسی لغت میں ملتے ہیں - ایک لحاظ سے یہ ایک سدا بہار انگریزی اردو لغت ہے - اگر ہم یا کوئی اس میں قرار واقعی اضافے نہ کرسکے تب بھی اس کی تعلیمی اہمیت میں کمی نہیں آئے گی - اس لیے کہ یہ ان بزرگوں کے تعاون سے ایک بے مثال ماہر یعنی بابائے اردو نے مرتب کی جن کی اہلیت اور محنت مثالی تھی - ایسی شخصیات روز بروز کم ہوتی جاتی ہیں - نئی شخصیات کی اپنی خوبیاں مسلّم - وقت استعداد اور اہلیت اور شوق کے دروازے بند کرکے نہیں رکھتا جیسے کلاسیک کی اہمیت قائم و دائم ہے اسی طرح اس لغت کے مرتبین

اور مرتب اعلیٰ باباۓ اردو مولوی عبدالحق مرحوم کا نام اور کام انشاءاللہ جب تک اردو زبان موجود ہے آن مٹ رہے گا۔

تیسری اشاعت ۱۹۸۱ء

THE

STUDENT'S STANDARD ENGLISH - URDU DICTIONARY

by

BABA-E-URDU

Dr. Moulvi Abdul Haq

ELEVENTH EDITION
1982 A.D.

گیارہویں اشاعت

یہ ہماری بڑی لغت یعنی اسٹینڈرڈ انگلش۔ اردو ڈکشنری مرتبہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کا اختصار ہے۔ یہ اختصار بقول بابائے اردو مرحوم اپنی جگہ جامع اور مکمل ہے۔ اسے انھوں نے طلبہ کے لیے خود تیار کیا تھا اس کے چھ ایڈیشن ان کی زندگی میں ہی شائع ہوگئے تھے۔

پہلے کئی ایڈیشن اس کاغذ پر نہ چھپ سکے جو ڈکشنریوں کے لیے مخصوص ہے۔ سفید، پتلا، چکنا کاغذ جو بائبل پیپر کہلاتا ہے۔ یہ کاغذ جس پر یہ گیارہویں اشاعت پیش کی جارہی ہے۔ ایشیا بھر میں غالباً جاپان کے سوا، کہیں بنتا نہ تھا اور بوجوہ درآمد بھی ممنوع تھی، بھاری کاغذ اور پندرہ سو صفحات، کتاب بوجھل ہوجاتی تھی، طلبہ فائدہ تو ضرور اٹھاتے تھے مگر انھیں زحمت بھی ہوتی تھی۔

پاکستان آنے کے بعد انجمن اور بابائے اردو جن عجیب و غریب مسائل و مصائب سے گزرے ان کی داستان بابائے اردو کے کتابچے "انجمن کا المیہ" میں موجود ہے۔ انھیں تنظیم نو کا موقع تو ملا، مگر عمر نے مہلت نہ دی۔ وہ ۱۹۶۱ء میں انتقال کرگئے۔

تنظیم نو کے بعد جناب اختر حسین انجمن کے صدر ہوئے تو منتظمہ نے اردو کالج اور اشاعتوں پر خاص توجہ دی۔ اردو کالج کی داستان الگ ہے۔ ہم نے بابائے اردو کی وصیت کے مطابق ایک کل پاکستان اقامتی اردو یونیورسٹی کی تعمیر شروع کردی تھی۔ کراچی میں بائیس ایکڑ زمین لے کر پہلے مرحلے کے

طور پر اردو سائنس کالج تعمیر کرلیا تھا ۔ پھر اردو فنون کالج جو پرانی عمارت ہے اس نئی عمارت کے قریب لے جانا تھا ساتھ ہی پاکستان کے مختلف علاقوں سے آنے والے طلبہ اور اساتذہ کے لیے اقامت گاہ اور مکانات تعمیر ہونے تھے، لیکن ۱۹۷۲ء میں تعلیم قومیالی گئی اور اس وقت سے ہمارے دونوں کالج اور ان کے معاملات وفاقی حکومت کی تحویل اور نگرانی میں ہیں ۔ انھوں نے ترقی کی ہے، مگر اردو یونیورسٹی کا خواب اب تک شرمندۂ تعبیر ہے ۔

بڑی ڈکشنری ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھا ۔ اس کے بعد بے شمار مشکلات کے سبب وہ باباۓ اردو کی زندگی میں دوبارہ شائع نہ ہوسکی ۔ یہاں تک کہ ہم نے اس میں ڈھائی ہزار سے زیادہ الفاظ کا اضافہ کرکے اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں شائع کیا ۔ اس طرح کہ اس کے لیے خاص اجازت سے بائبل پیپر سویڈن سے درآمد کیا گیا ۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں آیا اور چوتھا ایڈیشن انشا اللہ اگلے سال تک شائع ہوجائے گا ۔

اس زیرنظر اشاعت ،یعنی اسٹوڈینٹس انگلش ۔ اردو ڈکشنری کے چار مزید ایڈیشن ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۲ء تک شائع ہوئے ۔ بائبل پیپر کا منگانا مشکل ہوتا ہے ۔ وہ روزبروز مہنگے سے مہنگا ہوتا جارہا ہے ۔ پھر بھی ہم نے طلبہ کے مطالبات کے احترام میں اس گیارہویں ایڈیشن کو بھی اسی کاغذ پر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔

اب پوری ڈکشنری پرنظرثانی کا منصوبہ بھی شروع ہوا ہے اور جو نئے اضافے ہوئے انشا اللہ اگلی کسی اشاعت میں انھیں بھی اس اختصار یعنی اسٹوڈینٹس انگلش ۔ اردو ڈکشنری میں شامل کردیا جائے گا ۔لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ اب تک یہ ڈکشنری طلبہ کے لیے بہترین مانی جاتی ہے ۔ گیارہویں اشاعت اس امر کا ثبوت بھی ہے ۔

گیارہویں اشاعت ۱۹۸۲ء

مخطوطات انجمن ترقی اردو

(جلد ششم)

مرتّبہ

افسر صدیقی امروہوی

پہلا ایڈیشن

یہ فہرست مخطوطات کی چھٹی جلد ہے ۔

پاکستان کے بہت سے نجی اور دوسرے کتب خانوں میں بڑے بیش قیمت مخطوطات موجود ہیں، مگر عام آدمی کو توکیا اہل طلب کو بھی ان کے بارے میں کچھ پتا نہیں، اصولاً دنیا بھر میں اہم مخطوطات بھی قومی آثار کی طرح قومی ملکیت ہوتے ہیں، عموماً حکومتیں انھیں مناسب معاوضہ دے کر حاصل کرنا چاہتی ہیں لیکن اگرکوئی مالک نامناسب شرائط پیش کرے یا ان کے افادہ عام میں مشکلات پیدا کرے تو انھیں ازروئے قانون کوئی معاوضہ مقرر کرکے ضبط بھی کرلیتی ہیں۔ پاکستان کاپی رائٹ ایکٹ مجریہ ۱۹۶۲ء میں ایسی گنجائش موجود ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ آج تک کسی پاکستانی حکومت نے مخطوطات کے معاملے میں نہ تو کوئی تفتیش کی نہ کوئی ایسا قدم اٹھایا ۔ جب علم ہماری بنیادی اور اولین ترجیحات ہی میں شامل نہیں تو اس کی ایسی شاخیں کیسے قومی توجہ طلب کریں گی ۔

ان افراد اور اداروں کا اخلاقی فرض ہے کہ اپنے مخطوطات کو قوم کی تحویل میں دیں اور اگر ان کے ذرائع اجازت دیں تو کسی نہ کسی پیمانے پر ان کی فہرستیں بھی شائع کرائیں تاکہ کام کرنے والوں کو ان کی موجودگی اور افادیت کا علم ہوسکے ۔ حکومت کا فرض ہے کہ اہم مخطوطات کی جستجو کرے مالکان کو ان امور پر راغب کرے بلکہ اس ضمن میں ان کی مناسب مالی امداد کرے اور اگر ضروری سمجھے تو انھیں خود حاصل کرکے انھیں بہترین انتظامات کے ساتھ محفوظ

کرتے ہوئے کم از کم ان کی توضیحی فہرستیں شائع کرے اگر آج یہ سب نہیں ہورہا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم کوئی ناممکن العمل تجویز پیش کررہے ہیں۔ ہمارے جیسے بعض غریب اور خواندگی کے لحاظ سے کم علم کئی ملک ایسے ہیں جہاں یہ سب کئی برس سے ہونے لگا ہے۔ بہرحال ہماری یہ تجویز تاریخ کے ریکارڈ پر رہے گی۔

بابائے اردو انجمن کے ساتھ بہت سے مخطوطات دلّی سے کراچی لے آئے تھے ۔ کبھی اہل طلب خود آتے تھے کبھی کسی کو بھیجتے تھے کبھی خط وکتابت کرتے تھے اور اس طرح ان مخطوطات سے فائدہ اٹھاتے تھے اور یہ آج بھی ہوتا ہے لیکن بابائے اردو نے اپنی حیات میں ہی چاہا تھا کہ ان مخطوطات کی ایک توضیحی فہرست شائع ہوجائے تاکہ تحقیق کرنے والوں کو کام میں تھوڑی بہت آسانی ہوسکے ۔ جب راقم الحروف نے (۱۹۵۹ء میں) ان کی خدمت شروع کی اشاعت فہرست مخطوطات کے لیے انھیں مضطرب پایا ۔ لیکن مسئلہ وسائل کا تھا (اور اب بھی ہے)۔ وہ زمانہ انجمن کی تنظیم نو کا تھا ۔ دوسرے کام مثلاً دستور نو کی تدوین ، قاموس الکتب پر توجہ اور اردو کالج کے مسائل مقدّم تھے ۔ تنظیم نو ان کے انتقال کے بعدہی مکمل ہوسکی (کیوں کہ اس وقت اختیارات حکومت وقت کے پاس تھے) اور ۱۹۶۲ء میں نئی منتظمہ کی تشکیل کے بعد صدر انجمن جناب اختر حسین کی ذاتی سرپرستی میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مخطوطات انجمن کی توضیحی فہرست مرتّب اور شائع کی جائے ۔

یہ مخطوطات مختلف النوع ہیں اور مختلف لسانی ادوار سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ایسے اہل علم جو ان امور سے گہری واقفیت بھی رکھتے ہوں اور رضاکارانہ یا بہت کم معاوضے پر کام کرسکیں تقریباً نایاب تھے۔

(اور نایاب ہیں)۔ منصوبے کی خوش قسمتی کہ انجمن کو جناب افسر صدیقی امروہوی جیسے فاضل، کم طلب اور محنتی بزرگ کا تعاون حاصل ہوا ۔ انھوں نے ۱۹۶۲ء سے اس منصوبے پر کام شروع کیا گو ساتھ ساتھ انجمن کے دوسرے منصوبوں کو بھی وقت دیا ۔ بہرحال ان کی فضیلت اور محنت کے سبب اس سلسلے کی پہلی جلد ۱۹۶۵ ء میں شائع ہوگئی ۔ اس پہلی جلد میں اٹھاسی مخطوطات پر سیر حاصل توضیحات شامل ہیں اور اس کے صفحات ۵۶۰ ہیں ۔ دوسری جلد میں ۳۸۲ صفحات ہیں اور اس میں ایک سو تراسی مخطوطات کا ذکر ہے جو دینیات سے متعلق ہیں۔ وہ ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی ۔ تیسری جلد مرتب کرتے وقت ہم نے تاریخ و عمرانیات کو ترجیح دی تھی ۔ اس موضوع سے متعلق ایک سو باون مخطوطات منتخب ہوئے اور ۱۲۸ صفحات پر مشتمل تیسری جلد ۱۹۷۵ء میں شائع کی گئی ۔

ادبیات نظم و نثر سے متعلق مخطوطات کا انتخاب ہوا تو ان کی تعداد ماشاءاللہ آٹھ سو سے زیادہ نکلی اتنی بڑی تعداد پر توضیحی تبصرے ایک جلد میں نہیں سما سکتے تھے ، چناں چہ اس موضوع کے لیے تین جلدیں طے ہوئیں ۔ چوتھی جلد میں دو سو اڑتالیس مخطوطات کا تذکرہ ۲۹۶۵ صفحات میں آیا اور وہ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی ۔ پانچویں جلد دو سو بیالیس مخطوطات کے توضیحی اشاریے پر مشتمل ہے ۔ اس کے ۳۰۰ صفحے ہیں اور وہ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی ۔

اب یہ چھٹی جلد پیش خدمت ہے ۔ اس میں سات سو بچاسی مخطوطات کا ذکر ہے اور اس کے دو سو بتیس صفحات ہیں ۔ یہ بھی جناب افسر صدیقی امروہوی کا کارنامہ ہے اور کافی پہلے سامنے آجاتا لیکن ۱۹۸۰ ء میں وہ ایک حادثے سے دوچار ہوئے اور اللہ کے فضل

سے ۱۹۸۱ء کے اواخر میں صحت یاب ہوئے ۔ ان کی ہمت دیکھیے کہ پوری طرح صحت بھی نہیں ہوئی اور عالم یقیناً ضعیفی کا ہے لیکن اس منصوبے پر پوری توجہ دے کر اسے مکمل کرنے کی مہم میں لگے ہوئے ہیں ۔ اللہ تعالی انھیں انجمن اور اردو ادب کے لیے بہت دن سلامت رکھے، آمین ۔

زیر نظر چھٹی جلد میں مختلف ادوار اور مختلف المزاج مصنفین کے مخطوطات پر تبصرہ ہے ۔ ایک طرف " بکٹ کہانی" کا ذکر ہے جو ۱۰۳۵ہجری میں تصنیف ہوئی تو دوسری طرف "مثنوی عشق و صنم" پر گفتگو ہے جو ۱۲۶۵ ھ میں لکھی گئی ۔ ایسی کتابیں بھی ملیں گی جو ان دو ادوار کی درمیانی مدت میں لکھی گئیں۔ ان میں چند تو ایسی ہیں جن کا کوئی دوسرا نسخہ ہماری معلومات کے مطابق اور کسی کتب خانے میں موجود نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

ہم اپنی اشاعتوں کی کتابت ، کاغذ اور تزئین کے معیار پر افسوس تو کرتے ہیں مگر معذرت نہیں کریں گے ۔ یہ سب روپے سے ہوتا ہے اور روپیہ ہمیں میسّر نہیں ۔ اس ملک میں سرکاری نیم سرکاری اور کارپوریٹ سیکٹر کی امداد کے تحت بے شمار ایسی خوب صورت کتابیں چھپتی رہتی ہیں جن کی لاگت ان کی افادیت سے ذرا متناسب نہیں یقیناً اس صورت حال کی بہت سی وجوہ ہیں مگر ان کی کھوج یا ان کا ذکر ضروری ہو بھی تو موجودہ حالات میں انجمن جیسے ناطاقت غریب ادارے کے کسی کارکن کو ایسی بے احتیاطی روا نہیں۔ نقصان اسے ہو نہ ہو انجمن کو پہنچ سکتا ہے ۔ بس یہ چند سطریں ایک نالہ زیر لبی کی صورت میں ریکارڈ پر آجائیں تو یہی کافی ہے ۔ کہاں تو آس پاس کے ممالک (مغربی اور امیر ممالک چھوڑیے) اپنے مخطوطات

کی مکمل اشاعتوں تک پر کمر باندھے ہوئے ہیں اور کہاں ہم کہ اپنے اہم ترین مخطوطات کی توضیحی فہرستیں بھی اچھی کتابت اور کاغذ اور طباعت کے ساتھ شائع نہیں کرسکتے ۔ اب تک ہم صرف ایک مخطوطے کا عکس وہ بھی معمولی کاغذ پر شائع کرسکے ہیں اور وہ ہے مثنوی نظامی دکنی عرف کدم راؤ پدم راؤ ۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے امید ہے کہ وہ زمانہ جلد آئے گا جب علم اور اس کی ترویج ہماری اولین قومی ترجیحات میں شامل ہوں گے ۔

اس فہرست کا سلسلہ اشاعت جاری ہے اور انشا اللہ ساتویں جلد بھی پیش کی جائے گی ۔ کب تک اور کتنی کتابوں پر مشتمل یہ ابھی نہیں کہا جاسکتا ۔

۱۹۸۲ ء

مشاہیر یونان و رومہ

(حکیم پلوٹارک یونانی کی کتاب السیر کا اردو ترجمہ)
(جلد اول)

مترجمہ
مولوی سید ہاشمی فرید آبادی

پہلا ایڈیشن

پلوٹارک کو باسویل سوانح نویسوں کا شہزادہ کہتا تھا ۔ ان ترجموں کی افادیت پر تو بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کا دیباچہ ملاحظہ ہو جو اشاعت اول سے لیا گیا ہے ، یہاں مولوی صاحب نے خود پلوٹارک کے بارے میں جو تحریر فرمایا اس پر کچھ معلوماتی اضافوں کی ضرورت پیش آئی ہے ۔ان کی یہ تحریر ۱۹۱۶ء کی ہے ۔ چونسٹھ سال پہلے وہ معلومات بھی جمع نہیں ہوسکتی تھیں ۔ فاضل مترجم مولوی سیّد ہاشمی فریدآبادی مرحوم نے یونان اور روم کے پس منظر پر خاصہ مواد جمع کیا جو ان کے دیباچے میں موجود ہے، لیکن پلوٹارک کے متعلق وہ بھی اتنا ہی کہہ سکے جو اس وقت تک ان کے علم میں آیا تھا ۔ اس مرتبہ ہم نے ان جلدوں میں پلوٹارک پر ایک نیا مضمون اخذ و ترجمہ کرکے شامل کردیا ہے جو ۱۹۶۳ ء میں چھپا تھا ۔ اس میں GATEWAY TO GREAT BOOKS مطبوعہ نیویارک کے تعارفی نوٹ سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ GATEWAY پر برٹش نی کا کے فاضل مدیروں کی نگرانی ہے ۔

پلوٹارک کی کتاب میں پچاس مشاہیر کی سوانح عمریاں اور انیس موازنے شامل ہیں ۔ ان میں سے چھتیس سوانح عمریوں اور چودہ موازنوں کا ترجمہ ہو چکا ہے ۔انجمن نے جو چار جلدیں چھاپیں ان میں بتیس سوانح عمریاں اور تیرہ موازنے شامل ہیں ۔ باقی کا بھی ترجمہ موجود ہے ۔ اس کی کتابت ہوچکی ہے اور انشاءاللہ وہ پانچویں جلد میں شائع ہوں گی۔

طبع شدہ چار جلدوں کی تفصیل درج ذیل ہے –

پہلی جلد	۸ سیرتیں	تین موازنے
	طبع اول ۱۹۱۶ء	طبع دوم ۱۹۲۱ء
دوسری جلد	۸ سیرتیں	تین موازنے
	طبع اول ۱۹۱۹ء	طبع دوم ۱۹۲۳ء
تیسری جلد	۸ سیرتیں	تین موازنے
	طبع اول ۱۹۲۵ء	
چوتھی جلد	۸ سیرتیں	چار موازنے
	طبع اول ۱۹۲۶ء	

دوسری جلد کی طبع اول (۱۹۱۹ء) میں ان چار مشاہیر کی سیرتیں شامل ہوگئیں جو تاریخی طور پر موخر تھے – اسی دور کا ایک موازنہ بھی اسی جلد میں آگیا تھا – اس وقت کچھ وجوہ تھیں – بہرحال طبع اول میں تاریخی ترتیب قائم رکھنے کے لیے ان پانچ عنوانات کو ہٹا کر دوسرے عنوانات شامل کردیے گئے اور وہ پانچ عنوانات اب پانچویں جلد کے لیے محفوظ ہیں –

ان عنوانات کے نام یہ ہیں :–

۱– سکندر یونانی

۲– جولیس سیزر ۔

۳– ڈموس تھینز

۴– سسرو

۵– ڈموس تھینز اور سسرو کا موازنہ

اب پانچویں جلد میں انشاءاللہ مندرجہ ذیل عنوانات اور شامل کیے جائیں گے — ان کا ترجمہ کیا جا رہا ہے –

۱– PHOC'	(۳۲۷ ق – م — ۳۰۲ ق – م)
۲– GATO: ذ عہ YOUNGER	(۴۶ ق – م — ۹۵ ق – م)
۳– AGIS	(۲۲۱ ق – م — ۲۶۴ ق – م)
۴– CLEMOENES	(۲۱۹ ق – م — ۲۶۲ ق – م)

۵- TIBERIUS GRACCHUS (۱۲۱ق - م—۱۵۲ق - م)
۶- CAIUS GRACCHUS (موازنہ)
۷- Caius and tiberus & agis and cleomenes. (موازنہ)

یہ مواد انگریزی کے اٹھاسی صفحات پر ہے۔

اگر اللہ کی مرضی سے چھٹی جلد کی نوبت آئی تو دس عنوانات نئے ہوں گے جو انگریزی کے۱۵۱ صفحات پر مشتمل ہیں۔

ان کے علاوہ "ٹی مولیسوں اور ای لی اس پالس" کا موازنہ حصۂ دوم میں شائع ہونے سے رہ گیا تھا وہ ایک صفحہ کا مضمون ہے اور طبع سوم میں آرہا ہے۔

یہ ترجمہ اب سے چونسٹھ برس پہلے ۱۹۱۶ء میں چھپا تھا۔ باباۓ اردو کی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ یہ منصوبہ بڑے پیمانے پر شروع کیا گیا تھا اور یہ بتایا گیا تھا کہ کون کون سی جلد کب شائع ہوگی لیکن ہوا یہ کہ ذرائع کی کمی اور دوسرے بڑے معاملات میں مصروف ہوجانے کی وجہ سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچا۔ اب کوشش کی جارہی ہے کہ منصوبے پر کام آگے بڑھایا جائے۔ اس کی ہینگی مانگ تو کافی نظر آتی ہے، امید ہے کہ چھپنے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ یوں بھی پلوٹارک کا یہ کارنامہ عالمی امہات الکتب میں شمار ہوتا ہے۔ انگریزی ترجمے پاکستان میں کم یاب ہیں اور نہایت مہنگے بھی۔ منصوبے کی تکمیل اردو خوانوں میں بیش بہا معلومات کے اضافے کی موجب ہوگی۔

اس تیسری اشاعت میں ایک میکانکی اضافہ کیا گیا ہے۔ بہ ظاہر معمولی مگر اس پر بڑی محنت صرف ہوئی ہے۔ پہلی اشاعتوں میں نام صرف اردو میں اور اعراب کے بغیر آئے تھے۔ بہت سے اردو دانوں کو جو معرّب

تلفظات اور اصلی ناموں سے واقفیت نہیں رکھتے دقت ہوتی تھی۔ ہم نے تمام نام رومن رسم الخط میں بھی دے دیے ہیں۔

فی الحال چار جلدیں موجود ہیں، مگر ایک ساتھ نہیں چھپیں گی۔ اخراجات کے پیش نظر ایک کے بعد دوسری چھاپنے کا ارادہ ہے۔ پانچویں جلد زیر ترجمہ و ترتیب ہے، لیکن کوئی جلد دوسری کی محتاج نہیں۔ سوانح اور موازنے علیحدہ علیحدہ اور مکمل مضامین ہیں۔

جیسا کہ مولوی صاحب نے بھی فرمایا اس کتاب نے مشاہیر عالم پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ نوجوان اور پختہ کار قاری اس سے نہ جانے کیا کچھ سیکھتے ہیں۔

۱۹۸۲ء

بارھویں صدی ہجری کے نامور صوفی شاعر
شاہ تراب علی تراب بیجاپوری کے واحد و نادر
مخطوطے کی پہلی اشاعت

دیوان تراب

مرتبہ
(مع مقدمہ و فرہنگ)

ڈاکٹر سلطانہ بخش
ایم-اے، پی-ایچ ڈی

پہلا ایڈیشن

اہم اردو مخطوطات کی دریافت اور اشاعت انجمن کی اولین خصوصیات میں شامل ہے ۔ زیر نظر کتاب پوری اردو دنیا میں اس مخطوطے "دیوان تراب" کی پہلی اشاعت ہے ۔

انجمن کی حد تک دریافت کا عمل تو رک چکا ہے کہ اب نہ اس کی زیادہ گنجائش ہے، نہ انجمن کے پاس مطلوبہ وسائل ہیں نہ اب مولوی رفاعی مرحوم جیسے اہل دل سامنے آتے ہیں کہ قیمتی مخطوطات انجمن کو (یا کسی بھی غیر تجارتی ادارے کو) بلا معاوضہ پیش کر دیں ۔ کچھ یہ بھی ہے کہ جتنے مخطوطات دریافت ہوچکے ہیں تاحال ان کی ایک معقول تعداد بھی اشاعت پذیر نہیں ہوئی ۔ بلا اشاعت مخطوطہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ناتراشیدہ ہیرا کسی کان میں چھپا ہوا پڑا ہو۔ موجودہ صورت حال جو ہے وہ سب کو معلوم ہے ۔ یہی غنیمت ہے کہ انجمن اور کچھ دوسرے ادارے اپنی اپنی بساط کے مطابق انہی مخطوطات پر کام لیتے ہیں جو دستیاب ہیں اور ان کی تعداد بھی کم نہیں ہے ۔

واضح رہے کہ انجمن نے اپنے مخطوطات کی ایک جامع فہرست بھی چھاپنی شروع کردی ہے جسے مخدومی جناب افسر امروہوی مرتب کرتے ہیں ۔ تادم تحریر اس سلسلے کی چھ جلدیں شائع ہوچکی ہیں ۔

بابائے اردو نے مخطوطات کی دریافت اور اشاعت کا سلسلہ دکنیات سے شروع کیا ۔ اس کی کئی وجوہ تھیں ۔ سب سے بڑی وجوہ دو نظر آتی ہیں ۔ ایک یہ کہ اردو دکنیات واقعی قدیم ترین اردو میں نمایاں

مقام رکھتی ہیں دوسرے یہ کہ اس وقت انجمن کا صدر دفتر دکن میں تھا وہ ایک غیر سرکاری، کم وسیلہ ادارہ تھی ۔ اس کے اکثر کیا تقریباً سبھی معاونین جو غیر منقسم ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں رہتے تھے رضاکار شرکا تھے یعنی انجمن دریافت مخطوطات کی کوئی باقاعدہ مہم نہیں چلا سکتی تھی ۔

ہاں ، بابائے اردو نے مخطوطات کی اشاعت میں کافی چھان پھٹک سے کام لیا ۔ یہ نہیں کہ جو مخطوطہ ملا اسے غیر ضروری اہمیت دی ہو، اسے پوری طرح پرکھا نہ ہو ۔ اہل تحقیق جانتے ہیں کہ انھوں نے اس باب میں کتنی محنت اور دقت نظر کا ثبوت دیا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اہم مخطوطات کی اشاعت اب بھی انجمن کے منصوبوں میں ترجیحی حیثیت رکھتی ہے ۔ دیوان شاہ تراب اس سلسلے کی ایک اشاعت ہے ۔ یہ نسخہ ہمارے کتب خانہ خاص کی زینت ہے اور اسے بابائے اردو نے اپنی زندگی میں ہی اشاعت کے لیے منتخب کر لیا تھا ۔ واضح ہو کہ یہ اس مجموعے کا واحد نسخہ کہا جاتا ہے ۔

ہم ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے ممنون ہیں کہ انھوں نے ایک فاضل خاتون ڈاکٹر سلطانہ بخش صاحبہ کو اس مخطوطے پر کام کرنے کی دعوت دی ۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش صاحبہ نے جس دیدہ ریزی اور شوق سے اس مخطوطے کو پڑھا اور مدوّن کیا اس کی تعریف خود اس کے بانسو اسّی صفحات کرتے ہیں ۔ مخطوطہ ڈھائی سو برس پرانی زبان اور قدیم خط میں ہے ۔ اسے پڑھنا اس کی تدوین کرنا واقعی ایک بڑا کارنامہ ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے دو ضمیمے مرتب کیے جن کی افادیت مسلّمہ ہے ۔ آخر میں ایک نہایت ہی دل چسپ اور جامع فرہنگ ہے جو نہ صرف اس کتاب کے "قریب" الفاظ کو سمجھنے

میں معاون ثابت ہوگی بلکہ دوسری دکنیات اور ان کی مماثل دوسری اشاعتوں کے بہت سے الفاظ (املا اور معانی) کی فہم آسان کردے گی ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اداروں کے مخطوطات فرہنگ کے بغیر بھی شائع ہوجاتے ہیں ۔ اس سبب سے ان کی افادیت کم ہو جاتی ہے ۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش صاحبہ نے یہ فرہنگ مرتب کرنے میں کیسی محنت ، جستجو اور احتیاط سے کام لیا ہے اس کی تعریف خود اہل نظر بھی کریں گے ۔

ڈاکٹر صاحبہ کا مقدمہ بجائے خود ایک علمی کارنامہ ہے ۔ انھوں نے نہ صرف مصنف کتاب "شاہ تراب" اور اس مخطوطے کے متعلق نہایت گراں قدر معلومات بہم پہنچاتی ہیں بلکہ اس عہد کی اردو کے نحوی اور صرفی معاملات پر ایک طرح کا خصوصی مطالعہ بھی پیش کیا ہے ۔ اس ضمن میں مقدمے کا چھٹا باب بعنوان " لسانی مطالعہ" خاصے کی چیز ہے ۔ افسوس کہ ایک "مکتب فکر" آج بھی ایسا موجود ہے جو اردو کی قوت ارتقا کو مختلف غیر ارتقائی حدود میں محصور رکھنے پر مصر رہتا ہے ، دوسرے بہت سے مخطوطات کا حوالہ چھوڑیے صرف اسی متذکرہ بالا باب "لسانی مطالعہ" کی روشنی میں زیر نظر کتاب ملاحظہ کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ اردو کی قوتِ ارتقا اس کی قوتِ انجذاب کے ساتھ مل کر اسے کہاں سے کہاں لے آئی ہے اور کہاں سے کہاں لے جاسکتی ہے ۔

اسی مطالعے سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ اردو کے مطالعے میں کوئی فرد یا ادارہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے "اہل زبان" اور صاحب استناد دوام نہیں کہلایا جاسکتا ۔ شاونیت پسندی اور مفاد پرستی کی اور بات ہے اردو پر ، اردو کے پھیلاؤ اور اس کی قوتِ انجذاب پر نہ پہلے کسی شہر ، علاقے یا مکتب کا حقیقی اجارہ

تھا، نہ اب ہوسکتا ہے ۔ یہ ایک زندہ اور آزاد زبان ہے جب تک یہ زندہ اور آزاد رہے گی اس کے " اہل اس کے سب اہل علم بولنے اور سیکھنے والے ہوں گے ۔ "

انجمن نے اس مخطوطے کی اشاعت کو ایک خاص اہمیت دی ہے ۔ اس لیے بھی کہ صاحب مخطوطہ ایک بڑے جامع کمالات بزرگ تھے اور ان کے فکر و اظہار کی سمتیں بہت سی ہیں اور اس لیے بھی کہ اس سے اردو کے انقلابی ارتقاء کی کئی دل چسپ اور اہم منزلیں دریافت ہوئی ہیں ۔

شاہ تراب کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شمالی ہندوستان کے مشاہیر اساتذہ میر، سودا، مرزا مظہرجانجاناں کے ہم عصر تھے ۔ اب پاکستان کے بعد کئی کتابیں چھپی ہیں جن میں ہم عصر اردو اور بطور خاص سندھ، پنجاب اور سرحد کے اردو شعرا کا کلام موجود ہے ۔ کاش ڈاکٹر سلطانہ بخش اس حوالے سے جنوب و شمال یا شمال و جنوب کی ہم عصر اردو کا ایک مختصر سا تقابلی مطالعہ بھی پیش کردیتیں ۔ فضلائے اردو تو بہت کچھ جانتے ہیں لیکن ایک عام قاری کو یہ اضافی فائدہ حاصل ہوجاتا تو اس اشاعت کی اہمیت اور بڑھ جاتی لیکن شاید وہ ایک الگ منصوبہ بن جاتا اور کہیں زیادہ محنت طلب کرتا ۔ سچ یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو خود بھی تو جستجو کرنی چاہیے ۔

ایک بار پھر ڈاکٹر سلطانہ بخش صاحبہ کا شکریہ کہ انھوں نے ایک اتنے اہم دفینے کو ایک زندہ خزینے کی صورت دی ۔ امید ہے کہ اردو تاریخ و تخلیق پر کام کرنے والے ہی نہیں عام اردو قارئین بھی اس اشاعت کو پسند فرمائیں گے ۔

۱۹۹۲ء

مثنوی نوسرہار

مصنفہ

شاہ اشرف الائین اشرف بیابانی

سنہ تصنیف ۹۰۹ ھ

مرتب

افسر صدیقی

پہلا ایڈیشن

انجمن ترقی اردو کے قیام کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں اردو کی جو تصانیف ہوئی ہیں ان کو فراہم کرکے محفوظ کیا جائے اور ان میں سے جو مخطوطے اردو زبان کے لسانیاتی اور تاریخی ادوار کی عکاسی کرتے ہوں ان کو شائع کردیا جائے تاکہ محققین کو خاطر خواہ امداد مل سکے ۔ بابائے اردو نے اپنے زمانے میں اس مقصد کو ہمیشہ اہمیت دی اور متعدد مخطوطات کو شائع کیا ۔ بابائے اردو کے انتقال کے بعد ہم نے اس کام کو جاری رکھا اور متعدد قلمی شہ پاروں کو زیور طبع سے آراستہ کرکے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ۔ یہ سلسلہ بحمداللہ ابھی تک جاری ہے ۔

کچھ مدت ہوئی اس نوع کی ایک مثنوی " کدم راؤ، پدم راؤ" کے نام سے شائع ہوچکی ہے جس کی تصنیف کا زمانہ نویں صدی ہجری بتایا جاتا ہے ۔ اب ایک اور مثنوی جس کی تصنیف " کدم راؤ، پدم راؤ" سے تقریباً چالیس سال بعد ہوئی انجمن کی جانب سے پیش کی جارہی ہے ۔ اس مثنوی کا نام "نوسرہار" ہے ۔ انجمن نے اس سے قبل جتنے مخطوطے شائع کیے ہیں ان میں یہ مقصد پیش نظر رہا ہے کہ اردو زبان کی مفید اور مستند روایات کو عام کیا جائے انجمن کا مقصد زبان اردو کی تاریخ مرتب کرنے والوں کی امداد و اعانت کرنا ہے اور ابھی تک اسی احتیاط کے ساتھ کام ہورہا ہے۔

"مثنوی نوسرہار" اردو کے قدیم اور جدید عہد کے درمیان ایک ایسی کڑی ہے جس کو نظرانداز اور فراموش

نہیں کیا جاسکتا ۔ توقع ہے کہ قارئین اس کی خاطر خواہ پذیرائی فرمائیں گے ۔

۱۹۸۲ء

حدیقتہ المرام

(علمائے مدراس)

مصنفہ

محمد مہدی واصف مدراسی

سنہ تصنیف ۱۲۷۰ ھ

مترجم

سخاوت مرزا

(بی اے، ایل ایل بی عثمانیہ)

پہلا ایڈیشن

حدیقتہ المرام ان اہل علم و فضل کا تذکرہ ہے جو مدراس اور اس کے قرب و جوار میں گزرے ہیں ۔ اس کے مصنف کا نام محمد مہدی واصف مدراسی ہے۔ واصف اپنے دور کے مشہور مصنف تھے متعدد کتابیں۔ ان کی قوت تصنیف و تالیف کا ثبوت ہیں ان میں سے کچھ طبع ہوئی ہیں اور ان کے نسخے انجمن ترقی اردو کے کتب خانہ خاص میں موجود ہیں ۔ کچھ مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں ۔ واصف مرحوم اردو، فارسی، اور عربی تینوں زبانوں کے ماہر تھے اور ہر زبان میں اپنی تصنیفات کا ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ حدیقتہ المرام کو واصف صاحب نے عربی زبان میں لکھا تھا اور غالباً یہ کتاب طبع نہیں ہوئی تھی ۔ سخاوت مرزا مرحوم نے اپنی علم دوستی کی بنا پر اس کا ایک نسخہ کہیں سے حاصل کرلیا اور اس کو اردو میں ترجمہ کرکے انجمن ترقی اردو کے حوالے کیا ۔ غرض یہ تھی کہ یہ مفید کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم کے مطالعہ کے قابل ہوسکے، لیکن وہ ترجمہ کے کام سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اللہ کو پیارے ہوگئے اور حدیقتہ المرام ان کے مقدمے سے محروم رہ گئی ۔ اب انجمن نے یہ کام اپنے پرانے کارکن مخدومی افسر امروہوی کے سپرد کیا انھوں نے ترجمے پر نظرثانی بھی کی اور اس پر ایک مختصر مفید مقدمہ بھی تحریر کیا ۔ اول حدیقتہ المرام کو قسط وار رسالہ اردو میں شائع کیا گیا اور اب بعض اہل الرائے اصحاب کی فرمائش پر اسے کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے ۔

دنیائے اردو کے مختلف حصوں کے قابل قدر اشخاص کو جن کا علم و ادب سے تعلق ہو روشناس کرانا انجمن ترقی اردو کے اغراض و مقاصد میں شامل ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ناگزیر وجوہ سے کسی کتاب کی اشاعت میں تاخیر تو ہوجائے، لیکن اس سے روگردانی نہیں کی جاسکتی۔ اب کسی قدر تاخیر کے بعد یہ کتاب پیش کردی گئی ہے۔

۱۹۸۲ء

اردو فکشن

بنیادی و تشکیلی عناصر

(ایک تاریخی جائزہ)

مصنفہ

اختر انصاری

پہلا ایڈیشن

دراصل یہ ایک مقالہ ہے جو کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے مضمون تو کئی کتابوں کا مستحق ہے، لیکن اس اختصار کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ پروفیسر اختر انصاری کی شہرت ان کے قطعات سے شروع ہوئی ۔ ان کا مجموعہ "آبگینے" ۱۹۴۱ء میں طبع ہوا تھا۔ شاعری کے ساتھ ساتھ وہ ایک عرصہ سے افسانے بھی لکھ رہے تھے اور پھر وہ ایک اچھے اور منجھے ہوئے افسانہ نگار بھی تسلیم کیے جانے لگے۔ان کے افسانوں کے پانچ مجموعے ہیں ۔ اندھی دنیا ، نازو ،خونی،لو اک قصہ سنو اور یہ زندگی ۔ ان کی افسانہ نگاری کا آغاز تو رومانوی افسانہ نگاری کے دور میں ہوا ، لیکن وہ ہمارے ان اولین افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں ، جنھوں نے اردو افسانہ کو رومان کی ڈگر سے ہٹا کر حقیقت پسندی کی راہ پر ڈالا ۔

پروفیسر اختر انصاری تنقید میں افادیت پسندی کے ہمیشہ قائل رہے، چناں چہ چوتھی دہائی میں جب ان کا معرکہ آرا طویل مضمون "افادی ادب" شائع ہوا تو رومان پسند حلقوں میں خاصی کھلبلی مچ گئی ۔ کچھ حضرات کی نظر میں ان کے اس مضمون نے ترقی پسند ادب اور شاعری کی ادبی اور فنی جڑیں جمانے میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا تھا ۔ اس کے بعد سے وہ مختلف ادبی موضوعات پر ایسے مضامین لکھ چکے ہیں جو ادبی حلقوں میں پسند کیے جاتے رہے ۔

مقالہ زیر نظر "اردو فکشن ۔ بنیادی و تشکیلی عناصر" پڑھتے ہوئے ان کے تحقیقی دائرہ کا زیر نظر

رکھنا ضروری ہے، یعنی یہ اردو فکشن کے بنیادی اور تشکیلی عناصر کا ایک "تاریخی جائزہ" ہے، اس کی ؟ وضی مبسوط تنقید نہیں ہے، مگر ایسا بھی نہیں کہ مصنّف نے اپنی تنقیدی رائے کو اپنے ہی حق میں محفوظ رکھا ہو ۔ اس "تاریخی جائزہ" کی پیش بندی خود مصنّف کی نیّت اور ارادہ کی یاد دہانی مقصود تھی ۔

اگر اس مقالے کا لب لباب جاننا مقصود ہو تو اس کے ابتدائیہ کی سطریں کافی ہیں ۔ داستان، ناول اور مختصر افسانے کی پیدائش اور ترویج سے پہلے اردو نثر کے کون سے اجزاء یا عناصر ایسے تھے جن کو ہم کہانی کے ذیل میں شمار کرسکتے ہیں ؟ یا جن پر کہانی کا اطلاق ہوسکتا ہے یا جن کا رشتہ کسی نہ کسی طور پر کہانی کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے ؟ اس مطالعے سے ضمناً یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ جائے گی کہ ایک دور تک اردو میں ناول اور مختصر افسانے کی صنفیں کس پس منظر میں ابھریں اور جن عناصر سے ان کا خمیر اٹھا وہ کس حد تک اردو کے قدیم نثری ادب کی دین ہے "۔ مصنّف نے اپنے دائرہ علم و خیال کی اسی حد بندی میں جو بنیادی سوالات اٹھائے ہیں ان میں فکشن کے آغاز و ابتداء، اس کی تاریخی اٹھان اور جدید تعریفوں کی روشنی میں ناول اور افسانہ کی شکل میں ڈھل جانے یا بتدریج ڈھلتے رہنے کے عمل کی نشان دہی کرکے ان کے جواب وسیع اور بسیط ادبی تناظر میں دیے ہیں ۔

پروفیسر اختر انصاری کا تنقیدی رویّہ ایک صاحب علم و خبر کا محتاط رویّہ ہے ۔ وہ ایک ہی بات کے متعدد پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں اور علمی انداز میں ان تمام پہلوؤں پر اتنی کافی بحث کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو ایک ذہنی تشفّی اور آسودگی کا احساس

ہوتا ہے ۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ کسی بھی مکتب فکر پر کوئی بے جا حملہ نہیں کرتے جو آج کل تاریخی حقائق کے بارے میں بھی اختیار کرلیا جاتا ہے ۔

زیر نظر مقالے میں اردو فکشن کی ابتدا اور باقاعدہ آغاز کا ذکر انھوں نے چودھویں صدی عیسوی سے شروع کیا ہے اور اردو کے ابتدائی نمونوں کی نشان دہی اس دور کے صوفیائے کرام اور سیّاحوں کی تحریروں میں کی ہے ۔ پھر اس دور کی اخلاقی اور متصوفانہ کتب سے ہوتے ہوئے وہ فضلی کی "کربل کتھا" اور قربان علی اور قاسم کے مراثی کے حوالے سے اردو کے ابتدائی دور کا تذکرہ کرتے ہیں ۔ پھر چودھویں صدی عیسوی سے اٹھارھویں صدی عیسوی کے دوران ان تصانیف کا جائزہ لیتے ہیں جہاں انھیں اردو زبان میں چھوٹے بڑے قصّوں کا سراغ ملتا ہے ۔

اٹھارھویں صدی سے وہ اردو فکشن کے باقاعدہ بنتے ہوئے نقوش کی نشان دہی کے ضمن میں اس اہم بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ چودھویں صدی سے اٹھارھویں صدی تک "دکن کے نثری ادب نے ایک تصنیف بھی ایسی پیش نہیں کی جو حقیقی معنوں میں افسانہ کہی جاسکے" (ص ۔ ۱۰) اور اس طرح وہ کربل کتھا اور نوطرز مرصّع کو خوشحالی ہندوستان کی اردو تصانیف اور تراجم ہیں، اردو فکشن کا بنیادی پتھر مانتے ہیں ۔ انیسویں صدی میں ان کے نزدیک اس کی (یعنی فکشن کی) فراوانی نظر آتی ہے ۔

تیسرا باب "اردو میں ناول کا آغاز اور ابتدائی نشوونما" اور چوتھا باب "اردو میں مختصر افسانے کی ابتدا" سے متعلق ہیں ۔ ان ابواب میں دونوں اصناف کے بارے میں ابتدائی اطلاعات فراہم کی گئی ہیں ۔ مقالے کی اصل جان آخری دو باب ہیں جن میں

ناول اور افسانے کے موضوعات اور فن کے اعتبار سے تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس مختصر مقالے میں فی الواقع اختر انصاری صاحب نے بڑے بسیط اور عمیق موضوع کو سمونے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ویسے تو یہ موضوع ایک کتاب کیا کئی کتابوں کا موضوع بن سکتا ہے، لیکن اگر یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ مصنف نے ایک وسیع اور بسیط موضوع کو ایک مقالے میں محدود کرنے کی سعی کی ہے تو یہ ایک کامیاب مقالہ ہے اس لیے کہ اس میں موضوع زیر بحث کی تمام جزئیات اور کلّیات کے متعلق بنیادی اطلاعات اور اشارے فراہم کردیے گئے ہیں۔

ایک گزارش پورے ادب کے ساتھ اور یہ ایک طرح معذرت بھی ہے۔ یہ مقالہ اس صدی کی تیسری دہائی پر آکر رک گیا ہے اور فاضل مصنف نے اپنے ابتدائیے میں اس امر کی کوئی وضاحت نہیں کی کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ شاید ان کے خیال میں اردو فکشن کے بنیادی و تشکیلی عناصر اس کی تیسری دہائی تک مکمل ہوچکے تھے۔ صفحہ ۲۲ پر ایک بڑا بامعنی بیان آتا ہے"... یہ ظاہر ہوا کہ اس دور کے اختتام تک اردو افسانہ قدیم داستانی، اثرات سے بالکل آزاد ہوچکا ہے اور ہیئت و تشکیل متن و مولد اور غایتی میلانات کے اعتبار سے اپنے ارتقائی سفر کے سب سے پہلے اور سب سے دشوار مرحلے سے بہ خیروخوبی گزرنے کے بعد شباب اور فروغ شباب کی منزل میں داخل ہوا چاہتا ہے اور یہیں ہمارا موجودہ مطالعہ اردو فکشن کے بنیادی و تشکیلی عناصر" بھی اپنے اختتام کو پہنچتا ہے"۔ ہماری گزارش ہے کہ اردو فکشن کے تشکیل عناصر تیسری دہائی میں مکمل نہیں ہوگئے ابھی اسے فرنچ، جرمن، روسی، بطور خاص فرنچ اور جرمن اثرات سے

آمیز ہونا تھا اور اگلے ادوار میں جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ایسا ہوا ۔ اگلا دور (یعنی مصنف کے بقول ۱۹۳۶ء تک کا دور) نہ صرف ترقی پسند افسانہ نگاری کا ایک درخشاں باب تھا، بلکہ غیر ترقی پسند" افسانہ نگاری بھی (یعنی وہ افسانہ نگاری جسے بعد میں غیر ترقی پسند قرار دیا گیا) اسی دور میں پورے زوروشور سے منظر عام پر آئی تھی اس وقت صرف ایک مثال پیش کی جائے گی، پروفیسر محمدحسن عسکری۔

لیکن یہ محض ایک نقطۂ نظر ہے اور ناشرین کی محدودات دیکھتے ہوئے ہم مصنف کے اس موقف کو موضوع بحث نہیں بنائیں گے ۔ ساتھ میں اس پر اصرار نہیں کریں گے کیوں کہ پھر یہ بحث بھی چھڑ سکتی ہے کہ تشکیلی عناصر کیا ہوتے ہیں اور یہ دوسرا میدان ہے۔

اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود اردو فکشن اب بھی تشکیل کی منزلوں سے گزر رہی ہے چند برس سے جدید افسانہ، ہندوستان و پاکستان میں جن بادلوں کو ایک تیز طوفان کی طرح لئے کر داخل ہوا ہے شاید اچھی فصلیں دینے والی بارش ثابت ہوں شاید بڑے نقصانات کرتے ہوئے گزر جائیں ۔ بہرحال، وہ صرف اردو فکشن کا ایک نیا دور نہیں بلکہ اس کے تشکیلی عناصر میں ایک (تعمیری یا تخریبی) اضافہ ہیں ۔

کاش ۔ یہ یقیناً ممکن ہے ۔ پروفیسر اختر انصاری اس مقالے کا دوسرا حصّہ یا ایک دوسرا مقالہ عنایت فرماسکیں ۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنا یہ موقف برقرار رکھیں گے کہ اردو فکشن کے تشکیلی عناصر تیسری دہائی ختم ہوتے ہوتے مکمل ہوگئے تھے ۔ اس کے بعد اس کا شباب اور فروغ شباب ہے، لیکن ان جیسے اہل مطالعہ اور صاحب قلم سے یہ امید بجا ہوتی ہے کہ وہ بعد کے ادوار پر، اپنی ہی تقسیم کے مطابق ، ایک

نقد، ایک جائزہ، ایک تبصرہ مکمل کریں ۔ انجمن اسے تمام تر احترام اور مسرّت کے ساتھ شائع کرے گی۔

زیر نظر کتابچہ بھی، شاید اپنے موضوع پر، اردو کی اہم ترین مختصر تصنیف ہے، نہ صرف طالب علموں کے لیے بلکہ ادب کے ایسے اساتذہ کے لیے بھی، جنھیں اس کی کیپ سول (CAPSULE) رہنمائی ایک دور تک ایک بہت خوب صورت، بے تعصّب اور مکمل جائزہ فراہم کرے گی۔

۱۹۸۳ء

تیسرا

بابائے اردو یادگار لیکچر

۳ فروری ۱۹۸۲ء

جمالیات اور اردو ادب

از

ڈاکٹر ریاض الحسن

پہلا ایڈیشن

یہ مقالہ "بابائے اردو توسیعی خطبات" کے سلسلے کی تیسری کڑی ہے ۔ انجمن اصولاً ایسے خطبات کو شائع کرنے کا انتظام بھی کرتی ہے ۔ ڈاکٹر ریاض الحسن مرحوم سے اردو ادب کی جمالیات پر اظہار خیال کرنے کی درخواست کی گئی تھی ۔ ان کو اس موضوع سے بڑا لگاؤ تھا اور انھوں نے اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا ۔ علاوہ ازیں وہ فلسفۂ جمال کے ماہر کروچے (۱۸۶۶–۱۹۵۲ء) کی تصانیف بھی نہ صرف یہ کہ بہت ڈوب کر پڑھ چکے تھے بلکہ بابائے اردو مرحوم کی فرمائش پر اور ہمارے اصرار پر اس کی ایک کتاب کے بڑے حصّے کو انجمن ہی کے زیر اہتمام اردو میں منتقل بھی کر چکے تھے۔ افسوس کہ وہ ان کی موت کے سبب مکمل نہیں ہو پائی، لیکن انشاء اللہ انجمن اُسے مکمل کرا کے شائع کرے گی ۔

اپنے موضوع کے اعتبار سے جمالیات کا تعلق اصلاً حسن، مظاہر حسن اور فنون لطیفہ سے ہے، لہذا اسے حسن اور فن کاری کا فلسفہ کہنا چاہیے ۔ ان معنے میں جمالیات سے مراد وہ نظریے ہیں جو فلسفیوں نے حسن اور اس کے مظاہر اور فنون لطیفہ کی ماہیت کے بارے میں پیش کیے ہیں، لیکن اکثر لوگوں کو نظم میں جمالیات بحیثیت ایک جداگانہ فلسفے کے مغرب کی چیز نظر آئے گی ۔ مشرقی ممالک میں تمام تر ذوق جمال کے باوجود موجودہ دور سے پہلے جمالیات کے نظریے کا باقاعدہ مرتب کرنے کا رواج نہیں تھا ۔ قدیم ہندو جاپانی اور چینی ادب میں چند بحثوں کے

علاوہ ممالک مغرب میں بھی یوں تو سقراط اور افلاطون کے زمانے سے اس موضوع پر خیال آرائی ہوتی رہی ہے۔ لیکن اٹھارویں صدی کے وسط سے پہلے جمالیات کو فلسفہ کی ایک شاخ ہی سمجھا جاتا تھا۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں جمالیات کو ایک جداگانہ فلسفہ کی حیثیت حاصل ہوئی اور کروچے تک آتے آتے جمالیات کے کتنے ہی نظریے مرتب ہوگئے ۔ ڈاکٹر ریاض الحسن مرحوم نے اس خطبہ میں بتایا ہے کہ عربوں نے ارسطو اور افلاطون کے فلسفے سے تو بے شک استفادہ کیا لیکن ان کے جمالیاتی افکار کی پیروی نہیں کی ۔ یہی وجہ ہے کہ عربی ادب میں ہمارے محدود علم کی حد تک جو دوسری زبانوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے ، جمالیات سے متعلق کوئی علیحدہ قابل قدر تصنیف معروف نہیں ۔ اسی طرح فارسی ادبیات میں بھی اٹھارویں اور انیسویں صدی تک جمالیات ایک علیحدہ مضمون کے طور پر کہیں نظر نہیں آتی ۔ اردو شاعری کے خمیر کا غالب حصّہ بھی چوں کہ فارسی شاعری پر مشتمل ہے، اس لیے اردو میں بھی زمانہ حال سے قبل جمالیات کو ایک الگ اور مستقل شعبہ کے طور پر نہیں رکھا گیا ، بلکہ نصف صدی پہلے تک تو اردو زبان میں غالباً جمالیات کا لفظ بطور اصطلاح ملنا دشوار ہے ۔ فارسی اور اردو کے صوفی شعرا کے کلام میں حسن حقیقی اور حسن مجازی کا ذکر ملتا ہے ۔ اس کا تعلق مغرب کے جمالیاتی افکار و نظریات سے نہیں، بلکہ الٰہیات سے ہے ۔ با الفاظ دیگر ان شعرا کی جمالیات ، اسلامی تہذیب کے تصور حقیقت کے تابع اور اس سے ماخوذ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر ریاض الحسن مرحوم نے مغرب کے جمالیاتی افکار کا کوئی مربوط اور مفصل جائزہ پیش کرنے سے گریز کیا اور اپنی توجہ زیادہ تر اردو ادب کی جمالیات

پر مرکوز رکھتے ہوئے اردو شعرا کے جمالیاتی تصورات ہی سے غرض رکھی ۔ کاش وہ اردو ادب کی دیگر اصناف کو بھی اپنے مضمون میں شامل کرلیتے ۔

آدم سے لے کر اس دم تک انسان ہر دور میں نہ صرف یہ کہ حسن کا شیدائی رہا ہے، بلکہ حسن کی ماہیت کا سراغ لگانے کی کوشش بھی کرتا رہا ہے ۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ حسن کی جتنی تعریفیں آج تک کی گئی ہیں وہ اکثر ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لہذا حسن کی ماہیت پر کسی بھی قول کو حرف آخر نہیں سمجھا جاسکتا ۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ حسن کو دیکھنے کا اپنا اپنا انداز نظر ہے مثلاً ایک شاعر حسن کو جس انداز سے دیکھتا ہے ۔ ایک سائنٹسٹ غالباً اس انداز سے نہیں دیکھتا ۔ایک صوفی کا خیال حسن کے بارے میں شاعر اور سائنٹسٹ دونوں سے مختلف ہوتا ہے ۔ مثالاً ہی یہ بھی ملاحظہ ہو کہ صوفی تو اشیاء کے انفرادی حسن کو دیکھنے کے بجائے ہر شے میں حسن ازل کا پرتو دیکھتا ہے،لیکن شاعر چیزوں کے انفرادی حسن کو دیکھنے کے ساتھ چیزوں کے درمیان جو ازلی ربط ہوتا ہے اسے بھی محسوس کرتا ہے ۔ اسے محبوب کے چہرے اور پھول میں یک رنگی محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کے چہرے کو پھول کہہ دیتا ہے ۔ شاعری میں تشبیہ و استعارہ کا راز چیزوں کے درمیان اسی یک رنگی اور مشابہت میں پوشیدہ ہے ۔ یہ درست ہے کہ ہماری شاعری کے ایک بڑے حصے پر تصوف کا اثر غالب رہا ہے اور ہمارے بہت سے شعرا صرف شاعر ہی نہیں، صوفی بھی رہے ہیں ، لہذا قدرتی طور پر یہ شعرا حسن کے شیدائی تھے اور کائنات میں ہر جگہ حسن ازل یا شاہد حقیقی کا جلوہ دیکھتے تھے۔اردو اور فارسی شاعری میں ایک مدت تک

اسی ایک مضمون کو نو بہ نو پیرایوں میں ادا کیا جاتا رہا ۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبہ میں اس کی مثالیں کثرت سے پیش کی ہیں، لیکن ان کے خطبے کا بیشتر حصّہ ، صوفی شعرا کے تصوّر حسن کی نذر ہوگیا ۔ حالاں کہ اردو ہی نہیں، فارسی شاعری میں بھی حسن کی ترجمانی صرف اسی ایک پہلو سے نہیں، بلکہ دوسرے پہلوؤں سے بھی کی گئی ہے ۔ مثنوی اور قصیدے میں قدرتی مناظر کا حسن اردو اور فارسی شعراء نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ غزل میں منظرنگاری کی زیادہ گنجائش نہیں تھی پھر بھی غزل گوشعراء نے لالہ و گل کے پیرائے میں معاملات حسن و عشق کو جس انداز سے پیش کیا ہے وہ کچھ انھی کا حصّہ ہے ۔ علاوہ ازیں حسن نسوانی کی نو بہ نو دل کش تصویروں سے اردو فارسی شاعری کا دامن ایسا مالامال ہے کہ بقول کسے اس کی نظیر دوسری زبانوں کی شاعری میں مشکل ہی سے ملے گی ۔

ڈاکٹر ریاض الحسن مرحوم نے صوفی شعراء اور ان کے تصوّر حسن کے بارے میں وحدت الوجود کے نقطۂ نظر سے جو کچھ لکھا ہے، اس میں بعض غیرمتعلق باتیں بھی آگئی ہیں، مگر اس وقت ہم ان پر بحث نہیں کریں گے یہاں صرف اتنا عرض کردینا کافی ہے ۔ اسی طرح مقالے کے آخر میں مقصد اور پروپیگنڈہ کی جو بحث اٹھائی گئی ہے وہ بھی ہماری ناچیز رائے میں موضوع سے براہ راست متعلق نہیں معلوم ہوتی اور یوں بھی انجمن نے اپنے آپ کو ایسی بحثوں کی تشہیر میں شرکت کرنے سے علیحدہ رکھا ہے کہ انجمن کے پاس دوسرے اہم کام کم نہیں ۔ بہرحال ، یہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اپنے خیالات ہیں اور، حسب روایت مدیران اخبارات کی طرح، ہمارا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں ۔

ڈاکٹر صاحب کی تفہیم شعر میں کلام نہیں ۔ اگر انھیں کشاکش روزگار سے فرصت ملتی تو وہ اس موضوع پر (ترجمہ کرو چکے کئے علاوہ) بہت کچھ کام کرتے ۔ بطور خاص اردو ادب کے حوالے سے کام کرنے کی بہت گنجائش تھی مگر جب انھوں نے یہ خطبہ پڑھا، راقم الحروف نے ضروری ستائش کے بعد مودبانہ عرض کیا تھا کہ یہ خطبہ اپنے بہت سے محاسن کے باوجود تشنہ ہے ۔ نہ صرف بنیادی بحثوں کے لحاظ سے (گو کہ ان کی کوئی حد نہیں) بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اردو ادب تو فکشن اور تنقید پر بھی پھیلا ہوا ہے، لیکن اس خطبے میں بحث صرف شاعری تک محدود ہو کے رہ گئی ہے ۔ اس کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے موضوع کے بہت سے پہلوؤں کو بڑی خوبی سے سمیٹا ہے ۔ یہ خطبہ اپنے گوناگوں محاسن کے اعتبار سے یقیناً اس قابل ہے کہ صاحبان فکر و نظر اس کی پذیرائی ستائش کی نظر سے ، اور اہل ذوق استفادہ کریں گے ۔

معذرت کہ یہ حرفے چند رسمیات سے کسی قدر تجاوز کر گیا ۔ شاید اس لیے کہ یہ گزارشات اتنے بڑے موضوع کی وسعت کو دیکھتے ہوئے ضروری سمجھی گئیں ۔ بعض ناگزیر وجوہات سے اس یادگار توسیعی لکچر کی اشاعت میں تاخیر ہوئی ۔ بہرحال اب یہ کتابی صورت میں پیش خدمت ہے ۔

۱۹۸۳ء

رسالہ شگن
موسوم بہ

لولوئے از غیب

۱۱۰۲ھ

مصنفہ

شیو لال

مرتبہ

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

پہلا ایڈیشن

انجمن کے مخطوطات میں ایسے مخطوطات کو خصوصیت حاصل ہے جو اردو زبان کے بعض اہم ارتقائی ادوار کی جھلکیاں دکھاتے ہیں - ہم خاصا مالی نقصان اٹھا کر بھی انھیں چھاپتے رہتے ہیں تاکہ اس موضوع پر کام کرنے والے ان سے استفادہ کرسکیں - بڑی حد تک وہ تحریریں عام دل چسپی کی حامل بھی ہوتی ہیں -

زیر نظر مخطوطہ انجمن کا نہیں تھا بلکہ ڈاکٹر ایوب قادری مرحوم نے اسے انجمن کو عطیہ دیا تھا- یہ شمالی ہند سے تعلق رکھتا ہے اور عہد عالمگیر کے اواخر میں تصنیف ہوا - لیکن اس کی زبان اس کی ہم عصر اور کسی قدر بعد کی دکنی تحریروں سے بھی خاصی مختلف ہے - امید ہے کہ اہل نظر تقابلی مطالعہ کریں گے تو بہت سے قابل گفتگو مباحث ابھریں گے -

مصنف آں جہانی شیو لال کو مرتب محترم ڈاکٹر ایوب قادری نے اپنے مختصر سے تعارف میں اہل علم قرار دیا ہے اور چوں کہ ڈاکٹر قادری مرحوم نے اس مخطوطے کے حوالے سے صاحب مثنوی پر کام کیا تھا اس لیے ان کے بیان سے اختلاف نہیں کرنا چاہیے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ بات رواداری میں لکھ گئے - شیو لال صاحب روش عام کے مطابق فارسی ضرور جانتے ہوں گے اور علم نجوم سے ان کی دل چسپی مثنوی کے ہر باب سے ظاہر ہے لیکن اگر اہل علم موزوں طبع نہ بھی ہوں تب بھی قوافی کی صوتیات سے ناواقف نہیں ہوتے- ردیف و قافیہ کے معاملے میں اجتہاد اور بات ہے اور اس کا پتا صاف چل جاتا ہے، مثلاً ہماری صدی کے

بعض مستند شعرا نے رعد اور باد کو ہم قافیہ باندھا ہے لیکن یہ کہہ کر کہ وہ اجتہاد موتی کررہے ہیں ۔ شیو لال صاحب کا یہ رنگ نہیں ہے ۔

شیو لال صاحب کا اہل علم ہونا مثنوی سے ثابت نہیں، وہ قدم قدم پر ایسی غلطیاں کرتے نظر آتے ہیں جو فارسی ادب کے عالم نہیں کرسکتے پابند صنف نظم میں ردیف اور قافیہ شعر کی جان ہیں ۔ شیو لال اس لازمے کی طرف سے خاصے بے پروا نظر آتے ہیں۔ بعض الفاظ کو "ضرورت شعری" کے مطابق ناگوار حد تک کھینچ لیتے ہیں یا مختصر کردیتے ہیں ۔ مثلاً لفظ جمعہ کا استعمال دیکھیے ۔

اوٹھی ہے مثنوی جمعہ کے دن سے

یہاں جمعہ کو پہلے ہی غلط تلفظ کے ساتھ نظم کیا ہے ۔ چند اشعار کے بعد جمعہ کس طرح نظم کرتے ہیں۔

جمعہ پھر پنجشنبہ کے گھر آیا

ان کے ساتھ فن، وطن قافیہ باندھ لینا، کئی جگہ ایطائے خفی و جلی کو راہ دینا، بعض مقامات پر بالکل بے بحر ہوجانا (تفصیل کے لیے فاضل مرتب کے حواشی دیکھیے) یہ سب اہل علم کی نشانیاں نہیں ہیں، لیکن ان اغلاط سے مثنوی اور صاحب مثنوی کی تاریخی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ اس دور میں اردو شاعری سے شغف رکھنے والے ایک کائستھ بزرگ نے جس طرح اردو کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا وہ کئی لحاظ سے ایک دل چسپ مطالعہ ہے ۔

کتاب کے آخری صفحے سے انکشاف ہوتا ہے کہ نہ تو یہ مخطوطہ مصنف کے اپنے قلم سے لکھا گیا ہے نہ سال تصنیف کا نسخہ ہے ۔ کتاب ختم ہوئی ۔۹۱-۱۶۹۰ھ میں اور یہ مخطوطہ لکھا گیا ۔ ۱۸۶۰ء میں ۔ اس کی کتابت کسی سید علی بخش خاں صاحب نے کی جو مصنف

کے ہم وطن تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی ذریت
نے سیٹھ صاحب موصوف سے مصنف کا قلمی نسخہ صاف کرایا
ہے ۔ اس سبب سے قافیے ردیف اور تلفظات کی تو نہیں
بعض دوسری غلطیاں مصنف کے حساب میں سے نکال کر
کاتب کے حساب میں ڈالی جاسکتی ہیں ۔ کون سی ، یہ
کہنا دشوار ہے ۔

لیکن یہ اشاعت مصنف یا کاتب کے شمار اغلاط کے
لیے نہیں ہے ۔ اس اشاعت کا مقصد عہد عالمگیری کے
اردو پھیلاؤ پر روشنی ڈالنا ہے ۔اس وقت شمالی ہند
میں نہ صرف دفتری بلکہ نجی خطوط کی زبان بھی فارسی
تھی ۔اردو کو کوئی سرکاری یا تحریکی تائید بھی
حاصل نہ تھی ۔ جس سے ایک بار پھر ثابت ہوتا ہے کہ
اسے اس دور میں عام آدمی بولنے لگا تھا اور خاص
آدمی روزمرہ کے معاملات میں اردو گوئی سے کام لینے
پر مجبور تھا ۔ اس کیفیت نے اردو کو اظہار فن
کے لیے بھی ذریعۂ ابلاغ بنا دیا اور آہستہ آہستہ
شیو لال صاحب جیسے شوقین بھی اردو شاعری کی طرف
مائل ہونے لگے ۔ یہ دراصل ایک ناگزیر عمرانی رجحان
تھا جسے اکثر بزرگ اور معاصرین اردو کی ترقی کے
لیے دانستہ کوششوں کا عنوان بھی دے دیتے ہیں ۔
راقم الحروف نہایت ادب سے عرض کرتا ہے کہ ایسا ہونا
ہی تھا ۔

یہ مثنوی ایک خاص انفرادیت کی حامل ہے ۔ اس
میں کوئی قصہ کہانی نہیں بلکہ اپنے وقت کے علم نجوم
کی چند اصطلاحات کی نقاشی اور بیان خواص ہے ۔ اس
لحاظ سے یہ ایک اور بھی زیادہ دل چسپ مطالعہ بن
جاتی ہے ۔

ڈاکٹر ایوب قادری مرحوم اردو کالج کے واسطے
سے اور اپنی ذاتی حیثیت میں بھی انجمن کے ایک بہت

قیمتی معاون تھے۔ اللہ انھیں جنّت نصیب کرے ۔
بڑی لگن کے انسان تھے۔ انھوں نے بہت کام کیا اور
بہتوں کی انتہائی مفید اور بے غرضانہ رہنمائی کی۔
زیر نظر مثنوی پر کام انجمن کے لیے ان کا آخری
اور بہت قیمتی تحفہ ہے۔

۱۹۸۳ء

مفکرین اسلام

مصنفہ

مولانا عبیداللہ قدسی

پیش لفظ

ڈاکٹر جمیلہ خاتون

پہلا ایڈیشن

اس کتاب کی اشاعت میں کسی قدر تاخیر ہو گئی جس کے لیے انجمن محترم مصنف جناب عبید اللہ قدسی اور قارئین دونوں سے معذرت خواہ ہے ۔

تاخیر کے کئی اسباب تھے ۔ خواہش ہماری یہ رہتی ہے کہ ہر وہ علمی کتاب چھاپ دیں جو دوسرے ادارے اپنے تجارتی نقطۂ نظر کی وجہ سے نہیں چھاپتے لیکن انجمن کے پاس کوئی قارون کا خزانہ تو ہے نہیں ایک رجسٹرڈ غیر سرکاری ادارہ ہے جو اپنی علمی آزادی پر اصرار کرنے کے سبب بہت سے اہم مراکزو وسائل کی عدم توجہی کا شکار رہتا ہے ۔

چناں چہ اس مسودے کی باری کچھ دیر میں آئی لیکن جب یہ کتابت ہو کر آیا تو راقم الحروف کو معیار کتابت دیکھ کر سخت رنج ہوا ۔ مانا کہ ہم کتابت پر کم خرچ کرنے کے لیے مجبور ہیں لیکن اس مسودے کے کاتب صاحب ایسی معمولی کتابت کریں گے اس کا گمان نہ تھا ۔ کتاب وقیع اور کئی لحاظ سے نہایت اہم ہے لیکن آج کل کے قارئین حسن صورت بھی دیکھتے ہیں ۔ اشاعتی کاروبار ایک صنعت کی شکل اختیار کرگیا ہے اور بڑی سرمایہ کاری نے کتابوں کے باطنی محاسن میں معتدبہ اضافہ کیا ہو یا نہ کیا ہو صوری حسن میں واقعی بہت اضافہ ہوا ہے ۔ وہ لکھواتے بھی مہنگا (اور اچھا) ہیں اور کاغذ اور جلد پر کافی خرچ کرتے ہیں ہم جیسے اداروں کی محض علمی کتابیں قارئین کو پہلی نظر میں بھائیں بھی توکیسے بھائیں ۔

کئی بار سوچا کہ ساری کتابت دوبارہ کرائی جائے اور کاغذ بھی بہتر لگایا جائے مگر بجٹ کی محدودات ہمیشہ آڑے آئیں ۔ آخر ہار کر طے کیا کہ پہلا ایڈیشن اسی حالت میں چھاپ دیا جائے۔جو قارئین اصل موضوع سے گہری دل چسپی رکھتے ہیں کچھ امید ان سے بھی تو رکھنی چاہیے ، چناں چہ پہلا ایڈیشن اسی معمولی کتابت اور کاغذ کے ساتھ حاضر ہے ۔ اب بحمد اللہ انجمن کے مالی حالات نسبتاً بہتر ہوتے جاتے ہیں کہ چند ماہ سے برادر محترم نور الحسن جعفری اپنے اعلی سرکاری عہدے سے ریٹائر ہو کر پاکستان مرشیل کے چیئرمین مقرر ہوئے تو انجمن میں منتظم اعزازی کی حیثیت سے کام کرنے لگے ۔ بحمد اللہ وہ انجمن کی اہمیت کو اپنے ذاتی تعلقات میں سمو کر روز بروز انجمن کو زیادہ سے زیادہ مالی فوائد پہنچانے کا باعث ثابت ہو رہے ہیں ۔ اللہ تعالے انھیں انجمن کی خدمت میں بہت فعال رکھے ۔

مولانا عبید اللہ قدسی نے راقم الحروف سے یہ وعدہ بھی لیا تھا کہ راقم الحروف اپنی بے بضاعتی کے باوجود اس کتاب پر حرفے چند کی بجائے ایک مختصر سا مقدمہ لکھے گا مگر جب ڈمی سامنے آئی تو راقم الحروف کی پیشہ ورانہ مصروفیات آڑے آئیں ۔ کافی دن تو صاحب فراش بھی رہا ۔ اٹھا تو دوروں کے بعد دورے کرنے پڑے اور وہ اب بھی جاری ہیں ۔

ادھر قدسی صاحب نے کافی صبر کے بعد اصرار شروع کیا کہ کتاب جلد شائع کردی جائے ۔ ان کا حکم بھی بجا ہے، چناں چہ راقم الحروف اپنی یادداشتوں کو ایک طرف رکھتا ہے جو مقدمے کے سلسلے میں چند فکری مباحث پر مرتب کی تھیں(انشاء اللہ وہ مقدمہ اشاعت ثانی کے ساتھ پیش کیا جائے گا) اور اس وقت محض چند

گزارشات پر اکتفا کرے گا ۔

جیسا کہ خود قدسی صاحب نے اپنے پیش لفظ میں فرمایا ہے یہ مقالات انھوں نے مختلف حالات اور ضرویات کے تحت لکھے اور یہ بھی کہ یہ ان کی تیس چالیس سالہ محنت اور مطالعے کا نتیجہ ہیں۔ان مقالات کی تیاری میں جن ماخذات سے استفادہ کیا گیا ان کے حوالے بھی جابجا درج ہیں ۔ اردو میں تاریخ فکر پر ایسی کتابیں اب بھی کم ہیں جن میں ماخذات کے ایسے واضح اشارے ساتھ دیے جاتے ہیں ۔

کتاب کا نام "مفکرین اسلام" قدسی صاحب ہی نے رکھا ہے ورنہ دراصل یہ تمام یا بہت سے مفکرین اسلام کے کوائف یا فکری سفر کی تاریخ پر مشتمل کوئی جامع دستاویز نہیں،تمام مقالے بھی مفکرین پر نہیں ، بعض محض ان موضوعات پر ہیں جن کا اسلامی تاریخ فکر سے تعلق ہے، لیکن یہ مصنف کا انتخابی حق ہے۔اس کے علاوہ ان کے دوسرے بہت سے کارنامے ہیں، یہ کتاب ان کے نظریہ علم اور محنت کا صرف ایک مختصر سا مجموعہ ہے ۔

ہوا یہ ہے کہ مولینا قدسی صاحب کو گاہے گاہے مفکرین اسلام سے متعلق چند مباحث کے بارے میں کچھ اپنی زبان میں کہنا پڑا ۔(جیسا کہ قارئین محسوس کریں گے وہ محض رسمی باتیں نہیں کرتے بلکہ ایک اپنا تحقیقی ہی نہیں تجزیاتی نقطہ نظر رکھتے ہیں اور بعض مقامات پر بڑی بڑی گو نہایت عام غلط فہمیوں پر بھی گفتگو کرنے کے لیے مجبور ہوجاتے ہیں) اسی لیے وقتاً فوقتاً چند مباحث اور افراد نے انھیں اپنی طرف راغب ہونے پر مجبور کیا ہے جن افراد پر اس کتاب میں گفتگو ہے وہ درج ذیل ہیں ۔

۔ ابونصر فارابی کا نظریہ عمرانیات

- ابوعلی احمد ابن مسکویہ
- ابوعلی ابن سینا
- البیرونی کا طریق تحقیق اور اس کا ماخذ
- ابن رشد اور علم کلام
- ابن خلدون اور اگست کونت کا تقابلی مطالعہ
- منصور حلاج کا بیان

جیسا کہ عنوانات سے ظاہر ہے یہ ان مفکرین کی سوانح یا فکری ارتقا اور کارناموں کی تاریخ نہیں بلکہ ان کے کسی معروف اختصاص پر گفتگو ہے، اور جیسا کہ پڑھنے سے واضح ہوگا وہ بھی اجمالی، کیوں کہ پہلے وقت اور اب ضخامت کی محدودات پوری تفصیل میں جانے کی اجازت نہیں دیتیں – مزید بر آں اس سلسلے میں ان کے دوسرے کارنامے بھی کافی ہیں، لیکن یہ اجمال کتنا بلیغ اور موثر اور متعلقہ موضوع پر کتنی واضح روشنی ڈالنے والا ہے یہ مطالعے سے ہی اندازہ ہوگا، خواہ ہم کو ان کے نقطۂ نظر سے کتنا ہی اختلاف ہو جیسا کہ بعض مقامات پر ہے – دوسرے اہم موضوعات جن کا اجمالی احاطہ کیا گیا ہے ملاحظہ ہوں :

- اسلام سے پہلے عرب کے تصوّرات
- معجزہ و خوارق عادات کی حقیقت
  (شاہ ولی اللہ صاحب کا نقطۂ نظر)
- چھ سو برس میں علمی رفتار کا مختصر جائزہ
  منطق، فلسفہ ، توحید و عقائد، نحو
- اردو میں عربی اور فارسی کے ترجمے
- قرآن شریف کے تراجم

ان ابواب میں پہلے دو چھوڑ کر جن میں فاضل مصنف نے اپنا تجزیہ پیش کیا ہے باقی دو معلوماتی مضامین ہیں جن میں بہت مفید اطلاعات جمع کردی گئی

ہیں ۔ اس ضمن میں یاد دلا دیا جائے کہ اردو میں مذہبیات پر بابائے اردو مولوی عبد الحق کی زیرنگرانی ایک ضخیم کتاب "قاموس الکتب" (جلد اوّل) بھی موجود ہے ۔

ظاہر ہے کہ مفکرین اسلام صرف وہی سات محترم افراد نہیں جن پر مقالے قدسی صاحب نے اس مجموعے کے لیے منتخب کیے ۔ مفکرین اسلام کی تعداد سات سے ماشا اللہ کہیں زیادہ ہے، مثلاً آج کون ایسا محقق یا مبصّر ہے جو امام غزالی ، امام رازی، امام ابو الحسن اشعری، امام ابن شہید، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کو اپنے جزوی یا کلّی اختلافات کے باوجود مفکرین اسلام میں شامل نہ کرتا ہو (دوسرے بہت سے محترم ہیں یہ راقم الحروف نے صرف تین مثالیں دی ہیں)۔ لیکن جیسا کہ ہمارا اندازہ ہے فاضل مصنّف نے اس کتاب کے لیے اپنے بہت سے مقالوں میں سے چند ان تحریروں کو منتخب کیا جن میں وہ ، اپنی صوابدید کے مطابق، چند مخصوص مفکرین کے ان نظریات کا ذکرکرنا چاہتے تھے جن میں انھیں عالمی سطح پر اختصاص حاصل ہوا اور جس سے ہماری موجودہ نسل افکار مغرب کی یورش کے سبب روشناس نہیں ہوسکی ہے، مثلاً ابن خلدون کو ہی لیجیے ۔ بے شمار مغربی مفکرین و مورخین کے علاوہ عالمی شہرت کے مالک اور فلسفہ تاریخ کی نامور شخصیت پروفیسر شوائن بی کا قول ہے کہ ابن خلدون پوری تاریخ عالم میں پہلا شخص ہے جس نے فلسفہ تاریخ سے جدید عمرانیات کے اصول و علوم اخذ و مرتب کیے ۔ فاضل مصنّف نے اپنے موضوع مفکرین (مندرجہ بالا) کے حوالوں سے مغرب کے بہت سے ان علماء کے دعووں کی پول کھول دی ہے جو اپنی تمام تر فضیلت کے باوجود محض تعصّب کی بنا پر یورپ کے فکری ارتقا میں عظیم

مسلمان مفکرین کا کمتری بیوقعتی اس حد تک دبا دیتے ہیں کہ اپنے تبصروں میں ان کا ذکر ہی نہیں کرتے ، مثلاً ڈاکٹر اولیوں ہیبلو جیسا فاضل جب ازمنہ وسطی کے ذہنی ارتقا پر دو جلدیں مرتب کرتا ہے تو مسلم ثقافت کے وجود اور اس کے واضح اثرات کی طرف اشارہ تک نہیں کرتا ۔ یہاں تک کہ (راقم الحروف برہنا سے استغفار عرض کر رہا ہے) برٹرنڈرسل جیسی بہ ظاہر غیر متعصب شخصیت اپنی تاریخ فلسفہ مغرب میں ابن رشد کے علاوہ اور کسی مسلمان فلسفی کے اثرات کو کوئی خاص وقعت نہیں دی تھی ۔

اس تناظر میں فاضل مصنف کا یہ انتخاب مفکرین و مباحث کو بوجوہ محدود سہی، ایک نہایت اہم ضرورت بن کر سامنے آتا ہے ۔

راقم الحروف کا یہ منصب اور فریضہ نہیں کہ فاضل مصنف کی بحث پر بحث کرے ۔ سب جانتے ہیں کہ ایک اشاعتی ادارے کے منتظمین کا فاضل مصنفین سے ہم خیال ہونا ضروری نہیں ہوتا لیکن مصالح مرسلہ مجبور کرتے ہیں کہ راقم الحروف فاضل مصنف کے ان تجزیوں سے ادارتی لاتعلقی قطعی طور پر ظاہر کردے جو آج بھی بعض مکاتیب فکر کے نزدیک سخت متنازعہ فیہ ہیں، مثلاً منصور حلاج کے عقائد پر علمائے اسلام کی ایک وقیع تعداد آج بھی اسی طرح نکتہ چیں ہے جس طرح منصور حلاج کے زمانے میں تھی ۔ فاضل مصنف کو بہت سے دوسرے مبصرین حلاج کی طرح حلاج کے دفاع میں سب کچھ کہنے کا حق حاصل ہے جسے انھوں نے استعمال کیا (چند برس ہوئے لاہور کے ایک موقر جریدے نے اپنا ایک پورا نمبر حلاج کے دفاع میں شائع کیا تھا) لیکن ہم یہ بات ریکارڈ پر لائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ حلاج کے مبینہ عقائد آج بھی ایک انتہائی متنازعہ فیہ

مضمون ہیں۔ ان پر کفر کے فتووں کی مثال ان فتووں پر صادق نہیں آتی جو تقریباً ہر زمانے میں ہر قابل ذکر مفکر اسلام پر دیے گئے۔ ان فتووں سے نہ امام غزالی بچے نہ امام ابن تیمیہ نہ امام ابن رشید، نہ شیخ راکبین، نہ حضرت شاہ ولی اللہ، خود موجودہ زمانے میں علامہ اقبال کے خلاف لاہور میں کفر کا فتوے شائع ہوا جسے مسٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ کی حیات بنام "زندہ رود" میں نقل کیا ہے لیکن وہ فتوے وقت کے ساتھ معدوم ہوتے گئے جب کہ منصور حلاج کے بعض بیانات آج بھی ان کے بارے میں بعض معتبر اہل افتا سے سند برأت حاصل نہیں کر سکے ہیں۔

بہرحال یہ ایک مثال ہے اس موقف کی کہ ناشرین کا فاضل مصنف کے تبصروں سے متفق ہونا نہ صرف ضروری نہیں بلکہ ناشرین ہونے ادب کے ساتھ ان کی ایسی آراء کو کم از کم اختلافی قرار دینے کا صریح اعلان اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

ایک باب کے بارے میں آرزو ہے کہ کاش مولانا اگلی اشاعت تک اسے تفصیل کے ساتھ مکمل کر لیں۔ وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے آج بھی کم از کم اردو قارئین کے لیے ایک بہت تشنہ مضمون ہے۔ ہمارا اشارہ "اسلام سے پہلے عرب کے تصورات" کی طرف ہے جو ایک بہت وسیع مطالعہ ہوتے ہوئے بھی تکمیل طلب کرتا ہے۔ ہم نے اسلام سے پہلے دنیائے عرب پر اب مغربی اور مشرقی مصنفین نے خاصا کام کر لیا ہے اور راقم الحروف چاہے گا کہ مولانا قدسی ان کا اجمالی احاطہ اگلی اشاعت میں شامل کر دیں۔ زیر نظر مضمون میں بھی انھوں نے موجودہ علامہ شکری آلوسی (بغدادی) کے مشہور مقالے "بلوغ الارب فی لسان العرب" سے استفادے کا حوالہ حاشیے کے اشاریوں میں دیا ہے (کتابت کی غلطی سے

بلوغ الارب کی بجائے بلوغ الادب "۲ یعنی ز کی بجائے دال کے ساتھ چھپا ہے جس کے لیے انجمن معذرت خواہ ہے) لیکن پورے ادب کے ساتھ راقم الحروف کو احساس ہے کہ مولانا قدسی اس کتاب کے مندرجات سے بھی زیادہ فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ پروفیسر گستاولی بان کی کتاب تمدن عرب (جس کا حوالہ چند بار دیا گیا ہے) غالباً ۱۹۰۳ء میں چھپی تھی اور پروفیسر لی بان کی محنت میں کلام نہیں لیکن راقم الحروف نے مولانا عبد العزیز میمن جیسی جلیل القدر ہستی سے خود سنا کہ مولانا شکری آلوسی کی کتاب بلوغ الارب میں قبل از اسلام تہذیب عرب کے ماخذات بہت زیادہ ہیں۔ بلوغ الارب کے معنی ہیں تہذیب کا ارتقا ۔ اور فی لسان العرب کا مطلب تو ظاہر ہے "عربی زبان میں" یعنی اس کتاب کے نام کا ترجمہ ہوگا "عربی زبان میں تہذیب کا ارتقا" مولانا شکری آلوسی کا بنیادی موضوع جاہلیہ کے عرب کی تمدنی یا فکری تاریخ لکھنا نہ تھا اور نہ یہ مقصد پروفیسر لی بان کا تھا لیکن مولانا میمن فرماتے تھے کہ اگر پروفیسر لی بان کی کتاب میں بلوغ الارب سے پورا پورا استفادہ کیا جاتا تو جاہلیہ کے عرب تصورات رسم و رواج اور عقائد کی ایک جامع تر تصویر سامنے آسکتی تھی ۔

اس کے علاوہ بھی راقم الحروف کو بتایا گیا ہے کہ شیخ عربی فضلا نے تاریخ عرب مدون کرتے وقت مستند تحقیقی شواہد کے ذریعے بعض بیش بہا اضافے کیے ہیں یقیناً مولانا قدسی ان کی تلاش و تلخیص کر سکتے ہیں اور یہ ان کا اردو دنیا پر بڑا احسان ہوگا ۔

اگلی اشاعت ہی کے لیے ہم ان سے ایک اور توقع کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ بھی — اولیری صاحب کی فلسفہ اسلام پر توجہ کر کے

ان کے تجزیوں پر اپنے تبصرے پیش کریں جن کی رو سے اسلامی فکر کے تمام تر مغزن نعوذباللہ یونان قدیم کے انکار رہے ہیں - اب جملہ معترضہ ہی سہی مگر یہ بیان کرنا خالی از دل چسپی نہ ہوگا کہ کراچی کے ایک موقر اشاعتی ادارے نے ڈی۔اولیری کا ایک ترجمہ (جو پہلے حیدرآباد دکن میں شائع ہوا تھا) اس دعوے کے ساتھ چھاپا ہے کہ وہ "یوروپ کی غلط روی کا علمی جواب ہے جو انھوں نے فلسفے کی تاریخ بیان کرنے میں روا رکھی ہے" - جب کہ خود مترجم نے جا بجا حواشی کے ذریعے اولیری کے بہت سے بیانات کو تعصب اور غلط بیانی اور کذب و افترا پر مبنی اور "بمنزل کفر" قرار دیا ہے -

لیکن ڈی - اولیری نہ ایک مسلمان فلسفی تھا نہ مورخ - اس سے آپ ایمانی بصیرت کی توقع کیسے کرسکتے ہیں - وہ تو اپنا نقطہ نظر بیان کرتا ہے لیکن چوں کہ موضوع اور کتاب کا نام فلسفہ اسلام ہے اور کتاب کسی تحفظاتی نوٹ کے بغیر چھاپی گئی ہے اس لیے عام قاری غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتا ہے - اس کے علاوہ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ ڈی - اولیری نے بہت محنت کی ہے اور علمی انداز اختیار کیا ہے - اس کا جواب محنت اور علم ہی کے ذریعے دینا مناسب ہے تاکہ اس کے زہر کا تریاق ایک تریاق مسلسل کے طور پر طالبان حقیقت تک پہنچتا رہے - بہت سے قارئین کی طرح جو اسلام کو مفکرین اسلام کے ذریعے بھی سمجھنا چاہتے ہوں - راقم الحروف کی آرزو رہی ہے کہ کبھی نہ کبھی عالمی تاریخ فکر کا احاطہ کم از کم اس دور تک کرلینا چاہیے جہاں کلاسیکی مفکرین اسلام کا دور ختم ہوتا ہے - اس کا مطلب یہ نہیں کہ راقم الحروف ول ڈیورنٹ (یا ول ڈوراں) کی "دی اسٹوری آف فلاسفی"

کا خلاصہ پیش کرانا چاہتا ہے (جو اپنی جگہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہونے کے باوجود بدیہی طور پر متعدد لاعلمیوں اور تعصبات کا شکار ہے) بلکہ خواہش یہ تھی کہ پہلے ان بڑے بڑے فلسفوں کا مختصر سا احاطہ کیا جائے جو اسلام سے پہلے اور بعد اسلام بھی اطراف عالم میں جاری و ساری تھے یا رہ چکے تھے اور ساتھ ہی ساتھ جس حد تک ممکن ہو ان افکار کے اذکار بھی تحریر میں آئیں جو مفکرین اسلام کے ادوار حیات میں کسی نہ کسی طور موجود یا اثر انداز ہو رہے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً ان شعبوں میں یونان ہی چھایا ہوا ہے بلکہ ڈی۔ اولیری کی فلاسفہ اسلام (ترجمہ مطبوعہ نفیس اکادمی کراچی) تو سارے فلسفہ اسلام کو نعوذباللہ یونانی فلسفے کا شاخسانہ قرار دیتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فارابی کو خطاب بھی ملتا ہے تو معلم دوم کا کیوں کہ معلم اول تو خود مسلم مفکرین کی رائے میں ارسطو قرار دیا جاچکا تھا۔ پھر بے شمار مباحث یا افلاطونیت یا نو افلاطونیت سے متاثر ہیں یا افلاطونیت اور نو افلاطونیت سے استفادہ و اختلاف کا مجموعہ لیکن ہم کو بیشتر تقابلی مطالعوں میں کہیں بھی ہندی اور چینی فلسفوں سے متعلق کوئی بحث نہیں ملتی جب کہ یہ ناممکن ہے کہ ایسے قدیم اور مضبوط فلسفے ہمارے ان عظیم مفکرین تک کسی نہ کسی انداز سے نہ پہنچ چکے ہوں۔

یوروپ کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ ابتدا میں تو دو تین مفکرین اسلام کی خوشہ چینی کا اعتراف کرتا رہا مگر اب اتنا بھی نہیں کرتا۔ ابن رشد، ابن سینا اور ابن خلدون، ان میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ابن خلدون کو تو آج تک (شوائن بی صاحب کی سند پر) دنیا کا سب سے پہلا ایسا فلسفی مورخ قرار دیا جاتا ہے

جس نے تاریخ عمرانیات کے اصول بھی مرتب کیے؛ لیکن ہماری تسلی کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم وہ قصے پڑھ پڑھ کر خوش ہوں جو یورپ کے [illegible] (یا مستشرقین) بزرگوں نے مفکرین اسلام اور ان سے استفادہ فکر و عقل کی شان میں پڑھے ہیں۔ یہ بھی کافی نہیں کہ ہم محض چند مثالوں کے بل پر یہ اعلان کرکے خوش ہوتے رہیں کہ دراصل مغرب نے فلاں بات ہم سے سیکھی اور فلاں فلسفہ ہم سے لیا یا فلاں انکشاف و ایجاد کا سہرا دراصل ہمارے سر ہے۔ یہ سب ضروری سہی اور اس کا مقام الگ ہے لیکن ہمارے لیے، آج کے اردو قاری کے لیے علمی لحاظ سے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے سامنے مفکرین اسلام کے حوالے سے ہی سہی، تاریخ فکر عالم کا ایک خلاصہ بھی پیش کردیا جائے، کسی تعصب و مجادلے کے بغیر خالص علمی اصولوں کے تحت، تاکہ دنیا بھر کی مجموعی فکری صورت حال اس کے سامنے رہے اور اس کے تناظر میں وہ منتخب مفکرین اسلام کی کاوشوں پر خود بھی ایک گہری نظر ڈال سکے۔

مغربیوں نے اپنے "عظیم مفکرین" کا تجزیہ افکار ہزار طریقے سے کیا ہے اور کرتا رہتا ہے۔ اس کے تعصبات اپنی جگہ لیکن اس کی محنت اور لگن میں بھی کلام نہیں۔ اس ضمن میں سیکڑوں حوالے دیے جاسکتے ہیں لیکن فی الوقت ہم ایک ہی مثال پر اکتفا کرتے ہیں جسے ہم نے اردو قارئین کے سامنے بھی پیش کر دیا ہے۔

انجمن کی ایک اشاعت "افکار عالیہ" ہے۔ اس کتاب میں ایک اہم مغربی سلسلہ اشاعت کے ابتدائی مقالوں کا ترجمہ، از ڈاکٹر خان رشید مرحوم، شائع کیا گیا ہے۔ وہ سلسلہ کتب ہے 'GREAT IDEAS OF THE WESTERN WORLD'.

یہ چوّن جلدوں پر مشتمل ایک سلسلہ ہے جسے برٹینی کا والوں نے چند نہایت فاضل مغربی مدیران سے منتخب و مدوّن کرایا ہے۔ انھوں نے قدیم مغرب سے لے کر اس صدی کے اوائل تک کے چوّن عظیم مغربی مفکرین کے افکار سے ایک سو چار (افکار یا تصوّرات) پر ان کے رجحانات اور بعض جگہ اقوال جمع کیے ہیں، مثلاً عدل، حسن، جمہوریت، جذبہ، ارتقا، موت وحیات۔ ان جیسے ایک سو چار تصوّرات پر مغرب کے چوّن عظیم مفکرین نے کیا اور کس طرح سوچا۔ پہلی دو جلدوں میں ایک سو چار مقالے ہیں جو مدیروں نے تحریر و مرتب کیے ہیں باقی جلدوں میں ان مفکرین کے اصل مقالے، اقوال یا تفصیلی اقتباسات ہیں۔ انجمن نے نمونے کے طور پر ان میں سے سات مقالوں کا ترجمہ کرایا اور اس کا نام "افکار عالیہ" رکھ کر سنہ ۱۹۷۷ء میں شائع کرایا۔ قیمت کل بارہ روپے رکھی گئی لیکن تاحال اس بیش قیمت کتاب کی اتنی پذیرائی بھی نہیں ہوئی کہ اس کی اشاعت ثانی کی نوبت آئے۔ بہرحال، انجمن اسی فہرست میں سے چند مزید مقالات کا ترجمہ کرا رہی ہے اور انشاءاللہ ایک دوسری جلد بھی شائع کردی جائے گی۔ لیکن وہ ترجمے ہیں جن میں جدید مغرب نے ہر بڑے خیال، تصوّر، فکر پر کلاسیکی مغرب ہی کے افکار کو اچھالا ہے۔ راقم الحروف نے اس ترجمے کے دیباچے میں بصد ادب ثناخوان تقدیس مشرق کی توجہ اس طرف دلائی تھی کہ ہم نے "فکر مشرق پر، جو ہزاروں سال پر محیط ہے، عشرعشیر بھی کام نہیں کیا۔ کاش کوئی اس طرف توجہ کرسکے اور پھر تقابلی مطالعوں کا لطف آئے۔ راقم الحروف کا منہ چھوٹا سہی لیکن بات تو بڑی ہے، چیلنج تو بڑا ہے۔ آج نہیں، انشاءاللہ کل اس کا جواب پیدا ہوگا۔" یہ

مشرق و مغرب کے فکری مجادلے کا مسئلہ نہیں ۔ نہ
کوئی تاریخی ترتیب ثابت کرنے کا مسئلہ ہے ۔ اصل
مسئلہ یہ ہے کہ میکس ملر MAX MULLER کے بعد سو
برس سے زیادہ ہوگئے کسی مغربی نے غیر متعصبانہ
تحقیق کے ذریعے پوری فکر مشرق کا احاطہ ہی نہیں
کیا جب کہ مغرب نہ صرف تمام فکر مغرب کا احاطہ کرتا
رہتا ہے بلکہ تمام بڑے خیالوں اور تصورات اور افکار
کا مخزن بھی گھوم پھر کر مغرب (بشمول یونان) ہی
کو قرار دینے لگا ہے ۔ گویا وہ اپنے کئی تاریک
ادوار کے باوجود اپنی موجودہ مادی برتری کے ڈانڈے
اپنی ہی (مبینہ) قدیم فکری برتری سے ملا کر یہ ثابت
کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ ہم نے ایک آدھ بات کسی
سے مثلاً مسلمانوں سے سیکھ لی ہو تو سیکھ لی ہو ورنہ
عظیم عالمی فکر کے بنیادی سوتے دراصل مغرب ہی سے
پھوٹے ہیں ۔

ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے لیکن مشرق و مغرب
کی نئی نسلوں کے لیے ایسے ایک نظریے سے کام نہیں
بنتا ۔ مشرق میں کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی ادارے
یا حکومت کو سچائی بیان کرنے کی عظیم الشان ذمہ
داری اٹھانی ہی ہوگی ۔

آخر میں انجمن جناب عبید اللہ قدسی کی ممنون
ہے کہ انھوں نے اپنی ایسی عمدہ کاوش انجمن جیسے
غریب ادارے کے ذریعے منظر عام پر لانے کا فیصلہ کیا ۔
ہم دعا کرتے ہیں کہ یہ آئندہ کاوشوں کے لیے سنگ
میل ثابت ہو ۔

ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

کتاب برائے طباعت جاتی تھی کہ مولانا عبید اللہ
قدسی صاحب کا خط ملا ۔ انصاف کا تقاضا کہ اسے من و
عن شائع کردیا جائے، چنانچہ وہ درج ذیل ہے:۔ اقتبا

عرض کردیا جائے کہ نہ تو راقم الحروف کا مقصد فاضل مصنف پر نکتہ چینی تھا نہ اسے ادعائے علمیت ہے ، خود مولانا موصوف نے اس سے اظہار خیال کی دعوت دی تھی ۔ بہرحال اس خط کی حیثیت بھی بہت افادی ہے اور چند باتیں جو عام آدمی کو متن میں کھٹکتیں اس خط سے صاف ہوگئی ہیں ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر گرامی قدر جناب عالی صاحب

السلام علیکم ورحمت اللہ ، آج انجمن میں جا کر آپ کا لکھا ہوا مقدمہ دیکھا ، کاظمی صاحب نے کہا کل آپ آرہے ہیں ۔

جو کچھ آپ نے لکھا آپ کا حق تھا ، مناسب ہے کہ ذرا سی وضاحت کردوں ۔

تحقیقی مقالات فلاسفہ اور نظریاتی علما پر لکھنے کا یہی طریقہ ہے ۔ کسی ایک عنوان پر ہوں، کسی کے ایک مسئلہ پر ہوں نظریہ پر ہوں، یا کسی ایک کتاب پر ہوں، ورنہ عام معلومات کے لیے سوانح اور خلاصہ سرسری ہوتا ہے ۔

یہ سب تحقیقی مقالات ہیں، اور جتنا اب تک لکھا گیا وہ سامنے رہا ہے ۔

البیرونی کو آپ نے نظر انداز کردیا ۔ یہ مقالہ یورپین مفکرین مقالوں کے جواب میں ہے میرے ساتھ البیرونی کانگریس میں ماونٹ گری واٹ نے بھی پڑھا تھا ۔ البیرونی سائنٹفک میتھڈ کا بانی ہے لیکن اس نے یہ رہنمائی کہاں سے پائی وہ سب ماخذ خود بتاتا ہے ۔ میں نے سال بھر تک اس کی سب عربی کتابیں دیکھ کر اور دنیا اور یورپ میں جتنا لکھا گیا سب پڑھ کر پھر انگریزی میں یہ مقالہ لکھا تھا ۔ اس سب کام

کا یہ نچوڑ ہے ۔

ملاحظہ ہو ۔ ابن رشد سے مشرق ناواقف رہا اسے ارسطو کا شارح جانتے ہیں صرف علم کلام فلسفہ اصول فقہ پر اس کی چار کتابیں ہیں ۔ میں نے اس کے علم کلام پر لکھا ہے کسی نے اس پر نہیں لکھا ۔ میں نے البیرونی، ابن رشد، فارابی، ابن خلدون پر جو کچھ لکھا ہے عرب مصنفین نے ان عنوانات پر اتنا نہیں لکھا ۔

"تصورات عرب قبل اسلام" میری کتاب ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے چھپ چکی ہے ۔ یورپ اور عرب نے جتنی تحقیق کی، سب نظر سے گزری ہے سب کا حوالہ ہے۔ کتاب بھیج دوں گا تو آپ کو حیرت ہوگی ۔ یہ مضمون "ہسٹری آف مسلم فلاسفرز" کے لیے پروفیسر میاں محمد شریف صاحب نے پہلے باب کے طور پر مجھ سے لکھوایا تھا ۔ یہ کتاب انگریزی میں جرمنی سے طبع ہوئی، مگر مارشل لا درمیان میں آگیا اور یہ مضمون شامل نہ ہوسکا۔ بعد کو یہ مضمون "اقبال" میں شائع ہوا ۔

میمن صاحب میرے استاد تھے یہ مضمون ان کا دیکھا ہوا ہے، انھوں نے اپنی لائبریری سے قلمی کتابیں تک مجھے دیں جو وہ کسی کو نہیں دکھاتے تھے، (علی گڑھ سے ساتھ رہا ہے)۔

مغربی مصنفین نے اسلام پر جتنا کام کیا اور جس علم پر کیا تین سو سال کے اندر بے مثل اور لا جواب کام کیا ۔ میں نے دو ہزار یورپین مصنفین اور ان کے کام ان کی کتابوں، رسالوں اور تحقیق کے حوالے جمع کرکے کتاب لکھی ہے جو الطاف بریلوی صاحب نے شائع کی " اسلامی تہذیب کا ارتقا" ۔

میں اس کا قائل ہوں ۔

(۱) کسی عنوان پر تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ اس

عنوان پر دنیا میں جتنا کام ہوا ہے اس پر نظر ہو اور ماخذ معلوم ہوں۔

(۲) تحقیق کے لیے انتہائی صبر اور بے نفسی کی ضرورت ہے۔

(۳) اسی طرح صداقت اور حقیقت کے بیان کے لیے سرفروشی کی ہمت چاہیے۔
(جیسا کہ البیرونی نے مسلمان مصنّفین اور یونانی محققین کی غلطیاں اور غلط بیانیاں بیان کی ہیں)۔

(۴) میرا عقیدہ ہے کہ صداقت اور حقیقت کا علم ایک ہے، اس میں دو راستے نہیں ہیں علم کسی کی ملکیت نہیں، علم میں جانب داری اور تدلیس ذلت کا باعث ہے۔

مغربی عالموں نے اسلام پر تین سو سال میں جو کام کیا ہے وہ بے مثل اور نمونہ ہے، لیکن ہمیں اپنے علم پر جب تک تحقیقی عبور اورکمال حاصل نہ ہوگا، ترقی محدود رہے گی۔

یورپ کی تمام تحقیق تمام علمی کتب اور عربی کی سب کتب ماخذ ہیں۔

فلسفہ اور سائیکلوجی کی انگریزی ہی اس کا ماخذ ہے۔ شریف صاحب کا مقدمہ ہے "میں نے تصوّرات عرب، قبل اسلام" اور "اوہام اور حقیقت" علی گڑھ میں لکھی تھی، سندھ اکیڈیمی نے ۱۹۷۲ء میں طبع کی۔ "اسلامی تہذیب کا ارتقا" حاصل کرکے بھیج دوں گا شاید محاسبہ،جائزہ اور نمود سحر"— ہمارے چھ سو سالہ علمی رفتار اور تمام علمی ترقی و زوال کی داستان ہے۔

ویسے تو کتابیں سولہ سترہ اور مقالات پچاس

ہیں ۔

شاہ ولی اللہ پر مقالہ (ان کی کتاب سے

تاویل الاحادیث

فلسفہ

ابن رشد پر مقالہ

البیرونی پر مقالہ نظرانداز نہ کیجیے ورنہ

بہتر ہے آیندہ سہی ۔

نیازکیش

عبیداللہ قدسی

۲۵ • ۲ • ۱۹۸۲ء

سنگھاسن بتیسی

مصنفہ

فقیر دکنی

مرتبہ

افسر صدیقی

پہلا ایڈیشن

۲۱۱

انجمن کے کتب خانۂ خاص میں اردو کے جتنے مخطوطات تھے ان کی توضیحی فہرستیں شائع ہوچکی ہیں اب کارکنان انجمن ان میں سے ایسے مخطوطات شائع کرنے کی طرف متوجہ ہیں جو اپنی قدامت کے لحاظ سے قابل ذکر ہیں اور زبان اردو کے ارتقا کو قارئین سے روشناس کراتے ہیں ۔ ان کی اشاعت تاریخ زبان اردو کی تدوین وتکمیل میں کس حد تک معاون ہوسکتی ہے ۔ سنگھاسن بتیسی کا مخطوطہ ، جسے شائع کیا جا رہا ہے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ اس نظم کی زبان اور مصنف کی مہارت شاعری کے متعلق مرتب جناب افسر صدیقی صاحب نے اپنے پیش لفظ میں تفصیل سے تحریر فرمایا ہے، البتہ ہمیں یہ کہنا ہے کہ مصنّف نظم ہذا فقیر کا شمالی ہند سے واسطہ ضرور رہا ہے۔ اس نظم کے بعض حصّوں میں ایسے الفاظ اور محاورات نظم ہوئے ہیں جو شمالی ہند میں رائج ہیں ۔ مثلاً

خبر غایب ہونے کی بیٹے کی جب
پڑی کان میں جا کے راجا کے تب
بہت اپنے دل بیچ حیران ہوا
رہا کوئی گھڑی تک پریشان ہوا
ہر اک طرف عالم لگا ڈھونڈنے
شہر سب گلی ہر جگہ ڈھونڈنے

قارئین مطالعے کے دوران تقابل سے مزید لسانی نکات دریافت کرسکیں گے یہ مثنوی ہم نے سہ ماہی اردو میں قسط وار شائع کی تھی ۔ اب کتابی صورت میں پیش کی جاتی ہے ۔ اس سلسلے کی دیگر مثنویاں یکے بعد دیگرے شائع ہوتی رہیں گی ۔

۱۹۸۲ء

قہر عشق

ولیم شیکسپیئر
کے شہرۂ آفاق ڈرامے
انطنی کلوبطرہ

کا منظوم و مقفّٰی ترجمہ
تمثیل بصورت ابیات

شان الحق حقی

پہلا ایڈیشن

انجمن نے کئی بے مثال ترجمے شائع کیے ہیں۔ ان کی فہرست اس کتاب کے آخر میں شائع ہو رہی ہے۔ (سب دستیاب نہیں)۔

اب مدتوں بعد ہم انطونی اور کلوپیٹرا کا ایک منظوم ترجمہ لا رہے ہیں جو برادر محترم شان الحق حقّی نے کیا ہے۔ ان کے ترجمے کے محاسن پر تبصرہ مجھ جیسے خرد کا کام نہیں۔ اہل نظر خود لطف لیں گے۔

ہاں، انجمن کے نظما جناب حقّی کو داد دیتے ہیں کہ ایسے شاہکار کا اتنا ضخیم ترجمہ مکمل کر گئے۔ اس کے کچھ اسباق جستہ جستہ ادبی جرائد میں چھپ چکے ہیں لیکن پورا ترجمہ پہلی بار انجمن شائع کر رہی ہے۔

امید ہے کہ علمی ادبی حلقوں میں اس کا استقبال اس کے شایان شان کیا جائے گا۔

۱۹۸۲ء

ENGLISH-URDU

POCKET DICTIONARY

Reduced from the revised and enlarged edition of the

Popular English-Urdu Dictionary

by

Late Baba-e-Urdu

Dr. Moulvi Abdul Haq

چوتھی اشاعت

چوتھی اشاعت

یہ اس "جیبی لغت" کا چوتھا ایڈیشن ہے جو کئی لحاظ سے پہلے دو پر اضافہ ہے - ان اضافوں پر گفتگو اگلی سطروں میں ملے گی -

اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۱ء میں چھپا (تعداد پانچ ہزار) دوسرا ۱۹۷۳ء میں (تعداد دس ہزار) تیسری اشاعت ۱۹۷۸ء میں آئی، یہ چوتھی اشاعت ہے -

بنیادی طور پر یہ ڈکشنری کوئی نئی لغت نہیں۔ یہ دراصل انجمن کے زیر اہتمام بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی مرتب کردہ "اسٹینڈرڈ انگریزی اردو ڈکشنری" کا اختصار ہے جسے انھی مرحوم کی نگرانی میں مرتب کردہ "پاپولر انگریزی اردو ڈکشنری" پر نظرثانی کے بعد عکسی تکنیک سے تیار کیا گیا ہے - اس کی خصوصیات یہ ہیں کہ یہ جیبی سائز میں ہے جو بہت پسند بھی کیا گیا ہے اور یہ بائبل پیپر پر چھپی ہے اس لیے ضخیم ہونے کے باوجود بھاری نہیں ہے -

اضافوں کی داستان یہ ہے کہ اس میں ایسے بہت سے انگریزی الفاظ، محاورے اور مشتقات ملیں گے جو اس لغت کے پہلے ایڈیشن میں نہیں تھے اور طلبا اور دوسرے متعلقہ حلقوں کی ضروریات سامنے رکھتے ہوئے شامل کیے گئے ہیں - وقت گزرنے کے ساتھ بعض الفاظ کے معانی میں بھی وسعتیں پیدا ہوئیں - جس حد تک ممکن تھے وہ اضافے بھی اس میں شامل کردیے گئے - یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ جہاں کوئی انگریزی لفظ اردو میں کثیر الاستعمال پایا جائے الفاظ کے معانی

میں اسے بجنسہ شامل کردیا جائے ۔ بعض ایسے الفاظ کے شامل نہ کیے جانے پر اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن مرتبین کی رائے میں ابھی وہ اردو نہیں بنے۔ بہرحال ہر ایک سے سہو کی گنجائش تو ہمیشہ رہتی ہے ۔ کچھ ضخامتی محدودات بھی وسیع تر اضافوں کی راہ میں حائل تھیں ۔

جیسا کہ آپ دیکھیں گے ابتدا میں ان مخففات کی فہرست بھی شامل ہے جو اس لغت کے متن میں استعمال ہوئے ہیں ۔ آخر میں ان اشارات کی فہرست ہے جو انگریزی زبان میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً رائج ہیں ۔ خاتمہ کتاب پر چند ایسے الفاظ اور فقروں کی فہرست بھی ہے جو کچھ اہل تحقیق کی نظر میں انگریزی الاصل نہیں بلکہ غیر زبانوں سے آکر انگریزی میں شامل ہوئے ہیں ۔ یہ فہرست ظاہر ہے کہ جامع نہیں ہوسکتی "اصل انگریزی: اور اس میں باہر کے الفاظ کا موضوع بجائے خود ایک بہت ہی بڑا علمی موضوع ہے جس پر کام کرنا دراصل انگریزی کے محققین کا حق اور فرض ہے ۔ ہم نے اس معاملے میں اپنی محدودات اور فوری ضروریات کو پیش نظر رکھا ہے ۔

اضافوں میں بعض مشہور تاریخی واقعات شامل ہیں اور بعض اہم اوزان ، اوقات ، پیمائش ، اعشاری نظام کے پیمانے ، نیز کتابوں اور کاغذ کی تقطیع سے متعلق معلومات اور ان کے ترجمے ۔ یہ سب اضافے ہیں جو پاپولر ڈکشنری کی پہلی اشاعت میں موجود نہ تھے ۔ ہاں ہمیں تسلیم ہے کہ ابھی اور بہت سے اضافوں کی ضرورت ہے ۔ اللہ نے چاہا تو آیندہ اس سے زیادہ اضافے پیش کیے جائیں گے ۔

عملاً! آپ ملاحظہ کریں گے کہ بابائے اردو اور ان کے فاضل ساتھیوں کی قابلیت اور محنت سے مرتب شدہ

ایک بڑی کتاب اپنی خاصیت میں اس مختصر سی اشاعت کے ذریعے کچھ مفید اور جدید اضافوں کے ساتھ ایک نئے قلب میں منتقل کردی گئی ہے ۔ اشاعت نو اور اضافوں کے لیے راقم الحروف بطور خاص جناب جلیل قدوائی اور پروفیسر شبیر کاظمی کا تعاون ریکارڈ پر لا رہا ہے ۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے اس لغت کا ماخذ بابائے اردو کی "اسٹینڈرڈ انگریزی اردو ڈکشنری" ہے جو علمی دنیا میں اب تک سب سے زیادہ مشہور اور مستند مانی جاتی ہے وہ ڈکشنری نہ صرف پاکستان ہندوستان بلکہ تمام دوسرے ممالک میں بھی انگریزی اردو کی سب سے زیادہ مستند ڈکشنری کے طور پر استعمال کی جاتی ہے ۔ اس وقت اس کے بارے میں بھی چند اطلاعات درج کردینی مناسب معلوم ہوتی ہیں ۔

"اسٹینڈرڈ انگلش ۔ اردو ڈکشنری" پر بابائے اردو اور اس وقت کے ہندوستان بھر میں بکھرے ہوئے بہت سے فاضل ساتھیوں نے تقریباً چودہ برس کام کیا تھا ۔ وہ پہلی بار ۱۹۳۷ء میں چھپی اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئی ۔ اس کے بعد انجمن اورنگ آباد (دکن) سے دہلی منتقل ہوئی اور تحریک پاکستان میں شامل ہوئی تھی کہ دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی اور ۱۹۴۵ تک رہی ۔ باقبل پیپر جو ڈکشنری کے لیے مناسب ہوتا ہے درآمد ہونا بند ہوگیا انجمن مہمات اردو میں لگی ہوئی تھی کیوں کہ اردو کا معاملہ تحریک پاکستان کا ایک لازمی جزو بن گیا تھا ۔ تقسیم ہند تک دوسرے ایڈیشن کی نوبت نہ آسکی پھر بابائے اردو انجمن کے ساتھ پاکستان منتقل ہوگئے یہاں کام کی بڑی بڑی امیدیں تھیں مگر ہمارے "قومی مزاج" نے انہیں انتظامی مشکلات و امور میں الجھائے رکھا ۔ ایک وقت میں

انجمن کی بقا تک مشکل ہوگئی تھی وہ سب داستان خود انھی مرحوم کی ایک دردناک تصنیف "انجمن کا المیہ" میں موجود ہے ۔ اس دوران انھوں نے برابر کوشش جاری رکھی کہ دوسرا ایڈیشن شائع ہوسکے مگر بائبل پیپر کی درآمد اب بھی ممنوع تھی اور دیگر حالات بھی سازگار نہ تھے ۔ بہرحال انھوں نے اس کا ایک نسبتہً مختصر ایڈیشن "اسٹوڈینٹس انگریزی اردو ڈکشنری" چھاپا جو مقامی کاغذ پر تھا ۔انتہائی موٹا اور ناپائدار ۔ ڈکشنری بہت بھاری ہوگئی تھی ۔اور دیدہ زیب تو کیا رہتی مگر طلبا اور ضرورت مندوں نے اس کی بھی اتنی ہی پذیرائی کی کہ اسے متعدد بار چھاپنا پڑا ۔

بابائے اردو کے بعد جناب اختر حسین ہلال پاکستان ، نے ۱۹۶۲ء میں انجمن ترقی اردو کی صدارت سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی توجہ اس طرف کی ۔ راقم الحروف یہ بات ریکارڈ پہ رکھنا چاہتا ہے کہ جناب اختر حسین نے اپنی انتہائی ذاتی کوششوں سے ممنوعہ بائبل پیپر درآمد کرنے کی اجازت حاصل کی ۔اس وقت انجمن کا خزانہ خالی تھا اور حکام اعلی اردو کی طرف ، زبانی ہمدردی کے علاوہ ، وہی رویۂ رکھتے تھے جو ہماری انگریزی پسند حکومتوں کا رہا ہے ۔ یہ اختر حسین صاحب کا ذاتی اثر رسوخ تھا جس نے کاغذ کی درآمد کو ممکن بنایا ۔ اسی زمانے میں شہر کراچی میں بیرونی مشینوں کی ایک نمائش ہورہی تھی ان میں چھاپے کی مشینیں بھی شامل تھیں، ضابطے کے مطابق مشینیں نمائش کے بعد واپس اپنے ملک چلی جاتی ہیں مگر میں نے کسی قدر قانونی خلاف ورزی کرتے ہوئے انھیں پیشگی خرید لیا اور پھر حکومت وقت کو اردو کے نام پر ان کا پرمٹ دینا پڑا ۔ یہ سب ترقی

پر ہی ہوا مگر ایسا ہی ہوسکتا تھا ورنہ نہ جانے
کتنے برس اور گزر جاتے ۔ ان انتظامی امور کے ساتھ
ساتھ پرانی ڈکشنری میں انتہائی ضروری اضافوں پر
کام شروع کیا گیا اور اس کی تفصیل اس ڈکشنری کے
دیباچے میں موجود ہے۔ مختصراً یہ کہ ڈھائی ہزار
الفاظ کا اضافہ کرکے اسٹینڈرڈ "انگلش اردو ڈکشنری"
ایک بار پھر بائبل پیپر پر بڑی آب و تاب کے ساتھ
شائع کی گئی ۔ اللہ کے فضل سے اس کی پذیرائی تمام
اردو دنیا اور بیرونی جامعات میں ہوئی۔ ایک بھارتی
ناشر نے اس کی عکسی چوری کرکے ہزاروں جلدیں بھارت
میں بھی بیچ دیں ۔ کاپی رائٹ معاہدے کے اسقام نے
کوئی مؤثر کارروائی نہ ہونے دی ۔ مگر خیر ۔ علم
طالبان تک پہنچا تو سہی ۔

اسی دوران انجمن نے "اسٹوڈینٹس انگریزی اردو
ڈکشنری" کو بھی بائبل پیپر پر شائع کیا جسے طلبا
اور اہل ذوق نے ہاتھوں ہاتھ لیا ۔ حال ہی میں
پاپولر ڈکشنری سفید کاغذ پر ایک بار اور شائع کی
گئی ہے ۔

پچھلے سال انجمن کا ان سلسلوں میں ایک پرانا
اور بہت ہی اہم منصوبہ بھی مکمل ہوکر سامنے آ گیا
ہے ۔ وہ ہے "اردو انگریزی لغت"۔ اس پر کئی برس
کام ہوا ۔ اس کے (۱۰۲۸) (1028)صفحات ہیں اور قیمت ،
تاحال صرف چالیس روپے ہے ۔ ارادہ ہے کہ بہت جلد
اس کو بھی جیبی لغت کی شکل میں بائبل پیپر پر شائع
کردیا جائے ۔ یہ ایک بہت ضروری اور مفید اور سستی
اشاعت ہوگی ۔

"اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری" کی چوتھی اشاعت
کے سلسلے میں خاصا کام ہورہا ہے ۔ وقت کے ساتھ
ساتھ نئے نئے الفاظ و مفاہیم میں بڑے بڑے اضافے

ہو رہے ہیں انجمن چاہتی ہے کہ اس معاملے میں وقت کے ساتھ ساتھ دوڑ سکے جیسا کہ بہت سے مغربی ممالک خاص طور پر برطانیہ اور امریکہ دوڑ سکتے ہیں ۔ وہ چھوٹے چھوٹے وقفوں کے بعد اپنی لغات کی "اپڈیٹ" اشاعتیں پیش کرتے رہتے ہیں اس لیے کہ وہاں تدوین لغات کا عمل برابر جاری رہتا ہے اور ان کے پاس اس کے لیے پورے ذرائع ہیں ۔ ہمارے لیے ابھی یہ عمل صرف ایک ناکام آرزو ہے گو ہم اس آرزو کی تکمیل کے لیے کچھ نہ کچھ کیے ضرور جاتے ہیں ۔ مانا کہ ہماری تمام مندرجہ بالا اشاعتیں ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہیں مگر نہ تو قیمت اتنی رکھی جاسکتی ہے کہ فروخت سے جو یافت ہو وہ منصوبے کو سائنسی خطوط پر چلانے کے لیے کافی ہو نہ کوئی حکومت ، کوئی ادارہ ، کوئی اہل خیر اتنی مالی امداد کرتا ہے جس سے مطلوبہ اخراجات پورے کیے جاسکیں ۔

اب بھی ہم نہ صرف بے شمار پرانے الفاظ کے ترجموں سے محروم ہیں یعنی ابھی آکسفورڈ ڈکشنری کے مقابل تک نہیں آسکے بلکہ دیکھتے ہیں کہ نئے نئے الفاظ اور اصطلاحات کی پیدائش تیزی سے ہو رہی ہے ان کے ذریعے بھی نئے نئے علوم کے بے شمار دریچے کھل رہے ہیں ۔ خصوصاً سائنسی انکشافات ، مہمات اور تجربات و سوالات نے ذخیرہ ہائے الفاظ و اصطلاحات میں انتہائی قیمتی اور بڑی تعداد میں اضافے کیے ہیں جنھیں کم از کم انگریزی سے ہی اردو میں لے آنا چاہیے ۔

مگر جو ہو رہا ہے وہ ایک الگ کہانی ہے اور وہ گیا سنانی ۔ سبھی کو معلوم ہے ۔ نہ جانے علوم جدید پر "قومی ترجیحات" کب توجہ فرمائیں ۔ فی الوقت تو ایک عجیب بے حسی اور بے کسی کا عالم ہے ۔ ناواقفیت

پر قناعت ایک تختۂ فولاد بن چکی ہے جسے شاید آیندہ نسلیں ہی توڑسکیں گی - بڑے کام بڑے عزائم کے ساتھ بڑے وسائل بھی طلب کرتے ہیں جو صرف قومی ترجیحات سے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں،تجارتی سرمایہ کاری ہمارے جیسے ملکوں میں ادھر نہیں آتی -

بہرحال سب کی طرح ہمارا بھی کم از کم فرض یہ ہے کہ اپنی بساط اور محدودات کے مطابق کام کیے جائیں - اچھے سرپرستوں اور کارکنوں کے میسّر آجانے سے کام نسبتاً آسان ہوجاتے ہیں - شکر ہے کہ بابائے اردو کے بعد انجمن کو اختر حسین صاحب جیسا صدر اور کارکن ملا - ہمارے عہدیدار معاوضے، اعزازیے یا دیگر اخراجات وصول نہیں کرتے ورنہ یہ کچھ بھی ممکن نہ ہوتا -

اختر حسین صاحب نے ۱۹۸۳ء میں انتقال کیا - اللہ ان کی روح کو ابدی سکون عطا فرمائے - مولوی صاحب تو خود انجمن تھے مگر ان کے بعد پاکستان میں انجمن کے سب سے بڑے محسن جناب اختر حسین قرار پائیں گے -

اختر حسین صاحب کے بعد انجمن کے صدر جناب قدرت اللہ شہاب ہوئے ہیں - انجمن پر ان کا ایک بنیادی احسان یہ ہے کہ ۱۹۵۹ء میں انھوں نے انجمن پر مولوی صاحب کا تسلط دوبارہ کرادیا تھا (مولوی صاحب نے کئی سال بڑی بےاختیاری اورعدم تعاون و مظالم رفقا کے کرب میں کاٹے تھے)- وہ ایک الگ کہانی ہے اور انجمن کی تاریخ میں محفوظ ہے - اب شہاب صاحب نے صدارت کی ذمہ داری سنبھالی ہے ساتھ ہی انجمن کو ایک نہایت تجربہ کار اردو دوست منتظم کی رفاقت حاصل ہوئی ہے - وہ ہیں جناب نورالحسن جعفری جو وفاقی حکومت میں سیکرٹری کے عہدے تک

پہنچے تھے اور ایک ماہر مالیات و امور انتظامی کی شہرت رکھتے ہیں ۔ وہ انجمن کے منتظم اعزازی کے طور پر انجمن کو باقاعدہ کیے ساتھ خاصا وقت دینے لگے ہیں اور ان کی توجہ اور استعداد نے انجمن کے لیے بہت کم وقت میں بڑے اچھے نتائج پیدا کیے ہیں ۔

ان دونوں صاحبان کی انجمن سے وابستگی اس ادارہ کو روشن تر بناتی ہے انشاءاللہ بڑی ڈکشنری میں مطلوبہ اضافے جلد ہو جائیں گے اور ان کے نتیجے میں اس ڈکشنری کی اگلی اشاعت بھی ان سے فیض اٹھائے گی ۔

چوتھی اشاعت ۱۹۸۲ء

THE STANDARD
ENGLISH - URDU DICTIONARY

EDITED BY

THE LATE

BABA-E-URDU DR. ABDUL HAQ

FOURTH EDITION
(1985 A. D.)
(1406 Hijra)

یہ اس لغت کی چوتھی اشاعت ہے اور اس بار خدا کے فضل و کرم سے یہ دس ہزار کی تعداد میں شائع ہو رہی ہے جس میں سے سات ہزار جلدیں حکومت پنجاب نیشنل بک فاؤنڈیشن آف پاکستان کے زیر اہتمام خرید رہی ہے اس مقدار کا ذکر اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ قارئین کو اس لغت کی مسلسل اہمیت اور مقبولیت جاریہ کا احساس ہو - پاکستان بھر میں کوئی اور انگریزی - اردو لغت نہ اتنی مستند سمجھی جاتی ہے نہ اتنی مقبول و مطلوب ہے -

برسبیل تذکرہ ، پچھلے سال انجمن ترقیِ اردو ہند نے بھی ہماری تیسری اشاعت کی عکسی نقل چھاپ دی - جس میں راقم الحروف کا پیش لفظ بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ پہلی اشاعت کے بعد دوسری اشاعت تک لغت میں جو ترامیم ہوئیں اور جو اصول ہم نے مرتب کیے ان سے ہندوستانی قارئین بھی واقف ہوسکیں - ان کی عکسی نقل سے پہلے غالباً ۱۹۶۹ء میں ہماری دوسری اشاعت کی عکسی نقل ایک غیر مجاز ہندوستانی ناشر نے چھاپ کر خوب منافع کمایا تھا - ہم نے حکومت ہند کو رسمی اعتراض بھی بھیجا تھا مگر شنوائی نہیں ہوئی کیوں کہ ہندوستان پاکستان کئی انٹرنیشنل کاپی رائٹ معاہدوں کے دستخط کنندگان تو ہیں مگر عملی طور پر تاحال ہم دونوں میں سے کسی ملک کے بھی نجی ناشرین دوسرے ملک کے کاپی رائٹ کا احترام نہیں کرتے - بوجوہ وہ مرافعے اور تعزیری کارروائیاں بھی نہیں ہوتیں جن کی قوانین اور بین الاقوامی

معاہدے اجازت دیتے ہیں ۔ لیکن انجمن ترقی اردو ہند کا معاملہ دوسرا ہے ۔ یہ لغت پہلی بار غیر منقسم ہندوستان میں چھپی تھی ۔ اس پر قانوناً ہندوستانی انجمن کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا کیوں کہ انجمن ایک غیر سرکاری ادارہ تھی اور آزادی کے وقت جو اثاثے تقسیم ہوئے تھے وہ سرکاری تھے یہ لغت یا انجمن کی زمانہ قبل از تقسیم کتابیں قانون ملکیت اور کاپی راشٹ قوانین کی رو سے ہم میں اور ہندوستانی انجمن میں مشترک ہیں ۔ ہاں جو اضافے ہم نے کیے وہ اخلاقاً ہماری ملکیت تھے لیکن فروغ اردو کے وسیع تر مقاصد کے پیش نظر ہم ہندوستانی انجمن پر معترض نہیں ہیں ۔ ہندوستان میں اردو جس کشمکش سے گزر رہی ہے اس میں ہمارے اضافے ایک حقیر سا ہدیہ ہی سہی ۔

اس لغت کی پوری داستان راقم الحروف کے لکھے ہوئے دوسری اشاعت اور تیسری اشاعت کے پیش لفظ میں موجود ہے جس کا ان گزارشات میں دہرانا غیر ضروری ہے سب سے اہم یہ کہ اشاعت اول (۱۹۳۷ ء) پر خود باباۓ اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کا تفصیلی دیباچہ موجود تھا جو اس اشاعت میں بھی شامل ہے ۔ اہل نظر اس سے اندازہ کریں گے کہ تدوین لغت پر خود باباۓ اردو اور ان کی نگرانی میں کن کن نامور ہندو مسلمان فضلاء نے کتنے دن اور کیسی محنت کی تھی ۔

ہمیں اقرار ہے کہ تیسری اشاعت (۱۹۸۱ء) کے بعد سے اس چوتھی اشاعت تک ہم اس لغت میں مزید نئے الفاظ داخل نہیں کرسکے ہیں جب کہ منصوبہ موجود ہے اور اس پر آہستہ آہستہ کام بھی ہو رہا ہے ۔ اس ناکافی یا کوتاہی کی اصل وجہ مالی وسائل کی کمی ہے ۔ جس کا ذکر آپ پچھلے دیباچوں میں دیکھیں گے ۔

بڑے ستم کی بات ہے کہ یہ لغت اتنی مستند، اتنی مقبول ہو اور اتنی ضروری سمجھی جائے اور کوئی نجی یا سرکاری ادارہ یا وفاقی یا صوبائی حکومت انجمن کو اتنی مالی امداد بھی نہ دے کہ اس لغت میں کم از کم بیس ہزار نئے الفاظ کا اضافہ ہی کردیا جائے۔ نہ تو باقاعدہ سرکاری طور پر کوئی دوسری مستند لغت لائی جاتی ہے - نہ اس کو جدید الفاظ سے آراستہ کرایا جاتا ہے - بہرحال، امید قائم رکھنی چاہیے -

پچھلے سالوں میں قومی اور سرکاری سطح پر نفاذ اردو کا بہت چرچا رہا ہے - "مقتدرہ قومی زبان" جیسا سرکاری ادارہ قائم ہوا ہے جس کا بجٹ ماشا اللہ ساٹھ لاکھ سالانہ سے اوپر جاتا ہے (گو راقم الحروف کی رائے میں مقاصد مقتدرہ دیکھتے ہوئے یہ رقم بھی بہت کم ہے) اکادمی ادبیات قائم ہوئی ہے جس کا بجٹ بھی تقریباً اتنا ہی ہے (گو راقم الحروف کی رائے میں وہ بھی بہت کم ہے) حکومت کا مرکزی اردو بورڈ (اب اردو سائنس بورڈ) لاہور جو غالباً ۱۹۶۲ء سے کام کررہا ہے اس کی گرانٹ بھی ماشا اللہ کم نہیں - اس کی اپنی عمارت بھی تعمیر ہوگئی ہے - مرکزی حکومت کا اردو لغت بورڈ کراچی صرف ایک لغت کبیر اردو کے منصوبے پر پچیس برس سے زیادہ مدت سے باقاعدہ کام کر رہا ہے - اس کی بھی اپنی عمارت بن گئی ہے جب کہ لغت کبیر انجمن نے شروع کی تھی اور اس کے مدیر اول بھی بابائے اردو ہی تھے - درآں حالیکہ وفاقی حکومت کی جانب سے انجمن کی گرانٹ ڈیڑھ لاکھ روپے سالانہ سے آگے نہ بڑھی اور نہ انجمن اپنے لیے کوئی عمارت تعمیر کرسکی - بابائے اردو ہی کی روایت کے مطابق انجمن سب کو ہر طرح کا تعاون پیش کرتی رہتی ہے - انجمن کی ان محترم اداروں سے کوئی مخاصمت یا

مسابقت نہیں ـ جیسا کہ تیسری اشاعت کے پیش لفظ میں راقم الحروف نے عرض کیا ہے انجمن اردو کی کارکن ہے اردو کی اجارہ دار نہیں ـ لیکن ان محترم اداروں اور ان کی "مالیات" کا حوالہ اس لیے دیا گیا کہ پچھلی حکومتیں بشمول موجودہ حکومت سرکاری سطح پر اردو کے کچھ شعبوں میں اتنا خرچ کرتی رہی ہیں تو اسے اس نہایت اہم انگریزی ـ اردو لغت کے منصوبے کے بارے میں ہماری مسلسل درخواستوں پر کچھ توجہ تو دینی چاہیے تھی ـ تادم تحریر ہم اس توجہ سے محروم ہیں اور اپنے وسائل سے کام چلاتے ہیں ـ اب ایک بار پھر مقررہ قواعد و ضوابط کے مطابق پورے منصوبے کا خاکہ مطلوبہ اخراجات کی پوری تفصیل کے ساتھ وزارت تعلیم کی خدمت میں پیش کردیا گیا ہے ـ اس میں شک نہیں کہ سابق وفاقی وزیر تعلیم ڈاکٹر محمد افضل صاحب نے بعض معاملات میں انجمن کی بہت مدد کی مثلاً ہمارے کتب خانہ خاص کے لیے ایک عمدہ موقع پر سرکاری زمین کا ایک قطعہ ہمارے لیے مختص کرادیا جو واقعی ان کا ایک قابل ذکر احسان ہے (اب ہمیں اس پلاٹ پر قبضہ لے کر تعمیر شروع کرنی ہے) انھوں نے اس ڈکشنری میں توسیع و اضافہ کا مجوزہ منصوبہ بھی غیر رسمی طور پر ملاحظہ کرلیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ جلد اس پر امدادی کارروائی کا آغاز کریں گے لیکن مارچ ۱۹۸۵ء سے وہ جامعہ اسلامی کے ریکٹر ہوکر وزارت سے رخصت ہوئے اور اب منصوبہ نئے وزیر تعلیم کی خصوصی توجہ کا منتظر رہے گا ـ ہمیں اب بھی امید ہے کہ وفاقی وزارت تعلیم اس منصوبے کو مکمل کرانے میں ہماری مطلوبہ معاونت کرے گی ـ آج اس جدید فکر و عمل کے زمانے میں ایک بڑی انگریزی اردو لغت ہماری بہت اہم ضرورت بن چکی ہے اور موجودہ لغت

اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود وقت کے تقاضے پورے نہیں کرسکتی ۔ ابھی تک نئی نسل کے علاوہ ہمارا "اسٹیبلشمنٹ" بنیادی طور سے انگریزی ہی میں اعلیٰ تربیت پاتا ہے اور ابھی مدتوں یہی حضرات برسر اقتدار رہیں گے ۔ اب انھیں اداروں، دفتروں اور سرکاری تقاریر میں اور ریڈیو ۔ ٹی وی وغیرہ پر اردو بولنی پڑ رہی ہے ۔ انھیں سنجیدہ اور تخصیصی موضوعات پر انگریزی میں اظہار خیال کی عادت رہی ہے جسے بدلنے میں دیر لگے گی اور اس میں ان کا کوئی ارادی قصور نہیں کیوں کہ وہ زیادہ انگریزی الفاظ کی مدد کے بغیر اردو نہیں بول سکتے تھے ۔ ساتھ ہی انھیں عام انگریزی الفاظ کے تمام اردو ترجمے درکار ہیں ورنہ وہ اردو تحریر و تقریر میں اسی طرح انگریزی الفاظ کا استعمال کرتے رہیں گے جو ایک انمل بےجوڑ منظر ہوتا ہے ۔ یہ علمی پیشہ ورانہ ، طبّی، معاشی ، اصطلاحات کا معاملہ نہیں وہ ایک الگ مسئلہ ہے اور اس پر انجمن اور دوسرے ادارے، خاص طور پر مقتدرہ ، الگ کام کر رہے ہیں ۔ ہم عام بول چال کی بات کر رہے ہیں ۔

روزمرّہ کے لیے یہ موجودہ لغت بڑی حد تک کافی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ کافی نہیں ۔ اس میں فوراً ہی دس ہزار نئے الفاظ اور چند برس کے اندر کم از کم بیس ہزار الفاظ کا اضافہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ ساتھ ہی آکسفورڈ ڈکشنری کی طرح اس میں مستقل توسیع کا انتظام ہونا ہے تاکہ ہر پانچ برس بعد نئے مستقل الفاظ (نہ کہ اصطلاحات) شامل کردیے جایا کریں ۔ جیسا کہ عرض کیا ہے یہ منصوبہ ہمارے پاس موجود ہے ہم جزواً اس پر عمل بھی کر رہے ہیں مگر دوسری اشاعت کے بعد سے اتنی پیش رفت نہیں کرسکے جو ایک ایسی

لطف کے شایان شان ہوتی ہے ۔ انشا اللہ ایک نہ ایک
دن ہم یا ہمارے بعد آنے والے کارکن یہ فرض پورا
کریں گے ۔

تیسری اشاعت کے بعد سے انجمن اپنے صدر جناب
اختر حسین سے محروم ہوگئی ۔ ان کا انتقال انجمن
کے لیے کئی لحاظ سے ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا ۔
ان کی خدمات کی ایک الگ کہانی ہے لیکن وہ ہمارے
ذرائع اور وسائل میں بھی اپنی وجاہت اور اثرات کے
سبب بڑی اہمیت رکھتے تھے ۔ یہ نقصان پورا کرنا
راقم الحروف اوردیگر متولیان جیسےبےاثر انسانوں کے
لیے جو نہ امراء میں شامل ہیں نہ چندہ جمع کرنے
کا کل وقتی کام کرسکتے ہیں نہایت مشکل تھا مگر
انجمن کو بابائے اردو کی نیک نیتی کا پھل برابر
ملتا رہتا ہے ۔ جناب قدرت اللہ شہاب نے اپنی عزلت
گزینی کے باوجود قومی مفاد میں انجمن کی صدارت
قبول کی اور دانشورانہ رہنمائی کے علاوہ اسلام آباد
میں انجمن کے معاملات کے حق میں ایک بڑا سہارا ثابت
ہوئے ۔ جناب نورالحسن جعفری سابق اسٹبلشمنٹ
سیکرٹری حکومت پاکستان ریٹائر ہوکر کراچی میں مقیم
اور اختر حسین صاحب مرحوم ہی کی طرح پاکستان برما
شیل کے صدر نشین مقرر ہوئے تو انجمن کے منتظم
اعزازی بھی ہوگئے جعفری صاحب ایک ماہر مالیات ،
اعلی منتظم اور خوش تعلقات شخصیت ہیں ۔ وہ انجمن
میں اپنے خرچ پر باقاعدگی سے مقررہ ایام و اوقات
میں آتے ہیں اور اس کے تمام انتظامی امور کی
نگرانی کرتے ہیں ۔ (ان کی بیگم محترمہ ادا جعفری
بھی "قومی زبان" کی مجلس ادارت اور مستقل مضمون
نگاروں میں شامل ہوگئی ہیں) جعفری صاحب نے انجمن
کی مالی حالت سنبھالنے میں بڑی محنت کی ہے ۔

"قومی زبان" اور "اردو" کے لیے اشتہارات کی تعداد میں اضافہ کیا 'انجمن کے علمی منصوبوں پر مطلوبہ اخراجات کے لیے خاص تگ و دو کی اور انجمن کے تنخواہ دار کارکنوں کے حالات کار بہتر بنائے۔ یقیناً وہ انجمن کے نئے محسنوں میں ایک خاص حیثیت سے یاد کیے جائیں گے۔ اس لغت کے لیے منصوبے پر جس کا ذکر ہم نے پہلے کیا انھوں نے مالیاتی لحاظ سے نہایت ماہرانہ توجہ کی اور حکومت کے متعلقہ شعبوں میں پوری پوری جویائی کر رہے ہیں کہ منصوبے کے اخراجات منظور ہو جائیں۔ اگر ایسا ممکن ہوگیا تو انشا اللہ اس لغت کی اگلی اشاعت دو تین برس میں ہی بہت سے جدید تقاضے پورے کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ اب بھی یہی لغت پاک و ہند کی سب سے مستند اور مقبول انگریزی اردو لغت ہے۔

چوتھی اشاعت ۱۹۸۵ء

ANJUMAN'S

Urdu - English Dictionary

انجمن کی

اردو ـ انگریزی لغت

(تیسرا ایڈیشن)

مرتّبہ

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق

بحمد اللہ یہ اردو انگریزی ڈکشنری کی تیسری اشاعت ہے۔ اب کچھ گزارشات اس کی تاریخ پر اور کچھ اس کی ترتیب پر -

پہلا ایڈیشن بابائے اردو مرحوم کی وفات کے سولہ برس بعد یعنی ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا تھا - دوسرا ۱۹۸۰ء میں - پہلے ایڈیشن کے سلسلے میں چند بنیادی مسائل پیش آرہے تھے جن کا ذکر آگے آتا ہے - ان سے عہدہ برآ ہونے میں کافی وقت لگا - پھر کام آسان ہوگیا - دوسرے ایڈیشن کے ساتھ ساتھ منصوبہ یہ تھا کہ تیسری اشاعت کے لیے چند ہزار الفاظ کا اضافہ کردیا جائے - وسائل نے ساتھ نہ دیا - بہرحال کام جاری ہے - اردو کے ایسے مروج الفاظ ہی کم از کم پچاس ہزار تھے جن کا انگریزی ترجمہ ہونا چاہیے - پھر پاکستان بننے کے بعد ہماری علاقائی زبانوں کے بہت سے الفاظ اردو میں داخل ہوکر کثرت استعمال سے اردو بنتے جاتے ہیں - ہمیں انھیں بھی اس لغت میں شامل کرنا ہے ان کی تدوین و انتخاب ،صحیح انگریزی متبادل تلاش کرنا اور پھر تقریباً ایک بالکل نئی لغت چھاپنا ، بڑے علمی اور میکانکی تقاضے رکھتا ہے مگر انشا اللہ ہم وہ پورے کریں گے - فی الحال بازار کے اصرار پر دوسری اشاعت بجنسہ تیسری اشاعت کی شکل میں ،چھاپی جارہی ہے - بہت سے فاضل اصحاب کی رائے میں اس وقت بھی کوئی اتنی مستند اورمفید اردو انگریزی لغت موجود نہیں- روزمرہ کا کام تو بہ آسانی اسی سے چل سکتا ہے - چناں چہ یہ حاضر ہے -

اس دوران میں انجمن کو صدر انجمن جناب اختر حسین مرحوم کی وفات سے کئی نقصانات پہنچے۔ ان میں تحدید وسائل بھی شامل ہے۔ وہ اردو کے "اہل زبان" نہ ہوتے ہوئے بھی ایک حیرت انگیز محب اردو تھے۔ (اہل زبان کی اصطلاح بھی نئے معنی اختیار کر چکی ہے۔ راقم الحروف ہر اس فرد کو جو اردو درست بولے اور لکھے اہل زبان سمجھتا ہے)۔ انجمن کے لیے ان کی سرپرستی محض دستوری اور زبانی نہیں تھی ، محض وقار کی علامت نہیں تھی بلکہ وہ ایک فعال رہنما کارکن اور وسیلۂ فوائد تھے۔ راقم الحروف کو پیشہ ورانہ اور اعزازی خدمات کی طویل مدّت میں جن دوتین شخصیات کی "ماتحتی" سے تفاخر اور خوشی کا احساس ہوا وہ ان میں سے ایک تھے۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ انجمن کو بچا گئے اور اسے بہت کچھ دے بھی گئے۔

باباۓ اردو کی خوش نیتی دیکھیے کہ انجمن جب بھی ابتلا میں آئے اللہ تعالی کوئی نہ کوئی وسیلہ مہیا کردیتا ہے ورنہ راقم الحروف اپنی فکر معاش کے ساتھ ساتھ جس میں کراچی سے باہر متواتر سفر شامل ہیں محض دیگر متولیان کی مشاورتی امداد کے ساتھ انجمن کو بھرپور طریقے سے نہیں چلاسکتا تھا۔ یوں بھی اپنے بانیوں کے بعد اس ملک میں بڑے بڑے ادارے آنکھوں دیکھتے ختم ہوچکے ہیں۔ بحمد اللہ انجمن چل رہی ہے اور زیادہ فعال ہوتی جاتی ہے۔

اختر حسین صاحب مرحوم کے بعد انجمن کو دو تجربہ کار مخلصین کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ اولاً جناب قدرت اللہ شہاب صدر انجمن بنے۔ وہ اسلام آباد میں رہتے ہیں (سر تیج بہادر سپرو الہ آباد میں رہتے تھے جب کہ انجمن کا صدر دفتر اورنگ آباد اور پھر

دہلی میں تھا، مگر ہماری رہنمائی کے علاوہ ہمارے بہت سے سرکاری معاملات نپٹانے پر مامور ہیں۔ دراصل باباٹے اردو مرحوم کو انجمن کی تنظیم نو کا مختار بنوانے میں انھی نے سب سے زیادہ کام کیا تھا (۱۹۵۹ء) سو، حق بحق دار رسید ۔ دیگر کئی علمی اداروں کی روایت کے برخلاف انجمن انھیں کسی بھی قسم کی "خدمت" پیش نہیں کرتی ۔ دراصل ہمارا کوئی رکن منتظمہ انجمن سے کسی عنوان کوئی رقم وصول نہیں کرتا ۔

جناب نور الحسن جعفری وفاقی حکومت پاکستان میں اسٹیبلشمنٹ سیکرٹری تھے ۔ انھیں مالیات کا وسیع تجربہ ہے ۔ حکومت کے بہت سے اہم عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں ۔ وہ ریٹائر ہوکر کراچی میں مستقلاً مقیم ہوئے تو اتفاق کہ اخترحسین صاحب کی طرح انھیں بھی پاکستان بورماشبل نے اپنا صدر نشین مقرر کیا اور انجمن نے اپنا منتظم اعزازی ۔ انجمن ان پر بھی ایک پیسہ خرچ نہیں کرتی اور وہ انجمن کو نہایت باقاعدگی سے اس کے دفتر میں بیٹھ کر اپنا کافی وقت دیتے ہیں انتظامی اور مالی امور طے کرتے ہیں ۔ ان کی سب سے زیادہ توجہ فروغ وسائل پر ہے۔

بحمد اللّٰہ ان دو اصحاب کی وجہ سے کئی اہم منصوبوں پر کام جاری رکھنے اور پورا کرنے کے امکانات روشن تر ہوگئے ہیں ۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، اس لغت کے تیسرے ایڈیشن میں ایک بڑے ذخیرۂ الفاظ کا اضافہ ہونا ہے۔ انشا اللّٰہ ایسا ہی ہوگا لیکن کوئی زندہ لغت ایک دو بار کے اضافوں میں مکمل نہیں ہوجاتی، لغت کبھی مکمل ہو ہی نہیں سکتی ۔ وقت نئے نئے الفاظ لاتا رہتا ہے ۔ نئے نئے اضافے، سائنٹیفک طریقے سے، ایک مسلسل عمل کے طور پر ناگزیر ہوتے جاتے ہیں ۔ چناں چہ ہم نے

زیر ترتیب اضافوں کے ساتھ مسلسل اضافوں پر کام کرنے کا منصوبہ بھی بنایا ہے ۔ جب تک ہم رہے ہم اور ہمارے بعد ہمارے جانشین اسے ایک پورے سلسلے کے طور پر جاری رکھیں گے ۔ انشا اللہ یہ لغت زندہ اور افادیت سے معمور رہے گی ۔

تیسری اشاعت ۱۹۸۵ء

انھیں "حرفے چند" کے اس مجموعے میں دہرانا ضروری نہیں ۔ وہ کئی صفحات پر جاتی ہیں اور اسی مجموعے میں دوسرے ایڈیشن کے "حرفے چند" میں موجود ہیں ۔
(ناشرین)

THE

STUDENT'S STANDARD

ENGLISH - URDU

DICTIONARY

by

BABA-E-URDU.

Dr. Moulvi Abdul Haq

بارہویں اشاعت

بارہویں اشاعت

بحمد اللہ یہ اس لغت کی بارھویں اشاعت ہے۔ اول اشاعت کا سال ۱۹۶۰ء ہے جب بابائے اردو مولوی عبد الحق حیات تھے۔ دراصل وہ بڑی ڈکشنری، یعنی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری (مطبوعہ ۱۹۳۹ء) دوبارہ چھاپنی چاہتے تھے، مگر اس کی اشاعت کے لیے مالی حالات سازگار نہ تھے۔ یہ داستان مختصراً راقم الحروف کے دیباچے میں شامل ہے جو اگلے صفحات پر موجود ہے۔ اس پر اتنا اضافہ ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے فضل سے اب بڑی ڈکشنری کا چوتھا ایڈیشن آگیا ہے لیکن، چوں کہ وہ طلباء کے لیے مہنگا ہے (قیمت تین سو روپیہ) اس لیے ان کے استفادے کے واسطے یہ اشاعت ضروری سمجھی گئی۔

اشاعت ثانی اور اضافوں کے ضمن میں راقم الحروف کا دیباچہ بڑی ڈکشنری میں ملاحظہ ہو۔ یہاں اتنی خبر ریکارڈ پر رکھ دی جائے کہ پہلے ڈھائی ہزار اضافوں کے بعد اس سال تک دس ہزار نئے الفاظ کے کارڈ تیار ہو گئے ہیں۔ انشا اللہ اگلے سے اگلے سال کی ابتدا تک دس ہزار یا ان سے بھی زیادہ الفاظ بڑی لغت کے پانچویں ایڈیشن میں بھی شامل ہوسکیں گے اور چند ہزار اس لغت میں بھی، کیوں کہ اس میں زیادہ گنجائش نہیں ہوسکتی لیکن، سابق کی طرح تاحال، یہی اسٹوڈینٹس انگلش۔ اردو ڈکشنری کالج اور یونیورسٹی کے طلباء و طالبات کے لیے موزوں ترین لغت ہے۔

صدر انجمن اختر حسین صاحب مرحوم کے بعد انجمن کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا اگر

خداوند تعالی کی مدد سے جناب قدرت اللہ شہاب انجمن کے صدر اور جناب نور الحسن جعفری چیئرمین پاکستان برماشیل انجمن کے ناظم اعزازی کے طور پر کام شروع نہ کردیتے ۔ ان دو صاحبان کی صد فی صد اعزازی خدمات انجمن کے لیے روز بروز ایک بڑھتا ہوا سرمایہ ثابت ہو رہی ہیں ۔ انھی کی گہری توجہ سے امید ہے کہ ہم اس ڈکشنری کا اگلا ایڈیشن کافی نئے اضافوں کے ساتھ پیش کرسکیں گے ۔ دراصل اضافے ہر لغت کی ایک مستقل ضرورت ہیں ۔ وقت کے تقاضے روز نئے اضافے مانگتے ہیں ۔ زندہ قومیں انھیں پورا کرنے کی جدوجہد کرتی رہتی ہیں ۔ بعض قومیں بے دلی سے کام کرتی ہیں اور پیچھے رہ کر ختم ہوجاتی ہیں ۔

بفضل تعالی انجمن اب تک نہ تھکی ہے نہ اپنے فرائض میں پیچھے رہی ہے ۔ اس تسلسل حیات و عمل کا ایک سبب مولوی صاحب مرحوم کی خوش نیتی ہے جو ان کے بعد انجمن سے بڑے بڑے فعال افراد کو وابستہ کراتی رہی ہے ورنہ ہم نے، میں نے، بڑے بڑے ادارے اپنے بانیوں کے بہت جلد بعد ختم ہوتے دیکھتے ہیں ۔ جعفری صاحب نے انجمن کا انتظام جس خلوص اور تن دہی سے سنبھالا ہے وہ اختر حسین صاحب کی یاد دلاتا ہے ۔ شہاب صاحب اسلام آباد میں رہ کر بھی انجمن کے ایک نہایت مشفق اور مفید کارکن اور رہنما کا کردار ادا کر رہے ہیں ۔ اس ڈکشنری کی مقبولیت اور ضرورت کی تازگی اس امر سے ظاہر ہے کہ ہمیں اسے بارھویں مرتبہ چھاپنا پڑ رہا ہے مگر ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے ہر دو تین برس بعد اضافہ الفاظ کے ذریعے تازہ تر رکھیں سو آیندہ ہم یا ہم نہیں رہے تو انشا اللہ ہمارے بعد کام کرنے والے یہ فرض ضرور انجام دیں گے ۔

بارہویں اشاعت ۱۹۸۵ء

بابائے اردو مولوی عبدالحق یادگاری خطبہ ۱۹۸۲ء

اسلوبیاتِ میر

پروفیسر گوپی چند نارنگ
صدر شعبۂ اردو

جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی

پہلا ایڈیشن

چار برس پہلے انجمن ترقی اردو پاکستان نے "بابائے اردو یادگاری خطبے" شروع کرائے۔ ان خطبوں کے لیے ان شعبوں کے فضلا سے درخواست کی جاتی ہے جن میں بابائے اردو خصوصی دل چسپی رکھتے تھے۔ منصوبے کے مطابق دیگر علمی اور ادبی موضوعات پر بھی ایسے خطبوں کا انتظام کیا جائے گا۔ سال میں کم از کم ایک خطبہ مقرر ہے جسے انجمن ایک خصوصی اشاعت کی صورت میں چھاپ دیتی ہے۔

اب تک مندرجہ ذیل موضوعات پر خطبے دیے جاچکے ہیں اور پہلے تین کتابی صورت میں شائع کردیے گئے ہیں۔

۱۔ محمد تقی میر — ڈاکٹر جمیل جالبی
۲۔ جمالیات اور اردو ادب — ڈاکٹر ریاض الحسن مرحوم
۳۔ اردو کا علمی اور فکریاتی ادب (۱۸۵۷ء کے بعد) — ڈاکٹر سیّد عبداللّٰہ
۴۔ اسلوبیات میر

زیرنظر خطبہ انجمن کی درخواست پر اپریل ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ صدر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے کراچی اور لاہور میں دیا جس کے لیے انجمن ڈاکٹر نارنگ کی ممنون ہے۔

۱۹۸۵ء

اردو ادب کی تحریکیں
(ابتدائے اردو سے ۱۹۷۵ء تک)

ڈاکٹر انور سدید

پہلا ایڈیشن

یہ کتاب ڈاکٹر انور سدید صاحب کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر انھیں جامعہ پنجاب سے پی۔ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی ۔

اس کتاب کی فہرست ابواب ہی بتا دے گی کہ ڈاکٹر انور سدید نے اس بڑے موضوع کا احاطہ کتنی محنت اور توجہ سے کیا ہے ۔

ہمیں ہندوستان کی مطبوعہ تحقیقات ادبی سے تو پوری واقفیت نہیں، کیوں کہ مدّت سے دونوں ملکوں کے مابین کھلا تبادلہ کتب بند ہے،لیکن پاکستان کی حد تک کسی قدر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں اس موضوع پر اتنی سیر حاصل کوئی تصنیف تاحال شائع نہیں ہوئی ۔

یہ موضوع صرف واقعات جمع کردینے کا موضوع نہیں، جو شائق ادب بھی اس پر کچھ کھنا چاہے گا بعض بلکہ تمام ادوار پر اس کے اپنے تاثرات اس کی تحریر میں ضرور آئیں گے،اس تصنیف میں بھی بعض مقامات پر مثلاً ترقی پسند تحریک کے سلسلے میں ڈاکٹر انور سدید کے تمام بیان میں تو نہیں مگر کچھ حصے ان کے آرا اور تاثرات کے ساتھ آمیز ہوگئے ہیں، لیکن یہ ان کا حق ہے اور انجمن محض ناشر ہونے کے سبب مصنف کے افکار سے متفق نہیں سمجھی جاسکتی ۔ دیکھا یہ گیا کہ یہ ایک وسیع تناظر میں ایسی اہم ادبی تحقیق ہے جس سے اردو ادب اور جنوب ایشیائی معاشرت کے طالب علم گہری دل چسپی لیں گے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے لیے تو مقالے بہت سے لکھے گئے

ہیں لیکن یہ مقالہ اپنی جگہ ایک الگ وقیع دستاویز کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

امید ہے کہ اہل نظر اس کتاب کو تاریخی لحاظ سے بھی ایک نہایت اہم مجموعہ پائیں گے۔ سنجیدہ طلبائے ادب کے لیے تو یہ ایک ناگزیر جزو مطالعہ بن کر رہے گی اور ظاہر ہے کہ طلبائے اردو میں اساتذہ بھی شامل ہیں۔

انجمن ڈاکٹر انور سدید کی ممنون ہے کہ انھوں نے اس کے حقوق اشاعت انجمن کو سپرد کرنے میں رضاکارانہ تعاون سے کام لیا۔ اگر یہ مقالہ پی۔ایچ۔ ڈی کے لیے نہ بھی ہوتا تب بھی اس کی علمی اور تاریخی اہمیت متقاضی ہوتی کہ اسے اشاعت کے ذریعے عام کیا جائے۔ انجمن کو خوشی ہے کہ اس کی اشاعت انجمن کے حصّے میں آئی ہے۔

۱۹۸۵ء

غزل نما

ادا جعفری

پہلا ایڈیشن

یہ کئی لحاظ سے ایک نادر اشاعت ہے جسے انجمن ترقی اردو پاکستان نہایت فخر و انبساط کے ساتھ پیش کر رہی ہے ۔

متن سے متعلق بیشتر باتیں خود محترمہ مرتبّہ ادا جعفری نے اپنے دیباچے میں بالتفصیل بیان کر دی ہیں ۔ ہمیں صرف چند گزارشات کرنی ہیں ۔

اردو شعر کا سلسلہ حضرت امیر خسرو دہلوی تک جاتا ہے مگر تاحال ان کی کوئی مکمل یعنی پانچ یا سات شعر کی اردو غزل بھی دست یاب نہیں ۔

تاحال جو تحقیق مستند مانی جاتی ہے اس کی رو سے بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم اردو زبان کی پہلی کتاب مثنوی نظامی دکنی عرف مثنوی کدم راؤ پدم راؤ ہے ۔ اس کے مصنف فخردین نظامی دکنی تھے ۔ (زمانہ تصنیف ۸۲۵ ھ تا ۸۳۹ ھ/۱۴۲۱ء تا ۱۴۳۵ ء) ثابت ہے ۔ دنیا بھر میں اس تصنیف کا واحد مخطوطہ بابائے اردو نے انجمن کے نوادرات میں محفوظ کر رکھا تھا اور ان کی وصیت کے مطابق راقم الحروف نے انجمن کی تنظیم نو ہوتے ہی صدر انجمن جناب اختر حسین مرحوم کی سرپرستی میں پہلی توجہ اس کی اشاعت پر دی ۔ وہ ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی اور اسی اشاعت پر ڈاکٹر جمیل جالبی کو جامعہ حیدر آباد سندھ نے ڈی ۔ لٹ کا اعزاز پیش کیا ۔ (اس میں ایک طرف متن کا عکس اور اس کے سامنے نستعلیق میں اس کے الفاظ دیے گئے ہیں)۔

لیکن نظامی دکنی بھی غزل کا شاعر نہ تھا اور

زیر نظر کتاب "غزل نما" ہے ۔ دیگر وجوہ کے علاوہ جو
فاضل مرتب نے بیان کی ہیں ان وجوہ سے بھی اولین
انتخاب میں قلی قطب شاہ کا نام ہی مناسب ترین نظر
آتا ہے ۔

رہے اور نام، تو ہم بھی یہ چاہیں گے کہ یہ
سلسلہ ختم نہ ہو ۔ ہر بڑی زبان کی طرح اردو نے بھی
لاکھوں شاعر پیدا کیے، ہر فکر و ہر خیال، سب تخلیق
نگار خواہ کبھی گزرے ہوں ایک بحرنا پیدا کنار کے
قطرے ہوتے ہیں .... ان کی اپنی ادبی اہمیت کچھ
ہو بحر تخلیق ان قطروں سے ہی مل کر سمندر بنتا ہے۔
ادوار کے ساتھ زبان کی تبدیلیاں ایک الگ دنیا
دکھاتی ہیں ۔

جیسا کہ خود محترمہ ادا جعفری نے فرمایا ہے
وہ کوشش کریں گی کہ یہ سلسلہ جاری رہے ... اور ہم
تو اصرار کرتے رہیں گے کہ یہ انتخاب و اشاعت کئی
جلدوں میں جائے ۔ اس طرح قارئین اور محققین کو ایک
بیش بہا خزانہ دست یاب ہوتا رہے گا ۔

انجمن نے غیر کلاسیکی یعنی عصری شاعری کے دو
ادوار کے دو انتخاب بھی چھاپے تھے ۔ آزادی سے قبل
مرتبہ عزیز احمد مرحوم ۔ دوسرا ۱۹۸۱ء میں مرتبہ
ڈاکٹر وزیر آغا لیکن اردو شاعری کے پھیلاؤ، پاکستان
میں ہندوستانی کتب و جرائد کی کم یابی اور مختلف
مکاتب فکر ہی، نہیں گروہی تنازعات نے بھی ایک ممکنہ
حد تک غیر متنازعہ انتخاب کو بھی مشکل بنادیا تھا۔
پھر بھی اب کہ انجمن کے حالات نسبتاً بہتر ہیں اور
دوسرا کوئی ادارہ اس مشق جاں سوز میں غیر تجارتی
دل چسپی لیتا نظر نہیں آتا ہم سوچ رہے ہیں کہ
ایک مستقل سالانہ یا دو سالہ انتخاب کا سلسلہ جاری
کردیں ۔ دوسرے مرحلے میں نثری انتخاب کا سلسلہ بھی

(جو ضخامت کی وجہ سے بہت زیادہ خرچ بھی طلب کرے گا)
زیر غور آنا ہے۔

اب صرف تخلیقی سطح پر، ملاحظہ ہو کہ انجمن نے
نایاب مخطوطات چھاپے، تخلیقی تصنیفات کو شامل کرتے
ہوئے فہارس مخطوطات برابر چھپ رہی ہیں، دو انتخاب
بھی شائع کیے، کئی تخلیقی امہات الکتب کے ترجمے
بھی اور اب یہ نادر انتخاب "غزل نما" پیش ہے
(اور امید ہے کہ انشا اللہ آیندہ چند جلدیں اور
چھپیں گی)۔ اس طرح ہم اردو زبان و ادب کی تخلیقی
تاریخ سے متعلق زیادہ سے زیادہ نمونے شائع کرنے
اور ان کے متعلق اطلاعات فراہم کرنے میں خاصی پیش
قدمی کرچکے ہیں ۔ جب کہ اس تمام مشق میں تجارتی
لحاظ سے انجمن کو نہ پہلے منافع ہوتا تھا نہ اب
ہوتا ہے .... بہرحال یہ کام بھی کسی نہ کسی کو تو
کرنا ہی تھا ۔

جن بزرگوں کا انتخاب اس اشاعت میں شامل ہے
ان میں سے کئی نام صرف تحقیقی فہارس اور تذکروں
میں ہی نظر آتے ہیں ۔ بعض کا نمونۂ کلام بھی ایک
دو شعر سے زیادہ شائع نہیں ہوا ۔ یہ انتخاب انھیں
ممکنہ حد تک اچھی طرح روشناس کرا دیتا ہے ۔

زیر نظر انتخاب کی سب سے بڑی خصوصیت جو
محترمہ ادا جعفری نے بیان نہیں کی یہ ہے کہ یہ
انتخاب خود ایک شاعر نے کیا ہے ۔ غیر شاعر نقادوں
اور اہل انتخاب میں بعض بڑے معتبر نام شامل رہے
ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ شعر کی اصل پرکھ وہ اہل
ادب ہی کرسکتے ہیں جو خود شاعر ہوں ۔ محترمہ
ادا جعفری ہندوستان پاکستان میں ایک شاعرہ کے طور
پر کبھی سے ایک بڑی حیثیت رکھتی ہیں ہم ان کا تعارف
کرانے کی جرأت نہیں کرسکتے کہنا صرف یہ ہے کہ

کلاسیکی مشاہیر و غیر مشاہیر سے ادا جعفری کا انتخاب بھی ایک نادر خصوصیت کا حامل ہے۔

انجمن، محترمہ ادا جعفری کی انتہائی ممنون ہے کہ انھوں نے یہ سلسلہ بلامعاوضہ پوری ذمہ داری اور پابندی کے ساتھ جاری رکھا ہے۔ ان کا شان دار ادبی پس منظر، مشہور عالم تخلیقی حیثیت اور محنت انشا اللہ اس اشاعت کو ایسے سلسلوں میں ہمیشہ ایک اعلیٰ مقام پر فائز رکھے گی۔

۱۹۸۷ء

پاکستان میں اردو تحقیق

موضوعات اور معیار

ڈاکٹر معین الدّین عقیل

پہلا ایڈیشن

یہ کتاب کسی قدر تاخیر سے شائع ہو رہی ہے جس کی ذمہ داری فاضل مصنف پر نہیں بلکہ ہم پر ہے دراصل یہ ایک مقالہ تھا جو ہمارے سہ ماہی جریدے "اردو" شمارہ ۲، ۱۹۸۵ء میں چھپا تھا ۔ اس میں ۱۹۸۴ء تک کی تحقیق کا احاطہ کیا گیا تھا ۔ پھر طے کیا گیا کہ اسے کتابی صورت میں چھاپ دیا جائے مگر بوجوہ ۱۹۸۵ء کے اندر اندر ممکن نہ ہوا ۔ بہرحال یہ اس وقت بھی پاکستان میں اردو تحقیق سے متعلق اپنی قسم کا پہلا جائزہ تھا اور اب بھی یہ واحد کتاب ہے جس کی حدود صرف دو برس پہلے تک کی تحقیق پر ختم ہوتی ہیں ۔ ہمارے علم میں ایسی کوئی کتاب نہیں جس نے ۱۹۸۵ء تک پاکستان میں اردو تحقیق کا احاطہ کرلیا ہو ۔

انجمن کا فیصلہ ہے کہ انشا اللہ آیندہ ہر دو تین برس بعد ایسے جائزے شائع کیے جائیں ۔ موضوع زیر اشاعت سے متعلق تو خود ڈاکٹر معین الدین عقیل نے مسلسل تعاون کا وعدہ کیا ہے ۔ "تحقیق کیا ہے" اس موضوع پر بھی انجمن ایک جامع کتاب شائع کرنا چاہتی ہے ۔

پچھلے چند برس میں اردو تحقیق سے متعلق سب سے اہم جائزہ مخدومی ڈاکٹر گیان چند کا کہا جاتا ہے ۔ اسے ہم نے شکریے کے ساتھ سہ ماہی " اردو " شمارہ ۲، ۱۹۸۲ء میں نقل کیا تھا تاکہ اس کا فیض

یہاں بھی عام ہو۔ ڈاکٹر گیان چندجین کی شہرۂ آفاق فضیلت ہی اس کی بہت سی خوبیوں کی ضامن ہے لیکن پاکستانی ماخذات کے بارے میں ڈاکٹر صاحب موصوف کو مطلوبہ مواد فراہم نہ ہوسکا ۔ خود ان کے الفاظ میں:

"اس میں میری معذوری پیش نظر رہے کہ
پاکستان کے بیش تر کاموں تک میری
رسائی نہیں ۔ فہرستوں میں ان کے نام
دیکھتا ہوں لیکن کتابوں کو دیکھے
بغیر رائے کیوں دوں ...."

یہ صورت حال ہم دونوں ملکوں کے بہت سے مشترکہ دل چسپی کے علمی، ادبی اور ثقافتی معاملات پر حاوی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ مستقبل قریب میں اس کا کوئی قابل عمل حل میسّر ہوگا یا نہیں ۔ بنیادی مسئلہ بین الملکی سیاست ہے جس پر تبصرہ کرنا فی الوقت ہمارے دائرۂ کار سے باہر ہے ۔ بس اتنا ہم برسوں سے دیکھ رہے ہیں کہ علمی ادبی اور ثقافتی تبادلوں کی شروعات ہو ہوکر رہ جاتی ہے ۔ جونہی بین الملکی سیاسی فضا بدلی، سب نیک اقدامات ٹھنڈے پڑجاتے ہیں۔ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ جب تک ہندوستان پاکستان میں بنیادی سمجھوتے ہوکر بروئے کار نہیں آتے ہمارے دوسرے روابط مطلوبہ رفتار کے ساتھ نہیں بڑھ سکیں گے ۔ تاحال اردو کے باب میں ہندوستانیوں تک ہماری اور ہم تک ہندوستانی جرائد اور کتابوں کی کھلی اور آسان ترسیل ممکن نہیں ہوسکی ۔ ہمارے اکثر محققین کی مجبوری بھی وہی ہے جو ڈاکٹر گیان چند جین صاحب نے بیان کی ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ ادیب، محققین اور نقّاد اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر اپنے موضوع سے متعلق کچھ نہ کچھ مواد درآمد کرلیتے ہیں۔ بہت ہی زیادہ اشتیاق رکھنے والے اپنے خرچ پر دوسرے

ملک کے دورے بھی کرتے ہیں اور بڑی تلاش سے جرائد اور کتابیں لے آتے ہیں جو بعض اوقات دوسروں کے کام بھی آتی ہیں ۔ لیکن مجموعی طور پر صورت حال وہی ہے جس کی طرف ڈاکٹر گیان چند جین صاحب نے اشارہ کیا ہے ۔

ہمارے محققین کی ایک مشکل خود ہمارے حالات کی پیدا کردہ ہے ۔ ماخذات تحقیق کے مقابلے میں کاملیت تو شاید کسی ملک میں بھی ممکن نہیں لیکن بہت سے ملکوں کے قوانین کم از کم بنیادی آسانیاں ضرور بہم پہنچاتے ہیں ۔ بیشتر مغربی ممالک اور بعض مشرقی ممالک مثلاً جاپان، جنوبی کوریا، ملائشیا اور چین میں کاپی رائٹ کی وہ دفعات سختی کے ساتھ نافذ کی جاتی ہیں ۔ جن کی رو سے لازم ہے کہ ہر ناشر اپنی ہر اشاعت (اخبار، جرائد، کتاب) کی مقرر جلدیں حکومت کے نامزد چند قومی کتب خانوں میں مفت داخل کرے ۔ حکم عدولی کی سزائیں مقرر ہیں لیکن ناشرین قومی مفاد میں اور خود اپنے وسیع تر مقاصد کے لیے اس قانون کی پابندی کرتے ہیں خواہ کتاب کی قیمت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو ۔ پھر ان میں سے کم از کم ایک کتب خانہ موصولہ مواد کی فہرستیں شائع کرتا رہتا ہے جو بہت کم قیمت اور وسیع پیمانے پر دستیاب ہوجاتی ہیں ۔ بڑے کتب خانوں نے یوں بھی اپنی کتابوں کی فہرستیں چھاپ رکھی ہیں جن میں ان کے پاس موجود تمام کلاسیکی اور مخطوطات کا ذکر آجاتا ہے ۔ نئی کتابوں کی فہرست متعینہ وقفے سے نامزد کتب خانہ چھاپ سکتا ہے ۔ اس طرح وہاں کے محققین کے لیے ہر معلوم مخطوطے اور ہر اشاعت کے بارے میں بنیادی معلومات کی آسان فراہمی کا پورا پورا انتظام ہوتا ہے ۔ ہمارے یہاں کاپی رائٹ قانون قبل از تقسیم سے موجود ہے

اس میں ترمیمات ہوچکی ہیں(۱۹۶۲ء) اور اس کے نفاد کے لیے بار بار صدائیں بھی بلند ہوتی رہتی ہیں۔ وصولی کے لیے تین قومی کتب خانے بھی کبھی کے نامزد ہیں لیکن متعلقہ دفعات پر عمل نہیں ہورہا ۔ اکثر ناشر عمل نہیں کرتے اور متعلقہ محکمہ قانونی مواخذہ نہیں کرتا ۔ کاپی رائٹ قانون اور اس کے نفاذ میں مفادات بیوستہ کی پیدا کردہ مشکلات ایک پوری کہانی اور راقم الحروف کا پرانا مضمون ہیں جو کہیں اور بیان ہوں گی ۔ فی الحال یہ بتادینا کافی ہے کہ اس معاملے میں ہم اپنے محققین کو مطلوبہ آسانیاں فراہم نہیں کرتے ۔ بعض تجارتی ناشرین اپنی فہرستیں چھاپ دیتے ہیں مگر طویل وقفوں کے ساتھ اور ان کی اشاعت بھی عام نہیں ہوتی ۔

بڑے کتب خانے اپنی فہرستیں باقاعدہ طور سے شائع نہیں کرتے ۔ بے شمار نئی کتابوں کا اندراج بھی رہ جاتا ہے ۔ پرانی کتابوں کے حوالے میں بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں ۔

صوبائی قانون اشاعت کے تحت ہر چھاپے خانے پر لازم ہے کہ وہ تمام مطبوعہ مواد کی مقررہ جلدیں صوبائی حکام کے دفتر میں داخل کرے اور اس قانون پر کسی قدر سختی کے ساتھ عمل بھی ہوتا ہے کیوں کہ اس کے ذریعے صوبائی حکومت اس امر پر نظر رکھتی ہے کہ کوئی "ناپسندیدہ" مواد شائع ہو تو وہ فوراً حسب ضابطہ کارروائی کرسکے لیکن موصولہ مواد کی صوبائی فہرست بھی شائع نہیں کی جاتی ۔

جامعات میں جو تحقیقی کام ہوتا ہے اگرنہ چھپے (اور سب کہاں چھپتا ہے) تو عموماً وہیں پڑا رہ جاتا ہے۔ بڑی مشکل کے بعد راقم الحروف نے سابق وفاقی وزیر تعلیم ڈاکٹر محمد افضل صاحب کی زیر صدارت ایک مجلس میں

طے کرایا تھا کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے تحت تمام جامعات کے تمام پی ۔ایچ ۔ ڈی اور ایم ۔ فل مقالوں کی فہرستیں مقررہ وقفوں کے ساتھ شائع کی جائیں تاکہ اہل جستجو ان سے فائدہ اٹھائیں۔ تاحال اس فیصلے پر بھی عمل شروع نہیں ہوا ۔

بعض بڑے نجی کتب خانوں کے مالکان نہ تو کسی کو اپنی املاک کی فہرستیں بنانے دیتے ہیں نہ وہاں آکر کام کرنے کی اجازت ۔ کاپی رائٹ قانون میں ایک دفعہ موجود ہے جس کی رو سے قومی اہمیت کی دستاویزات کو بحق سرکار بمعاوضہ حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن آج تک یہ دفعہ بروئے کار نہیں آئی ۔

اندریں حالات محقق کو ماخذات سے متعلق بنیادی معلومات کی تلاش بھی خود ہی کرنی پڑتی ہے ۔ آفرین ہے ان پر جو ان حالات میں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں لیکن غالباً انہی حالات کی بنا پر بعض محققین پوری تلاش نہیں کرپاتے اور ان کے کام میں بعض بدیہی اغلاط اور تضادات درآتے ہیں جو ایک نہ ایک دن غیرضروری طور پر مزید تحقیق اور تنازعات کا سبب بنتے ہیں ۔

یہ تو ہیں ماخذات سے متعلق محض چند بنیادی مشکلات مگر ہمارے یہاں خود فن تحقیق بھی ایک مسئلہ ہے جس معاشرے میں " ایڈھاک ازم " سرایت کرگیا ہو اس میں تحقیق ایک تصور کار کے طور پر ہی ناقبول ہوتی ہے ۔ ہمارے یہاں سائنس اور ٹیکنولوجی تک میں ریسرچ کی ناگزیریت تسلیم نہیں کی گئی جس کی فوری اور طویل المیعاد مادی افادیت بھی اظہرمن الشمس تھی تو ادب و لسانیات جیسے بظاہر "بے فیض" مضامین میں تحقیق کی سرپرستی ایک قابل ذکر روایت کیسے بن سکتی تھی۔ بس کہیں کہیں کچھ دال دلیا ہوجاتا ہے اور پھر وہاں

بھی غلط بخشی کی مثالیں عام ہیں ۔ جامعات میں نگراں اساتذہ کی محکماتی سیاست اور باہمی تعصبات کی کہانیاں بھی گردش کرتی رہتی ہیں گو ارباب لوگ انھیں شائع کم کرتے ہیں ۔

مثلاً بابائے اردو مولوی عبدالحق کے انتقال کے بعد ہم نے چاہا کہ ان کے احوال و آثار پر کوئی پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے لیے کام کرے ۔ ۱۹۶۲ء جیسے زمانے میں پانچ سو روپے ماہوار کا وظیفہ دینا بھی طے کیا ۔ ایک طالب علم نے ہمارے صداقت نامے کے ساتھ جامعہ کراچی میں درخواست بھی گزاردی مگر ارباب بست و کشاد نے مطلوبہ مقالے پر کام کرنے کی اجازت نہ دی سبب غیر رسمی طور پر یہ بتایا کہ مولوی صاحب کا انتقال حال ہی میں ہوا ہے ان کے بارے میں متنازعہ فیہ آرا تازہ ہیں ابھی کوئی محقق یہ کام پوری بے تعصبی کے ساتھ پورا نہیں کرسکے گا ۔ ذرا ملاحظہ کیجیے مولوی صاحب جیسی شخصیت اور یہ عذر ۔ بہرحال ہم نے اپنے اصرار میں شدّت برتی تو کچھ عرصے بعد اس وقت کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے ذاتی مداخلت کرتے ہوئے جزوی اجازت دلوا دی یعنی جامعہ نے احوال پر کام کرنے کی پابندی تو برقرار رکھی مگر آثار پر کام کرنے کی اجازت دے دی گئی ۔ مسلسل دل شکنی کے ڈر سے کوئی طالب علم ہمت کے ساتھ آمادہ ہوکر ہمارے پاس نہیں آیا (بر سبیل تذکرہ بابائے اردو پر جامعہ علی گڑھ کے ایک قابل طالب علم کا ایم ۔ فل مقالہ انجمن نے چھاپ دیا ہے) یہ محض ایک مثال تھی ۔ دوسری جامعات کے بہت سے قصّے بھی سننے میں آتے ہیں جو تحقیق کرنے والوں کی ہمّت گھٹاتے ہیں ۔

تحقیق کرانے والے نجی ادارے نہ ہونے کے برابر ہیں ۔

ہم کسی ایسے نجی اشاعت گھر کو نہیں جانتے جس نے صرف تحقیق کے لیے مالی معاونت فراہم کرتے ہوئے تحقیقی کارنامے مرتب کرا کے انھیں چھاپا ہو ۔ بحمد اللہ انجمن اپنے انتہائی محدود وسائل کے باوجود قاموس الکتب اور فہرست مخطوطات جیسی کتابیں مرتب کراتی ہے اور شائع کرتی ہے ۔ انجمن ہی نے یہ روایت بھی مضبوط کی ہے کہ اہم موضوعات پر پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے خاصے ضخیم مقالے شائع کرے ۔ اس کتاب کے فاضل مصنف ڈاکٹر معین الدین عقیل کا مقالہ برائے پی ۔ ایچ ۔ ڈی بعنوان "تحریک آزادی میں اردو کا حصّہ" انھیں ڈگری ملنے کے بعد انجمن ہی نے چھاپا ۔ دوسرا ایسا مقالہ ڈاکٹر انور سدید کی کتاب "اردو ادب کی تحریکیں" کی صورت میں شائع کیا اور تیسرا نہایت ضخیم مقالہ "ابن انشاء احوال و آثار" از پروفیسر ریاض احمد ریاض (فیصل آباد) زیر اشاعت ہے ۔ لیکن اکیلی انجمن کتنے مقالے چھاپ سکتی ہے ۔

یہ محض ایک مختصر فہرست تھی محققین کی دشواریوں سے متعلق ، اب ایک دو باتیں اشاعت تحقیق کے بارے میں جن کی بنیاد راقم الحروف کا مشاہدہ اور تجربہ ہے ایک زمانے میں گلڈ کے ذریعے بہت سے مصنفین کے مسودے ناشرین کی خدمت میں لے جاتا اور طرح طرح کے جواب پاتا ۔ سب سے بڑا امر مانع یہ بتایا جاتا تھا کہ ایسی کتابوں کی "مارکیٹ" نہیں ہے ۰۰۰۰ اور یہ عذر نجی اداروں کے لیے واقعی بجا تھا کہ وہ خیراتی نہیں ، فلاحی نہیں تجارتی ادارے ہیں ۔ مدّتوں کسی صوبائی یا وفاقی حکومت کے پاس نہ ایسے ادارے تھے نہ رقوم جن کے ذریعے ایسے کاموں کی اشاعت ہوسکے ۔ انھوں نے اپنی صواب دید کے مطابق بعض ادارے ایسے ضرور قائم کیے جیسے ادارہ ثقافت اسلامیہ ، مجلس ترقی ادب ،

اردو لغت بورڈ، اردو سائنس بورڈ ،جن کے ذریعے وہ مخصوص موضوعات پر کام کرائیں اور وہ شائع بھی ہو لیکن عمومی طور پر تحقیق کی ہمت افزائی مناسب مالی امداد اور اشاعت کے لیے پچھلے دنوں تک نہ کوئی ادارہ تھا نہ جامع منصوبہ ، نہ رقوم ۔ اب برسوں کی ردّوکد کے بعد پاکستان نیشنل بک کونسل نے بعض تحقیقی موضوعات کی سرپرستی اور اشاعت کے لیے کچھ رقمیں مختص کی ہیں اور ضوابط بنائے ہیں لیکن ابھی اس باب میں اس ادارے کی کارکردگی زیر آزمائش ہے ۔ علمی ادبی ریسرچ کی راست مالی امداد یہ بھی نہیں کررہا ۔ ابھی بعد از اشاعت محدود سی خرید کتب اور انعام وغیرہ کے فیصلوں تک پہنچا ہے ۔

خود ہماری "قاموس الکتب" کا حال دیکھیے چار ضخیم جلدیں آچکی ہیں ۔ ہر طرف سے تعریف و توصیف کے دونگرے برستے ہیں مگر ہمارا گودام ان جلدوں سے بھرا پڑا ہے ۔ انھیں بعض جامعات اور بڑے کالجوں تک نے نہیں خریدا اور ہم سے درباب فتوح طلب کیا۔ یہاں مغرب میں جہاں جہاں کسی جامعہ نے اردو نشست رکھی ہے یا اردو کے مضمون پر کسی قدر بھی توجہ ہے ہماری تقریباً تمام کتابیں بقیمت منگالی جاتی ہیں۔

علمی،بطور خاص تحقیقی،کتابوں کی اشاعت اور نکاسی ایک پورا مسئلہ ہے جس پر جو بھی مرکز اظہار مثلاً نیشنل بک کونسل مہیا ہوتا ہے ہم اپنی آراء اور خدمات پیش کرتے ہیں مگر تاحال بات باتوں سے زیادہ آگے نہیں بڑھی ہے کچھ منصوبے بنے ہیں۔ رقمیں مختص ہوئی ہیں لیکن ابھی آگے دیکھنا ہے ۔

نئے محققین کا کام سامنے نہیں آتا تو بعض نقصان دہ مغالطے جو پرانی تحقیق یا مفروضوں اور روایتوں سے پیدا ہوجاتے ہیں برسوں اور قرنوں

چلتے ہیں ۔ بعض اساتذہ جو نئی تحقیق سے واقف نہیں ہوتے اپنا فرسودہ علم شاگردوں کو بھی عطا کر دیتے ہیں اور وہ اپنے شاگردوں کو اور یوں یہ مغالطے غلط اطلاعات اور ان کی بنا پر قائم شدہ آراء و افکار نہ جانے کیسے کیسے فکری نقصانات کا باعث ہورہے ہیں نہ جانے ہمارے معاشرے میں یہ سلسلہ کب تک چلے گا (راقم الحروف مستقبل سے مایوس نہیں ہوتا مگر اب تھک ضرور گیا ہے) بعض ناشر تحقیقی مواد کو اپنی رائے یا مکتب فکر کا تابع بنانے پر مصر پائے گئے۔ جب کہ صاحب تحقیق عموماً اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ یہ ناشرین کی صریحاً زیادتی ہے ۔ نتیجہ بہرحال محقق کو بھگتنا پڑتا ہے ۔ اس باب میں فی الحال یہ نہایت مختصر بیان ہی کافی ہے ۔

اب ایک دو شکایتی گزارشات خود محققین کے بارے میں ۔

اواخر کتاب (صفحہ ۱۲۲) میں ڈاکٹر معین الدین عقیل نے محققین کے بعض منفی رجحانات کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ راقم الحروف کو یہ بھی عرض کرنا ہے کہ نفی تحقیق میں جس کی حدود اکثر تنقید کو بھی چھو لیتی ہیں (اور یہ ضروری ہو تو کوئی حرج بھی نہیں) محققین کے ذ:ہ، گروہی اور صوبائی تعصبات در آنے لگے ہیں۔ محقق ذ ا پہلا کام حقائق کی جستجو اور انھیں تقاضائے موضوع کے مطابق جمع کردینا ہے، رائے دہی کا مرحلہ بعد میں آتا ہے ۔

ہو کیا رہا ہے ۔ بعض مصنفین اپنے ذاتی تعصبات کی بنا پر "ناگزیر" شخصیات اور واقعات کا حوالہ تک نہیں دیتے بلکہ انھیں مقطوع الوجود قرار دیتے ہیں جس سے نہ صرف بنیادی آداب تحقیق مجروح ہوتے ہیں بلکہ وہ خو اپنے ان قارئین کے لیے جنھیں اس شخصیت

یا ان واقعات کا علم ہوجائے ساقط الاعتبار ٹھیرتے ہیں اور یہ عام آدمی کے لیے پورے فن تحقیق کے بارے میں ایک نہایت خطرناک رجحان ہے ۔ یقیناً ایک نقاد کو یہ حق ہے کہ اپنی ناپسندیدہ شخصیت یا کتاب یا واقعہ کی مذمت کرے جیسے نواب مصطفے خاں شیفتہ نے نظیر اکبر آبادی کو ہیچ پوچ گردانا لیکن یہاں یہ بھی واضح رہے کہ وہ ایک تذکرہ لکھ رہے تھے اس لیے انھوں نے بھی نظیر اکبر آبادی کو محروم ذکر کرنے کی جرأت نہیں کی کیوں کہ اس وقت نظیر اکبر آبادی کم از کم ایک معروف شاعر کی حیثیت اختیار کرچکے تھے .... لیکن کیا ایک محقق کو، جو ساتھ ساتھ تنقید بھی کرتا جاتا ہو اور محض ایک محقق کو، اپنے موضوع سے متعلق کسی معروف شخصیت اور کتاب کو اپنی فہرست میں شامل نہ کرنے کا اخلاقی حق ہے ۔ ہمارے خیال میں قطعی نہیں ۔ خواہ اندراج و حوالہ کسی ہم عمر سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو ۔ افسوس کہ عصری تاریخ و شخصیات پر محض تنقید ہی نہیں تحقیقی کاموں میں بھی یہ رجحان در آیا ہے ۔ اس سے پوری تحقیق کی شہرت متاثر ہوتی ہی ہے قارئین اور نئے محققوں کو جب بھی وہ اطلاع ملے جسے محقق نے واضح طور پر نظرانداز کیا ہو وہ ان کی نظر میں ساقط الاعتبار ٹھیرتا ہے ۔ یوں اس کا باقی کام بھی مشتبہ ہوجاتا ہے ۔

تاریخ اردو میں ذاتی اور گروہی تعصّبات کی آمیزش اگلی نسلوں کو ہم سے زیادہ پریشان اور گمراہ کرسکتی ہے ۔ خدا کرے ہمارے معتبر ناقدین ایسے مصنّفین کی سخت گرفت کرنے اور ان رجحانات کو روکنے میں کامیاب ہوں ۔

بحمد اللّٰہ فاضل مصنّف ڈاکٹر معین الدین عقیل ان رجحانات سے مبرّا نظر آتے ہیں ۔ انھوں نے حتی الامکان

تمام دستیاب مواد کو ضخامتی مجبوریوں کے باوجود بڑی خوبیوں سے جمع اور مرتب کردیا ہے ۔ جہاں رائے دی ہے کوئی شدت نہیں برتی اور کسی معروف کام کو نظر انداز کرنے کی سنگدلی نہیں دکھائی۔ خدا کرے انجمن کے ساتھ ان کا تعاون جاری رہے ۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کی ایک سو تعداد مجلّد کرائی گئی ہیں اور باقی حسب معمول پیپر بیک میں ہیں ۔ ہمارا ارادہ تھا کہ کتابت دوبارہ کرائی جائے کیوں کہ آج کل انجمن کے حالات قدرے بہتر ہیں اور کتابت مناسب ہوکر بھی حسب معیار نہ تھی لیکن ڈاکٹر عقیل ہی کے مشورے پر نئی کتابت اشاعت ثانی تک ملتوی کردی گئی کیوں کہ اس طرح اور تاخیر ہوجاتی انشا اللہ جب نئی اشاعت آئی بہتر کتابت کے ساتھ آئے گی ۔ جیسا کہ ان ہی صفحات پر پہلے بھی عرض کیا گیا ہے انجمن کا فیصلہ ہے کہ یہ ایک مستقل سلسلہ ہوجائے تاکہ ہر دو تین برس بعد قارئین اور اہل جستجو کو تازہ ترین مواد فراہم ہوسکے ۔

آخر سے پہلے ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری کا شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے انجمن کی درخواست پر ڈاکٹر عقیل کی اجازت سے بہت کم وقت میں کتاب کا اشاریہ بنا دیا ۔ یہ اشاریہ "اردو" میں شامل نہ تھا ۔ اب کہ اشاعت کے آخری مراحل تھے ہم نے مناسب جانا کہ ایک اشاریہ بن جائے ۔ ڈاکٹر عقیل اس زمانے میں سخت مصروف تھے مزید تاخیر سے بچنے کے لیے ان کی اجازت سے ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری سے درخواست کی گئی جو انھوں نے ازراہ کرم قبول کرلی۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کا شکریہ ایک بار پھر ادا کرتے ہوئے انجمن امید کرتی ہے کہ یہ کتاب جو اس موضوع پر کم ازکم پاکستان میں اپنی نوعیت کی پہلی اور انتہائی اہم تصنیف ہے ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔

قواعد صرف و نحو

زبان اردو

۱۲۵۶
۱۸۴۰

مصنفہ

سر سید احمد خاں

مرتبہ

عبدالغفار شکیل (علیگ)

پہلا ایڈیشن

اولاً یہ مسودہ انجمن کے سہ ماہی جریدے "اردو" (جلد ۵۹ شمارہ ۲-۱۹۸۲ء) میں شائع ہوا تھا ۔ امید تھی کہ علمی حلقوں میں ڈاکٹر عبدالغفار شکیل صاحب (جامعہ علی گڑھ) کی اس دریافت پر سیر حاصل گفتگو ہوئی مگر ہوئی تو ہمارے علم میں نہیں آئی .....

پھر طے ہوا کہ اسے ڈاکٹر صاحب کے مقدمے کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کردیا جائے ۔ کتاب میں کتابت کی اتنی غلطیاں درآئیں کہ اسے روکنا پڑا ۔ اس وقت انجمن کی مالی حالت اتنی خراب تھی کہ اچھے کاتب جو کراچی میں یوں بھی کمیاب ہیں (لاہور میں صورت حال اتنی خراب نہیں بلکہ کراچی سے بہتر ہے) میسّر نہ تھے۔ راقم الحروف اپنی منصبی مصروفیات اور دوروں کے سبب ہر منزل میں کتابت دیکھ نہیں سکتا تھا اور شریک معتمد پروفیسر شبیر علی کاظمی مسلسل بیمار رہتے تھے۔ بہرحال ہم نے تھوڑا سا نقصان اٹھا کر وہ کتاب روک لی اور بازار میں نہ بھیجی ۔

اب کہ نئے صدر انجمن جناب نور الحسن جعفری کی ان تھک کاوشوں سے ہم انجمن کے مالی حالات بہتر کرنے کے قابل ہوئے ۔ ایک بار پھر طے کیا گیا کہ اسے ٹائپ میں شائع کردیا جائے ۔ (کتابت کے مسائل اب بھی موجود ہیں ورنہ ہم عموماً اپنی کتابیں ٹائپ میں نہیں چھاپتے ... اور یہ کتاب ضخیم بھی نہیں ہے)

ہم ڈاکٹر شکیل صاحب کے انتہائی ممنون ہیں

اور ساتھ ہی چند گزارشات ریکارڈ پر لے آنی ضروری سمجھتے ہیں ۔

مقدمے میں ڈاکٹر شکیل صاحب نے اس نسخے کی دریافت اور اس کے متحقق ہونے کا ذکر بہت اختصار سے کیا ہے ۔ اسے انھوں نے کس طرح جانچا ،پرکھا ،سر سیّد کے معروف خط یا شان تحریر سے ملا کر دیکھا ، اس کا کچھ پتا نہیں چلتا ۔ سر سیّد کی کسی سوانح میں بھی ان کی اس کاوش کا ذکر نہیں ملتا ۔ یقیناً سر سیّد نے کوئی آپ بیتی نہیں لکھی اور بعض معروف آپ بیتی لکھنے والے یا تو اپنے ابتدائی کاموں کو فراموش کردیتے ہیں یا دیگر وجوہ سے ذکر نہیں کرتے ...... لیکن اب کہ سر سیّد پر کام ہوتے تقریباً سو برس ہوچکے ہیں ان کے کسی سوانح نگار، محقق،مبصّرکی کسی تحریر میں اس مسوّدے کا ذکر نہ آنا ایک حیرت انگیز امر ہے .... سر سیّد جیسی شخصیت کی ہر تحریرخواہ وہ بچپن میں کسی کو لکھا ہوا کوئی چندسطری خط ہی کیوں نہ ہو ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے .... سچ کہ بہت سے کتب خانوں میں آج تک اپنی فہارس مخطوطات مرتب اور شائع کرنے کا رواج نہیں (انجمن نے بھی یہ سلسلہ ۱۹۶۲ء کے بعد سے شروع کیا ہے)لیکن اس سوال پر بھی سوچ بچار ہونا چاہیے کہ اتنے بڑے آدمی اور خود بانی علی گڑھ کا یہ مسوّدہ ،خواہ وہ اس کی نوجوانی کی تالیف ہو اتنے دن تک محتاج توجہ کیسے پڑا رہا۔ کاش ڈاکٹر شکیل صاحب اٹاوہ کلیکشن کی تھوڑی سی تاریخ بھی لکھ دیتے کیوں کہ پاکستان میں اس کلیکشن سے زیادہ واقفیت نہیں ۔

بہرحال ہم اس نادر مسوّدے کو بڑی خوشی کے ساتھ تین وجوہ سے کتابی صورت میں شائع کررہے ہیں :۔

(۱) یہ سرسیّد احمدخاں جیسی عظیم شخصیت سے منسوب ہے اور اگر یہ واقعی سرسیّد کی تصنیف ہے(جس کی تردید کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں)تو تاحال، اسے ان کی پہلی باقاعدہ علمی کاوش کی تاریخی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے ۔

(۲) اسے ڈاکٹرعبدالغفارشکیل جیسے معتبر استاد اردو (جامعہ علی گڑھ) نے دریافت اور مرتب کیا ہےاور اس اشاعت کے لیے انھیں ڈاکٹرجمیل جالبی کی تائیدحاصل ہے۔

(۳) اس میں قواعد صرف و نحو اردو جیسے مشکل موضوع پر کم از کم بول چال کے حوالےسے انیسویں صدی کے ایک نوجوان مگر مستند دلّی والے کی سائنٹیفک محنت کا نقشہ نظر آتا ہے خواہ وہ نامکمل ہی کیوں نہ ہو اسے سند کے حوالے سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ۔

انجمن امید کرتی ہے کہ اس اشاعت کے بعد اردو کے علمی حلقوں میں اس کتاب کے ہر پہلو پر سیرحاصل فکروگفتگو کی جائے گی ۔ ہم ممنون ہوں گے اگراس پر لکھنے والے ہمیں بھی اپنے افکارسے مطلع رکھیں ۔ اگر ایسا مواد ایک کتاب کا مستحق ہوا تو ہم انشاءاللہ ان آرا و افکار پر مشتمل ایک پورا ضمیمہ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کردیں گے ۔

۱۹۸۷ء

پاکستان کی کہانی

(بچوں کے لیے)

مصنفہ

بیگم سلمیٰ زمن

پہلا ایڈیشن

انجمن نے بچوں کے لیے بہت کم کتابیں چھاپی ہیں ـ زیادہ زور علمی، تحقیقی اور قاموسی اشاعتوں پر رہا ـ مخطوطات، بعض امّہات الکتب کے ترجمے اور لغات .... انگریزی ـ اردو، اردو ـ انگریزی ...... اصطلاحات ـ دیگر پاکستانی زبانوں سے اردو میں تراجم، بہت کچھ ہوا، مگر بچوں کے ادب پر توجہ نہ دی جاسکی ـ ایک وجہ وسائل بھی تھے، ایک وجہ یہ بھی کہ انجمن عموماً وہ کتابیں چھاپتی ہے جو تجارتی ناشرین اس لیے نہیں چھاپتے کہ ان کی اشاعت میں منافع نہیں لیکن ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پاکستان میں بچوں کے لیے لکھنے والے بہت کم تھے (اب بھی بہت کم ہیں) اور ان میں سے اکثر نے اپنی تصنیفات تجارتی ناشرین کے حوالے کرنا بہتر جانا ـ

۱۹۶۳ء میں انجمن نے بچوں کے لیے جناب محشر بدایونی کی منظوم تصنیف سائنس نامہ رنگوں اور خاکوں کے ساتھ شائع کی ـ اس میں ایک سو مسلمان سائنس دانوں کا حال چھوٹی چھوٹی نظموں میں بیان کیا گیا ہے ـ وہ مقبول ہوئی اور اسے ایک ادبی انعام بھی ملا مگر اس کی فروخت اس پیمانے پر نہ ہوسکی کہ خرچ بھی نکل آتا ـ انجمن مالی مشکلات میں مبتلا تھی اور بچوں کے لیے کتاب کو جدید رواج کے مطابق رنگین اور دیدہ زیب ہونا چاہیے جو ایک خاصا مہنگا سودا ہے ـ بچوں کے لیے مصنف بھی اتنی تعداد میں نہ تھے کہ مطلوبہ مقدار میں مسودے جمع کرکے ان میں سے انتخاب کیا جائے ـ

۱۹۶۷ء میں پاکستان رائٹرز گلڈ نے یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کے مالی تعاون سے بیس ہزار روپے سالانہ کا ایک ادبی انعام قائم کرایا جو صرف بچوں کے لیے شائع ہونے والے ادب سے متعلق تھا ۔ انعام تو جاری رہا مگر مقابلے کے لیے کتابیں کسی قابل ذکر تعداد میں نہیں آتی تھیں ۔

چند برس سے بچوں کے لیے اچھی کتابوں کی مانگ بھی بڑھی ہے اور تصانیف بھی ۔ ایسی کتابوں کی ضرورت اردو اور دوسری پاکستانی زبانوں میں زیادہ ہے،کیوں کہ چھوٹی عمر کے سبھی پاکستانی بچے نہ تو لازماً انگریزی پڑھتے ہیں نہ ان کے سرپرستوں میں انگریزی کی مہنگی کتابیں خریدنے کی سکت ہے ۔

بچوں کی سطح پر قیام پاکستان کے حوالے سے اردو میں ادب بھی کافی نہیں، جب کہ انتہائی ضروری ہے کہ نئی نسل کے ذہن میں شروع سے ہی پاکستان کی کہانی اپنی جگہ بنا لے ۔

ہم بیگم سلمیٰ زمن کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنا مسودہ "پاکستان کی کہانی" انجمن کو اشاعت کے لیے دیا ۔ جب کہ ایسی کتاب تجارتی ناشرین کے ہاتھ میں جاتی تو مصنفہ کو اس سے زیادہ مالی فائدہ ہوتا جو انجمن،اپنے ضوابط اور حالات کے تحت،انھیں وہ بھی فروخت کتاب کے ساتھ ساتھ،کافی عرصے میں پیش کرے ۔

بیگم سلمیٰ زمن نے ایک مدت سرسیڈ گرلز کالج کراچی میں پڑھایا ہے اور اس کی پرنسپل بھی رہی ہیں ۔ انھوں نے جامعہ لندن سے ایم فل بھی" تعلیم " ہی کے موضوع پر کیا تھا اور ملک بھر میں ایک ماہر تعلیم کے طور پر تسلیم کی جاتی ہیں ۔ ایک اتنی تجربہ کار اور فاضل شخصیت کا بچوں کی

اہلیت اور نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آسان زبان اور دل چسپ پیرائے میں پاکستان کی کہانی لکھنا اس امر کی یقین دہانی ہے کہ یہ کتاب ہماری ایک بڑی ضرورت پوری کرے گی ۔ ہماری رائے میں تو مصنفہ نے ایک بڑا قومی فرض بھی ادا کیا ہے ۔

مزید دل چسپی کے لیے کتاب میں چند خاکے بھی شامل کرائے گئے ہیں جس کے لیے ہم جناب شان الحق حقی کے ممنون ہیں ۔

ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی اور ملک بھر کے نصابوں اور ذیلی نصابوں میں جگہ پائے گی ۔

۱۹۸۷ء

چراغ شناسائی

ترجمہ رباعیات فواد

حنیف فوق

پہلا ایڈیشن

پاکستان اور ترکی کے روابط " بہترین " کہے جاتے ہیں مگر شعبہ ادب میں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں ۔
یہ بھی ایک امر حیرت ہے کہ سید سجاد حیدر یلدرم کے بعد پچھلے دو سال پہلے تک کسی اردو ادیب نے ترکی زبان و ادب کو اردو میں روشناس کرانے کے لیے کوئی قابل ذکر کام نہ کیا .... ہماری مطبوعات کے مطابق یا تو ریٹائرڈ کرنل مسعود نے پچھلے دنوں سے اسے اپنا موضوع اختصاص بنایا ہے یا ڈاکٹر حنیف فوق صاحب نے ۔
یوں انجمن نے آزادی سے پہلے "ترکی کی اسلامی خدمات" پر ایک کتاب شائع کی تھی اور آزادی سے قبل ہی خالدہ خانم کا ترجمہ بھی ہوگیا تھا مگر آزادی کے بعد نہ تو انجمن نے نہ کسی اور ادارے نے ترکی ادب پر کوئی قابل جائزہ شائع کیا نہ کسی ایک اہم ترکی ادیب کا کوئی بڑا ترجمہ "آر ۔ سی ۔ ڈی کے نام سے ایک سہ ملکی ادارہ مدتوں قائم رہا جس کے فرائض میں ترکی، ایران اور پاکستان کے مابین ہمہ جہتی روابط کو فروغ دینا تھا مگر ترکی اور پاکستان کے مابین بین اللسانی ترجموں اور دوسری علمی، ادبی سرگرمیوں کو ربط و تسلسل دینے میں یہ ادارہ غالباً منصوبہ بندی میں زیادہ مصروف رہا ۔ بہرحال ....
انجمن نے کئی دوسری زبانوں کا ادب اردو میں ترجمہ کرا کے شائع کیا ہے (ان کتابوں کی ایک طویل

فہرست ہے) ۔ ترکی سے ترجمے کے کئی منصوبے بنے مگر نہ ایسے ترک ملے جو اردو جانتے ہوں اور ہم انھیں جانتے ہوں اور وہ انجمن کے لیے ترکی ادب سے اردو میں ترجمے کردیں نہ ایسے پاکستانی ۔۔۔۔

ڈاکٹر حنیف فوق ترکی میں آٹھ برس استاد اردو رہے ۔ ان کی بیگم ترک ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے ترکی زبان و ادب میں کوئی ڈگری تو حاصل نہیں کی لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ ترکی بڑی روانی کے ساتھ بولتے ہیں ۔ جامعہ انقرہ میں ترکوں کو آٹھ سال اردو پڑھانے کا تجربہ ، ترک احباب ۔۔۔ اور خود اپنی بیگم سے ۔۔۔۔ مشاورت کی سہولت اس امر کی ضامن ہے کہ ڈاکٹر صاحب فواد بایرام اوغلو کی شاعری خوب سمجھتے ہوں گے ۔

راقم اس مکتب تنقید کا بڑا حامی ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں شعر کا ترجمہ اصل کی روح کم از کم بڑی حد تک بدل دیتا ہے ۔۔۔ لیکن بعض بڑی مثالیں اس موقف کے خلاف بھی کہی جاتی ہیں ۔ بہرحال اس وقت یہ بحث مناسب نہیں ۔

ڈاکٹر حنیف فوق نے اپنے مقدمے میں خود فرمادیا ہے کہ انھوں نے تمام ترجمے رباعی کی مروجہ عربی بحر میں نہیں کیے ۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ خود فواد بایرام اوغلو بھی ہر تخلیق کے بارے میں اس مروجہ بحر کے پابند نہیں رہے ۔۔۔۔

ہمارے لیے تین امر خوشی کا باعث ہیں ۔ پہلا یہ کہ ہم ترکی کے ایک نہایت اہم شاعر کے اردو ترجمے پر مشتمل ایک پوری کتاب پیش کررہے ہیں ۔ دوسرا یہ کہ اسے اردو کے ایک ایسے نامور استاد نے کیا ہے جس نے ترکی میں پورے آٹھ سال گزارے ۔۔۔ یعنی اصل مفاہیم کی طرف سے کوئی کھٹکا نہیں رہتا جب کہ

اکثر اوقات ، ہمارے ہاں غیر انگریزی زبانوں سے انگریزی کے ذریعے ہونے والے ترجموں میں یہ خدشہ ... بلکہ غالب امکان .... موجود رہتا ہے ...... تیسرا یہ کہ اس کتاب کے بہانے ڈاکٹر حنیف فوق جیسے نقّاد کو وہ خوب صورت اور نہایت ہی بر از معلومات مقدمہ لکھنا پڑا جو اس اشاعت میں شامل ہے ۔ یہ مقدمہ بجائے خود ایک کتاب تاریخ و تنقید ہے .....

اس ترجمے پر تشکر و امتنان کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی گئی ہے کہ جتنا ممکن ہو ترکی کے نثری ادب کو اردو دنیا سے متعارف کرادیں ۔ وہ دونوں ادبی زبانیں جاننے والے معدودے چند پاکستانیوں میں سے ہیں اور ایک مستند تنقید نگار بھی ...... انجمن ان کی نہایت ممنون ہے کہ اس اشاعت کے لیے انھوں نے انجمن سے تعاون کیا مگر اب اردو دنیا ان کے اس اختصاص سے زیادہ استفادے کی حق دار ہوگئی ہے ۔

متن کے بارے میں دانستہ کچھ عرض نہیں کیا گیا .... کیوں کہ وہ بڑے مفصّل (راقم الحروف کی ناچیز رائے میں) مباحث طلب کرتا ہے .... اور یہ فریضہ ناقدین کو ادا کرنا ہے ۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کتاب کا تعارفی جشن انقرہ اور استانبول میں بہت جلد منایا جانا ہے اور ناشرین متن یا مقدمے پر اپنا تبصرہ اتنی جلد تیار نہیں کرسکتے تھے ....

۱۹۸۷ء

ماخذات

احوال شعرا و مشاہیر

جلد سوم

مؤلفہ

سرفراز علی رضوی

پہلا ایڈیشن

سیدؔ سرفراز علی رضوی مرحوم انجمن کے ایک بڑے لائق ، مستند ، کارگزار اور مخلص کارکن تھے ۔ عربی، فارسی اور اردو پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ یکم اگست ۱۹۵۲ء کو انجمن سے وابستہ ہوئے اور اپنی وفات ۲۲ دسمبر ۱۹۸۲ء تک انجمن سے وابستہ رہے۔ سیدؔ سرفراز علی رضوی نے بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کی نگرانی میں انجمن کے دونوں کتب خانوں کا کام سنبھالا اور دونوں کو بڑی محنت اورعرق ریزی سے مرتب کیا ۔ بابائے اردو مرحوم ان کی مستعدی اور کارگزاری سے بہت خوش اور مطمئن تھے ۔ مولوی صاحب یہاں جن پریشانیوں میں گھرے رہتے، ان کا ذکر خود ان کے کتابچے" انجمن کا المیہ" میں موجود ہے ۔ تنظیم نو ہوتے ہوتے ان کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد ہماری درخواست پر سیدؔ صاحب نے " کتب نما " کے عنوان سے کتب خانہ خاص کی کتابوں کی فہرست مرتب کرنی شروع کی ۔ چھبیس ہزار (۲۶۰۰۰) اردو ، فارسی اور عربی کتابوں کی موضوع وار یہ فہرست ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے اور آج محققین کی بڑی رہنمائی کرتی ہے۔ سیدؔ صاحب کو کتابوں اور کتب خانے سے بڑی گہری وابستگی تھی،چناں چہ انھوں نے کتب خانہ خاص کے عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کی فہرستیں بھی مرتب کیں، جو انجمن کی جانب سے شائع ہوچکی ہیں ۔ سیدؔ صاحب نے رسالہ اردو کے مضامین کا اشاریہ بھی تیار کیا تھا۔ یہ بھی انجمن کی طرف سے شائع

ہوچکا ہے ۔ ماخذات کے عنوان سے سیٹھ صاحب نے جو کتابیں مرتب کی تھیں ان کی دو جلدیں شائع ہوچکی ہیں اور یہ تیسری جلد ہے جو اس وقت آپ کے پیش نظر ہے (چار جلدیں مزید اشاعت کے لیے تیار ہیں)۔

سیٹھ صاحب کو علم جفر، نجوم اور رمل سے بھی تھوڑی دل چسپی تھی، چناں چہ انھوں نے ایک کتاب "مستطلات الجفر" کے عنوان سے مرتب کرکے خود ہی شائع کی تھی ۔ اس کے علاوہ سیٹھ صاحب نے جامعہ عثمانیہ کی کتابوں کی فہرست ، فہرست رسائل اور کتب خانہ خاص کی کتابوں کے مصنفین اور عنوانات کے کارڈ بھی تیار کیے تھے جو کتب خانہ میں موجود ہیں۔ انشا اللہ کبھی نہ کبھی یہ بھی افادۂ عام کے لیے شائع ہوں گے۔

سیٹھ صاحب اردو اور انجمن کے ایک بے لوث کارکن تھے ۔ نام و نمود اور مالی فوائد سے بے پروا اپنے کام میں منہمک رہے اور ایسا علمی سرمایہ مرتب کر گئے جو ہمیشہ ان کی یاد دلاتا رہے گا ۔ سیٹھ صاحب کے علمی کارناموں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے جو کام تن تنہا کیا وہ اداروں اور اکیڈیمیوں کے کاموں پر بھاری ہے ۔ انجمن کی بڑی بدنصیبی ہے کہ وہ ایسے مخلص مستعد کارکن سے محروم ہوگئی ۔ اللہ انھیں جنت نصیب کرے ۔ وہ خاموش ،مستقل مزاج اور بڑی محنت کرنے والے بزرگ تھے ۔

پچھلی دو اشاعتوں میں نہ کتابت معیاری ہوسکی نہ کاغذ اچھا لگا لیکن کتابت کی خامیاں کراچی میں عام ہیں ۔ اب بھی اطمینان بخش نہیں لیکن اس مرتبہ کاغذ بہتر لگایا جارہا ہے ۔ ایسی کتابوں کی فروخت کم بہت کم رفتار اور بالکل بے منفعت ہوتی ہے،لیکن ان کی ضرورت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انجمن مالی نقصان اٹھا کر بھی خوش ہے کہ اس نے یہ

سلسلہ جاری رکھا ہے۔

اس پورے سلسلے میں فاضل مرتب مرحوم نے حوالوں میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ بصورت دیگر ان کا کام اور انجمن پر مالی بوجھ ناقابل برداشت حد تک بڑھ جائے گا۔ راقم الحروف کہ ان کا ایک مخلص ممنون و مداح ہے، چپ ہو کر رہ جاتا تھا پھر دیکھا کہ پورا کام انہی خطوط پر ممکن ہو سکتا تھا جو انھوں نے وضع کیے تھے۔ یہی دیکھ لیجیے کہ (جیسے پہلے عرض کیا گیا) اب بھی چار مزید جلدیں اشاعت کے لیے تیار ہیں۔ یہ واضح ہے کہ "ماخذات" جیسے حوالہ جاتی کام امیر مغربی اداروں میں بھی اس پیمانے پر کم ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ اردو دنیا اس سلسلے سے پورا فائدہ اٹھاتی رہے گی۔

۱۹۸۷ء

پاکستانی معاشرہ

جنوبی ایشیا میں اسلام، نسل پرستی اور قیادت

اکبر ایس احمد

پہلا ایڈیشن

ترجموں کے معاملے میں انجمن امہات الکتب کے ترجمے چھاپنے کو ترجیح دیتی رہی ہے۔ دراصل اردو میں امہات الکتب کے ترجمے چھاپنے کا پہلا باقاعدہ منصوبہ انجمن نے ہی بنایا تھا، اس منصوبے پر ۱۹۱۲ء سے کام شروع ہوگیا اور رفتہ رفتہ بہت سی بڑی غیرملکی تصانیف اردو میں آگئیں۔ ان کی تعداد کافی ہے۔ ہم نے بابائے اردو کے بعد بھی وہ سلسلہ جاری رکھا۔ مارکس کی داس کیپٹال (از جناب سیّد محمد تقی) کی پہلی جلد مولوی صاحب کی زندگی میں ہی شائع ہوگئی تھی۔ دوسری جلد ہم نے شائع کی لیکن کتاب مکمل طور پر ترجمہ نہ ہوسکی (اس کا سبب تقی صاحب کی دوسری ذمہ داریاں یا ہمت ہار جانا ہے) پلوٹارک کی کتاب "مشاہیر یونان و روما" میں تمام سوانح نہیں تھے۔ اب ہم نے پچھلی جلدوں میں اضافے کردیے ہیں۔ انطونی قلوپطرہ کا منظوم ترجمہ (جناب شان الحق حقی) شائع ہوا۔ کروچے کی "جمالیات" ڈاکٹر ریاض الحسن مرحوم اطالوی سے براہ راست ترجمہ کررہے تھے کہ انتقال کرگئے۔ (کوئی چارسو صفحوں کا ترجمہ ہوچکا تھا)۔ اب باقی حصّوں کو انگریزی سے لیا جارہا ہے .... آزادی سے قبل انجمن نے جو ترجمے شائع کیے ان کی فہرست درج ذیل ہے :-

۱۔ تاریخ تمدن — سر ہنری طامس
محمد احمد علی کاکوروی (مترجم)

۲۔ تاریخ ملل قدیم — سینولس فرانسیسی
محمود اعظم فہمی (مترجم)

۳۔ فاؤسٹ — گوئٹے
ڈاکٹر عابد حسین (مترجم)

۴۔ تاریخ ادبیات ایران — براؤن
سیّد سجّاد حسین (مترجم)

۵۔ خطبات گارسن دتاسی — گارسن دتاسی
انجمن ترقی اردو (مترجم)

۶۔ ہماری نفسیات — ای ۔ اے ۔ مینڈر
شیدا محمد (مترجم)

۷۔ تاریخ ادبیات ایران — براؤن
در عہد جدید — سیّد وہاج الدین (مترجم)

۸۔ تاریخ ادبیات ایران — براؤن
در عہد مغولاں — سیّد وہاج الدین (مترجم

۹۔ معمار اعظم — ابسن
محمد داؤد رہبر (مترجم)

۱۰۔ گورکیؔ کی آپ بیتی — گورکی
(اوّل، دوم و سوم) ڈاکٹر اخترحسین رائے پوری

۱۱۔ تنقید عقل محض — کانٹ
ڈاکٹر عابد حسین (مترجم)

۱۲۔ بقول زرتشت — نٹشیے
ابوالحسن منصور احمد (مترجم)

۱۳۔ علم الاقوام (جلد اوّل ودوم) — بیرن رالف فیلس
ڈاکٹر عابد حسین (مترجم)

۱۴۔ ایران بہ عہد ساسانیان — آرتھر کرسٹن سین
ڈاکٹر محمد اقبال (مترجم)

۱۵۔ ہماری غذا — رابرٹ میکرلیسن
مبارز الدّین احمد رفعت (مترجم)

۱۶۔ نظریہ تعلیم — جارج کرشنین اسٹائیز
عبدالحمید (مترجم)

۱۷۔ فن شاعری ۔ بوطیقا — ارسطو
عزیز احمد (مترجم)

۱۸۔ پیاری زمین — پرل بک
ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری (مترجم)

۱۹۔ مشاہیر یونان و روما — پلوٹارک
(اول، دوم، سوم) سیّد ہاشمی فرید آبادی (مترجم)

۲۰۔ مکالمات افلاطون — افلاطون
ڈاکٹر عابد حسین (مترجم)

۲۱۔ تہذیب اسلامی — بارتھولڈ
سیّد وزارت علی (مترجم)

۲۲۔ طربیہ خداوندی — دانتے
عزیز احمد (مترجم)

۲۳۔ آدمی اور مشین — اسٹیورٹ چیز
محمد عاقل (مترجم)

۲۴۔ مختصر تاریخ تمدّن — جان ہائی لینڈ
مبارز الدّین احمد رفعت (مترجم)

پاکستان آنے کے بعد انجمن جن حالات سے گزری وہ بابائے اردو کے کتابچے "انجمن کا المیہ" میں درج ہیں انھیں یہاں دہرانا غیرضروری ہے ۔ اتنا خلاصہ کیا جاسکتا ہے کہ اردو کالج (فنون) اور اردو کالج (سائنس) قائم ہوئے، جرائد جاری کیے گئے، قاموس اللغات، امّہات الکتب، دکنیات پر توجہ کا اعادہ ہوا ۔ کتب خانہ خاص جمایا گیا، قاموس الکتب کے منصوبے پر عمل شروع ہوا ۔ کئی منصوبے تھے مگر انجمن کی منتظمہ وقت

میں کچھ ایسے عناصر در آئے تھے اور حکومت میں کچھ ایسی مخالف اردو فضا پیدا ہوگئی تھی کہ مولوی صاحب اپنے مطلوبہ معیار اور رفتار کے ساتھ کام آگے نہ بڑھا سکے۔

پھر ان ہی کی صدارت میں انجمن واپس ملی (۱۹۵۹ء)۔ تنظیم نو شروع ہوئی ۔ اسی دوران میں ان کا انتقال ہوگیا (۱۹۶۱ء)۔ان کے بعد سے راقم الحروف به حیثیت معتمد اعزازی تین صدور دیکھ چکا ہے ۔ جناب اختر حسین مرحوم (۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۳ء) ، قدرت اللہ شہاب مرحوم (۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۶ء) اور اب خدا سلامت رکھے جناب نور الحسن جعفری صاحب کو ۔

ان چھتیس برس میں انجمن بڑی مشکلات سے گزری ، بڑی محدودات میں مبتلا رہی مگر بعض بڑے بڑے کام بھی کرگئی ۔ تعلیمی (تدریسی) سطح پر بھی اور علمی سطح پر بھی ۔ اقامتی اردو یونیورسٹی کو منزل بناکر چوبیس ایکڑ کے ایک قطعہ زمین میں اردو سائنس کالج کی تعمیر (وہ ۱۹۷۲ء میں تعلیم کے ساتھ قومیا لیا گیا) ۔ قاموس الکتب کی مزید چار جلدوں کی تدوین و اشاعت ، بعض نہایت اہم دکنی اور پاکستانی ماخذات کی اشاعت ، انگلش اردو ڈکشنری کے تین نئے ایڈیشن ، اردو۔انگریزی ڈکشنری کی تکمیل اور دو ایڈیشن ، پاکستانی (علاقائی) زبانوں کے تراجم .... یہ ایک پوری کہانی ہے ۔ شاید کبھی مرتب ہو ۔ اسی زمانے میں مندرجہ ذیل امہات الکتب کے ترجمے بھی شائع کیے گئے :۔

تاریخ ملت عربی (اول) — فلپ ہٹی
سیّد ہاشمی فرید آبادی (مترجم)

مختصر تاریخ تمدن — جان ہائی لینڈ
مبارز الدین احمد رفعت (مترجم)

مہ و انجم　　　　مارٹن ڈیوس
ثناء الحق صدیقی (مترجم)
داس کیپٹال (اول ـ دوم)　　　　کارل مارکس
سید محمد تقی (مترجم)
فن شاعری، بوطیقا ـ ۱۹۶۱ء ۲ ـ ۱۹۷۶ء　ارسطو
عزیز احمد (مترجم)
فاؤسٹ (منظوم ترجمہ)　　　　گوئٹے
عبدالقیوم خاں باقی (مترجم)
مقالات گارسن دتاسی (اول ۱۹۶۲ء) دتاسی
یوسف حسین خاں ـ عزیز احمد (مترجم)
شمعون مبارز　　　　جان ملٹن
مجنوں گورکھپوری (مترجم)
رومیو جولیٹ　　　　شیکسپیئر
عزیز احمد (مترجم)
مقالات گارسن دتاسی (دوم)　　　　دتاسی
ڈاکٹر حمید اللہ (مترجم)
خطبات گارسن دتاسی (اول)　　　　دتاسی
ڈاکٹر حمید اللہ (مترجم)
انطونی کلوپطرہ　　　　شیکسپیئر
شان الحق حقی (مترجم)
گورکی کی آپ بیتی (اول)　　　　گورکی
ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری (مترجم)
مشاہیر یونان و روما (اول ـ دوم) پلوٹارک
سید ہاشمی فرید آبادی (مترجم)
مشاہیر یونان و روما (تین مزید جلدیں)
ڈاکٹر خان رشید مرحوم (مترجم)

پچھلے دو تین برس سے انجمن کے مالی حالات بہتر ہونے شروع ہوئے تو سوچا کہ چند ایسی کتابوں کے ترجمے بھی شائع کیے جائیں جو پاکستانی ماحول اور مسائل

ہر علمی لحاظ سے معروف ، مستند اور مفید تسلیم کی جاتی ہوں، اب اس سلسلے کی پہلی کتاب "پاکستانی سوسائٹی" از ڈاکٹر اکبر ، ایس ، احمد کا ترجمہ بعنوان "پاکستانی معاشرہ" پیش کیا جارہا ہے ۔

کئی ملکوں میں اپنے معاشرے کے مختلف تجزیے چھپتے رہتے ہیں راقم اس وقت ایک کا حوالہ دینا چاہیے گا ۔ برطانیہ میں ہرچند برس کے وقفے سے ایک کتاب آتی ہے ۔

Anatomy of Great Britain

یہ ایک غیرجانب دارانہ عمرانی دستاویز ہوتی ہے جس میں برطانوی طبقۂ مقتدر کی تمام تہوں،سطحوں، طبقوں اور معاشی تقسیم کا خاصا گہرا تجزیہ ہوتا ہے راقم ۱۹۸۲ء میں دہلی گیا تو انگریزی کتابوں کی ایک دکان سے گزرا ، وہاں بھی اسی موضوع پر کوئی پچاس جلدوں پر مشتمل ایک ایسا ہی سلسلۂ کتب ملا تھا ۔ اس وقت جیب میں اتنے دام نہ تھے کہ خرید لاتا ۔ سچ یہ ہے کہ ابھی ہم اپنے ہی معاشرے کے قرار واقعی تجزیاتی مطالعہ سے محروم ہیں ۔ ہندوستانی معاشرے کی بھول بھلیوں میں گھومنے کا دماغ کہاں سے لائیں ۔

پاکستانی معاشرہ کیا ہے، ہر شخص لمحہ بھر میں ایک فقرے پر مشتمل اپنی حتمی رائے دے سکتا ہے اور اسے اس کا حق ہے لیکن ساتھ ساتھ پاکستانی معاشرے کا حق بھی ہے کہ ہر پاکستانی شہری سے ... کم از کم ایسے ہر شہری سے جسے اللہ نے گھومنے پھرنے،دیکھنے پڑھنے اور سوچنے کی آسائش مہیّا کردی ہے .... اپنے آپ کو سمجھنے کا مطالبہ کرے ۔

سب سے پہلے راقم اقرار کرتا ہے کہ پاکستانی معاشرے کے بارے میں اتنی مشاہداتی معلومات بھی نہیں رکھتا جو اس کے لیے ضروری ہیں ۔ فیثاغورث سے

ژاں پال سارتر اور برٹرنڈرسل تک نہ جانے کتنا مغرب اور مہاتما بدھ، لاوزے، کنفیوشس ، اسرائیلی ادب اور ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک نہ جانے کتنا لٹریچر پڑھنے کی کوشش کی ہے مگر بقول صدر ایوب مرحوم ، "کتاب پاکستان" بہت کم پڑھ پایا ہے ۔ سچ کہ ایک ملازمت پیشہ آدمی اپنے خرچ پر پورے پاکستان میں اچھی طرح گھوم پھر کر سب کچھ نہیں دیکھ سکتا لیکن کچھ نہ کچھ تو دیکھ ہی سکتا ہے ۔ ہم میں سے چند لوگوں نے کچھ نہ کچھ ضرور دیکھا ہے مگر اتنا نہیں جتنا دیکھ سکتے تھے ۔ سو ایسے لٹریچر کی سخت کمی ہے جو محض سیاحانہ یا صحافیانہ رپورتاژ اور رپورٹنگ پر ہی مشتمل نہ ہو بلکہ جس میں مختلف علاقوں کے معاشرے کا علمی یعنی انسانیاتی Anthropological عمرانی Social اور تاریخی مشاہدہ مطالعہ جمع کیا گیا ہو ۔ کچھ پرانے کچھ نئے معیشتی اعدادوشمار بڑی حد تک دستیاب ہوجاتے ہوں ۔ تاریخ پر بھی کچھ اوپری سا مواد موجود ہو (گو مشکل سے ملتا ہے) مگر جسے انگریزی میں عالمانہ مطالعہ وتحقیق Scholary Work کہتے ہیں وہ ہمارے ہاں بعض جامعات یا مخصوص اداروں میں تصنیف و مدوّن ہوگا بھی تو تاحال کتابی صورت میں بہت کم نظر آتا ہے ۔

جب راقم کا یہ حال ہے تو آگے حد ادب ہے۔ اتنا کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ہم مجموعی طور پر "پاکستانی سوسائٹی" کی اوپری سطح سے تو کسی قدر واقف ہوسکے ہیں مگر اس کی تہوں، جزئیات اورتاریخیات یعنی اپنی قومی کیمسٹری پرمستند معلومات سے محروم چلے آتے ہیں ۔ ہمارے نادرست اندازوں ، نادرست فیصلوں اور متضاد اقدامات کی ایک بڑی وجہ یہ محرومی بھی ہے ۔

آسان تر زبان میں ایک مثال لیجیے - ہمیں بعض کیمیائی اجزا کے خواص معلوم نہیں۔ ہم سنی سنائی باتوں یا اپنی غیرضروری خود اعتمادی کی وجہ سے ایک دراصل تیزابی لیکن تیزاب نظر نہ آنے والا کیمیائی عنصر کوکوئی خوشبو سمجھ کر اپنے کپڑوں یا چہرے پر لگالیتے ہیں - اس کا ردعمل اس کے درجۂ اثر کے مطابق تیز یا آہستہ آہستہ نقصان دہ ہی ثابت ہوگا - ایک اور سامنے کی مثال - ایک بچّہ ایک عمر تک آگ کے خواص نہیں جانتا - تاربرقی کی خاصیت نہیں سمجھتا وہ اسے ہاتھ لگاتا ہے اور سخت تکلیف اٹھاتا ہے - .... افسوس کہ "ہم" ایسے مطلوبہ مشاہدوں اور مطالعوں کی کمی یا ضرورت محسوس نہیں کرتے -

اس عالم میں اس کتاب کا ترجمہ اور بھی ضروری ہوگیا تھا جس میں پاکستانی معاشرے کے چندشعبوں پر گہرے مشاہدے اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے -

اس کتاب کے ناشر آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ، (کراچی، دہلی، آکسفورڈ، نیویارک) ہیں - صفحات بشمول اشاریہ چار سو انیس ، مجلّد قیمت ۱۲۰ روپیے - اس کا پورا نام یہ ہے :

Pakistan Society, Islam
Ethnicity
and
Leadership
in
South Asia

ڈاکٹر احمد ایک فاضل، اہل نظر، محنتی ، فرزند پاکستان ہیں - پاکستان اور کیمبرج میں اعلیٰ تعلیمی مدارج طے کرنے کے بعد وہ جامعہ لندن کے ادارہ مطالعات ایشیا و افریقہ سے منسلک ہوئے جہاں انھوں نے انسانیات Anthropology (فارسی ترجمہ

انسان شناسی) میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔ ان کی کئی تصانیف ہیں (اتفاق اور ہماری کم قسمتی کہ سب کی سب انگریزی میں ہیں کوئی ترجمہ بھی نہیں غالباً اس لیے کہ یہاں پاکستانی زبانوں میں ایسی کتابوں کی "مارکیٹ" نہیں ہے) اس کے پیش نظر کتاب "پاکستانی سوسائٹی" کے پشتنی ورق پر ان کے متعلق (پچھلی تصنیفات کے حوالے سے) بعض معروف مغربی مبصّروں کی جو آرا چھپی ہیں انھیں پڑھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے ۔ اہم ترین مڈل ایسٹ جرنل، واشنگٹن ڈی۔ سی کے مدیر جناب ڈی ۔ ہارٹ کا ایک فقرہ لکھا ہے جس کا (سادہ) ترجمہ یہ ہے :

"ممکن ہے کہ احمد ابن خلدون کے بعد سب سے پہلے مسلمان عمرانی ماہر انسانیات نہ ہوں مگر وہ یقیناً سب سے زیادہ زرخیزوں، بار آوروں، سیرحاصلوں Productive میں سے ایک ہیں "

اور تو اور ہمارے ہمسائے کے مشہور روزنامے "ہندوستان ٹائمز" کے تبصرہ نویس نے ان کے لیے Brilliant (تابدار، طباع، ممتاز) کا لفظ استعمال کیا ہے ۔

کہا جاسکتا ہے کہ زیرنظر کتاب کے مندرجات اس کے اتنے بڑے عنوان " پاکستانی سوسائٹی " کے تمام تقاضوں کا احاطہ نہیں کرتے کیوں کہ پاکستانی معاشرہ بڑی پرانی اور نئی تاریخ رکھنے اور بنانے والوں ، مختلف اللسان، مختلف الطبائع، مختلف معاشی سطحوں پر مشتمل طبقاتی کشمکش میں مبتلا ، ایک قومیت کا تشخص اختیار کرنے والی ایک بہت بڑی آبادی ہے جس کے گہرے اور سیرحاصل مطالعے کے لیے کئی کئی سو صفحے کی کئی جلدیں ضروری ہیں لیکن یہ محض ایک ایسا احساس ہے جو دوسروں کے کام سے کاملیت Perfection کی توقع

کا دوسرا نام بھی ہوسکتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ انگریزی کے یہ دو سو چونسٹھ صفحے، کئی اہم عناصر مثلاً طبقاتی جدّوجہد اور لسانی دوریوں اور قربتوں کے تجزیے نہ ہونے کے باوجود "انسانیات" اور عمرانیات کے نقطۂ نظر سے اپنی ہر سطر کے لفظ لفظ میں محنت، دقّتِ نظر اور صحیح معنی میں اسکالرشپ کی کڑی شرائط پر پورے اترتے ہیں۔ مصنف پر اللہ کی چھ خاص عنایتیں ظاہر ہیں:
(۱) بہت اچھی ابتدائی تعلیم کی سہولت (۲) اعلیٰ تعلیم کے مواقع (۳) تیزنظری (۴) بعض تعیناتیوں کی وجہ سے کئی علاقوں کا ذاتی یعنی مشاہداتی اور تجزیاتی مطالعہ (۵) ترتیب انتخاب وتجزیہ کی اہلیت اور (۶) قوّتِ اظہار۔

کتاب تین ابواب اور پندرہ ذیلی موضوعات پر مشتمل ہے۔ دراصل یہ ساختہ مطالعات STRUCTURED STUDY کے مقالات ہیں اور مشرق ومغرب کے جرائد اور کتابوں میں چھپ چکے ہیں (جن کا حوالہ مقدمے میں بالتفصیل دے دیا گیا ہے) ان میں مختلف نمونوں (واقعات، رجحانات، صورت حال) کے تجزیاتی مطالعے Case Studies شامل ہیں اور مصنف کے حیرت انگیز مشاہدات پر مبنی بعض استنباط بھی۔ فہرست کے ابواب اور ذیلی عنوانات سے اگر انھیں پورے غور سے دیکھ ہی لیا جائے تو کتاب کی اہمیت کا کسی قدر اندازہ ہوجائے گا۔

سچ کہ ڈاکٹر احمد اتنی تحقیق و بیان کے باوجود اپنے "فیصلے" دینے سے گریز بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سے اتفاق یا اختلاف کی گنجائش بھی ہے مگر! سینتیس سطر فی صفحہ اوسط کی اصل کتاب جس میں چارسو انیس صفحے ہوں، کافی اعدادوشمار، بہت سے واقعات، بہت سی تفصیلات، نہایت فاضلانہ تجزیاتی مطالعے اورتجزیاتی خلاصے، نقشے، چارٹ، اشاریوں میں کتابوں،

شخصیات اور ملفوظات کے حوالے،سادہ ترین الفاظ میں ایک بڑا کارنامہ ۔ اس سب کا خلاصہ مفاہیم بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں آخری صفحے پر مصنف نے ایک بڑا بلیغ جملہ تخلیق کردیا ہے وہ غالباً ان کی تحقیقی غیرجانب داری کے باوجود ایک بڑا خوب صورت پیرایۂ اظہار بھی ہے اور راقم جیسے کم علم، مگر خوش تمنا کروڑوں پاکستانیوں کو ایک مسلسل فکروجستجو کی دعوت بھی ۔ یاد رہے کہ آخری باب کا عنوان ہے "کیا پاکستان جاپان بن سکتا ہے" اور مصنف اس کتاب کا یہ مقالہ اس جملے پر ختم کرتے ہیں :

"چناں چہ ہم اپنے سوال کو دوسرے الفاظ میں مرتب کریں گے ۔ سوال تھا کہ کیا پاکستان جاپان بن سکتا ہے ۔ ہمارا بدلا ہوا جائز سوال یہ ہوگا کیا پاکستان،پاکستان بن سکتا ہے"۔

ڈاکٹر صاحب کی احتیاط اپنی جگہ ،راقم کا عقیدہ ہے کہ اس سوال کا امکانی جواب اثبات میں ہے ۔ یعنی یہ ممکن ہے، یعنی "ہم" اسے ممکن بناسکتے ہیں۔ اس ضمن میں اگر مگر کی بہت گنجائش سہی، امکان یقیناً واضح ہے ۔

ڈاکٹر اکبر ۔ ایس۔ احمد کو ان کے دوسرے کارناموں پر بین الاقوامی تحسین و آفرین تو، ان شاء اللہ بہت مل چکی ہے اور ملتی رہے گی،ہم سمجھتے ہیں کہ وقت آگیا ہے کہ قوم کے خواندہ افراد بھی ان سے استفادہ کریں ۔ یوں تو انھیں ۱۹۸۲ء میں ایک سرکاری اعزاز تمغۂ پاکستان مل چکا ہے لیکن ان کی محنت ہمارے لیے اس وقت پھل لائے گی جب ہم اس کی معلومات ، مشاہدات اور تجزیوں سے اپنے فکری اور نتیجتاً عملی رویّوں کو

نہایت قیمتی خام مواد سمجھ کر استعمال کریں ۔

ڈاکٹر احمد کی دو اور کتابیں ہیں جنھیں انگریزی داں طبقوں میں سنجیدہ اختلافات کے باوجود بڑی اہمیت دی جارہی ہے(اور ایسی تصنیفات سے مکمل اتفاق ایک علمی روایت بھی نہیں ہوسکتی) یہ ہیں :

Religion and Politics
in Muslim Society
Order and Conflict in Pakistan

ناشر
Cambridge University Press
Cambridge(1983)

اور تازہ ترین
Discovering
Islam
Making Sense of Muslim
History and Society

ناشر
Routledge and Kegan Paul
London(1988)

ممکن ہے کہ آئندہ انجمن ان کی کتابوں کے ترجمہ و اشاعت کو بھی اپنے منصوبوں میں شامل کرلے ۔

بہرحال، پاکستانی عمرانیات و انسانیات کے باب میں زیرنظر ترجمہ جسے جناب طارق محمودنے بڑی کاوش کے ساتھ کیا ہے اردو زبان کے ذخیرےمیں ایک بہت بڑا اضافہ ہے جسے انجمن ترقی اردو پاکستان فاضل مصنّف اور مترجم صاحبان کے شکریے کے ساتھ اردوقارئین کی خدمت میں پیش کررہی ہے ۔

یقین ہے کہ اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے پاکستانی اور غیر پاکستانی اس اشاعت کی واقعی قدر افزائی کریں گے ۔

۱۹۸۸ء

ابنِ انشاء
احوال و آثار

ڈاکٹر ریاض احمد ریاض

پہلا ایڈیشن

گیارہ جنوری ۱۹۸۸ء کو ابن انشا کے انتقال کے دس برس پورے ہوتے ہیں ـ انشا اللہ یہ کتاب ۱۹۸۸ء میں ہی چھپ کر بازار میں آجائے گی ـ

اس عظیم الشان کارنامے کا تمام کریڈٹ مصنف مقالہ پروفیسر (اب ڈاکٹر) ریاض احمد ریاض کو جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے پی۔ایچ۔ ڈی کے لیے یہ موضوع انتخاب کر کے اس پر اتنی محنت نہ کرتے تو نہ جانے لب ساقی پر صلا اور کتنے دن رہتی ..... ہمارے کیسے کیسے مشاہیر کتنے بڑے بڑے کام کرکے تمام ہوئے مگر اب تک ان پر کام کرنے والے نظر نہیں آتے ـ سچ کہ راقم الحروف نے ڈاکٹر ریاض سے ابتدا میں وعدہ کرلیا تھا کہ ان کا مقالہ انجمن چھاپے گی، یہ بھی ہے کہ پی ـ ایچ ـ ڈی کے بعد اساتذہ کے امکانات مستقبل کسی حد تک روشن ہوجاتے ہیں لیکن انتخاب موضوع کا سہرا تو سراسر ان کے سر ہی بندھے گا ـ

انجمن کی کتابوں پر راقم الحروف کا حرفے چند عموماً (مستثنیات چھوڑکر) ایک رسم تعارف پوری کرتا ہے۔ کوئی سیر حاصل گفتگو یا کتاب پر تبصرہ نہیں ہوتا ... لیکن انجمن سے ابن انشا کا گہرا تعلق اور اس کتاب کے چند مقامات متقاضی ہیں کہ اس "حرفے چند" میں کچھ گزارشات کے علاوہ متن کے چند مندرجات پرضروری اضافہ کردیا جائے ـ اس کا ادبی مقام تو ایک بہت بڑا اور علیحدہ موضوع ہے جس پر مسلسل لکھاگیا اورلکھاجائےگا۔ اس پر تبصرہ نہ راقم الحروف کا منصب ہے نہ یہاں اتنی گنجائش لیکن احوال کے باب میں چند در چند

اندراجات تشنہ لگے ۔ کئی بیانات ابن انشا کے بعض دوستوں سے گفتگو یعنی ان کے علم سینہ پر مبنی ہیں۔ راقم الحروف بھی اس کے ایک خاصے پرانے۰۰۰۰۰ مدّت پچیس سال۰۰۰ دوست اور عملی ساتھی کی حیثیت سے کچھ علم سینہ رکھتا ہے ۔ اتفاق یا کوئی وجہ (شاید راقم الحروف کی کوتاہی بھی) کہ پروفیسر ریاض احمد نے راقم الحروف کا کوئی انٹرویو ریکارڈ نہیں کیا۔ انھوں نے اس کے خطوط ضرور مانگے تھے مگر وہ پیش نہیں کیے جاسکے۔ دو وجہ سے: اول تو اس وقت تک مجھے خطوط جمع کرنے کی عادت ۰۰۰ اور ضرورت ۰۰ نہیں تھی ۰۰۰ دوم: جو خطوط رہ گئے وہ نہایت ہی نجی قسم کے، بے تکلفانہ اور اس نوعیت کے ہیں جن کی اشاعت ابھی کچھ عرصہ اور مناسب نہیں (کچھ میں راقم الحروف کی تعریف کا پہلو بھی نکلتا ہے جب کہ حساب دوستاں در دل۰۰۰ واضح ہو کہ خطوط قدرت اللّٰہ شہاب نے بھی نہیں دیے)۔ پروفیسر صاحب نے موجودہ بیگم انشا سے ملاقات کی سہولت بھی طلب کی تھی سو میری بیوی نے انھیں بیگم انشا (مقیم کراچی) سے ملا دیا ۰۰۰۰

علم سینہ انھیں زیادہ تر ابن انشا کے ان دوستوں سے حاصل ہوا جو اس کے لڑکپن یا قیام لاہور کے ساتھی اور مکتوب الیہ تھے۔ جب کہ اس نے معروف حیثیت سے کراچی میں پچیس برس کے قریب گزارے، بہت سے مدّاح اور دوست بنائے اور ان سے کافی معاملے پیش آئے ۔ ان کے پاس اس کے "احوال" سے متعلق کافی معلومات جمع ہیں جو امید ہے کہ پروفیسر ریاض یا کوئی اور دوست آئندہ جمع کرکے عام کردیں گے ۔ راقم اپنے علم سینہ کی بنا پر جو اضافے یا وضاحتیں کرنے والا ہے ان کی اہمیت خود اندراجات سے ظاہر ہوجائے گی ۔ اگر خدانخواستہ کہیں کسی محترم دوست کے کسی بیان کی تردید ہوجائے

تو قاری دونوں بیانات اور معاملاتی تجزیے کے ذریعے خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ کونسی بات زیادہ قرین قیاس ہے یہ ایک اہم ادیب کی سوانح عمری ہے جس نے ایک خاصی پیچیدہ اور آزمائشوں سے بھرپور عملی زندگی بھی گزاری ـ

انجمن ایک طرح ابن انشا کی مقروض تھی (بحمد اللّٰہ یہ قرض آج کسی نہ کسی حد تک ادا ہورہاہے) قرض کیا تھا؟ ہمارے موجودہ معاشرتی تناظر میں کچھ بھی نہیں ـ نہ وہ کبھی انجمن کا اعزازی عہدہ دار رہا، نہ اس نے اس کے لیے کوئی علمی کارنامہ سرانجام دیا، نہ رقوم فراہم کیں ـ مگر، راقم الحروف کے معیار اقدار میں، وہ انجمن کی بہت بڑی خدمت کرگیا ـ یہ کہ اس نے بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کے آخری اور بہت سخت زمانے میں ان سے نہایت مخلصانہ نیازمندی برقرار رکھی اور انہیں انجمن واپس کرانے کا ایک بڑا وسیلہ ثابت ہوا ـ پاکستان بننے کے بعد انجمن رفتہ رفتہ جن مرحلوں سے گزری وہ بابائے اردو کے کتابچے "انجمن کا المیہ" میں درج ہیں ـ یہ ایک بڑی داستان حقائق ہے جس پر آج بھی اعتبار نہیں آتا مگر اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے ہزاروں افراد آج بھی پاکستان بالخصوص کراچی، میں موجود ہیں ـ یہاں وہ داستان دہرانی ضروری نہیں ـ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر بابائے اردو کے آخری وقت میں ان ہی کے زیر نگرانی تنظیم نو شروع نہ کردی جاتی تو دو میں سے ایک بات ضرور پیش آچکی ہوتی .... یا تو یہ ہوتا کہ انجمن ختم ہوجاتی (بہت سے موقر ادارے اپنے بانیوں یا بنیادی کارکنوں کے بعد ختم ہوچکے ہیں) یا، وہ صوبائی/ وفاقی حکومت کی تحویل میں آکر ایک غیرفعال، معمولی سا نیم سرکاری محکمہ بن کر اپنی آزادانہ حیثیت،

وقار اور امکانات کھو دیتی ۔

ابن انشا نے اردو کالج کے حوالے سے بابائے اردو کے ساتھ ایک شاگردانہ تعلق قائم کیا جسے ہر حالت میں برقرار رکھا ۔ وہ ان کا ایک مخلص، خاموش مگر باعمل کارکن ثابت ہوا ۔ جب کا یہ ذکر ہے اس کی کوئی تنظیمی صلاحیت ابھرکر سامنے نہ آئی تھی۔ وہ ایک شرمیلا اور جلد گھبرا جانے والا نوجوان تھا ۔ تنظیمی کاموں سے یوں بھی گریزاں رہتا تھا۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۸ء تک راقم الحروف کو مولوی صاحب اور انجمن کے مسائل ابن انشا کے ذریعے معلوم ہوتے رہتے تھے ۔ راقم الحروف گواہ ہے کہ اپنی احتیاطوں اور رویّوں کے باوجود اس نے مولوی صاحب کے خلاف چلنے والی مہمّات میں قدمے سخنے ان کا ساتھ دیا ۔ ان کے خلاف جو پوسٹر لگتے اس کا جواب لکھ کر راقم الحروف کے واقفوں اور عملے کے ذریعے شہر کے مختلف حصّوں میں چسپاں کراتا ۔ مولوی صاحب کو تسلّیاں دیتا ۔ اس وقت راقم الحروف، دوسرے ہنگاموں میں مصروف مولوی صاحب سے اس طرح متعلق نہیں تھا جیسے بعد میں ہوا ۔ باتیں کرلینا اور بات ہے، کام کرنا اور بات ہے ۔ کام میں بڑے بڑے سخت مقام آتے ہیں ۔

پاکستان رائٹرز گلڈ ۳۱ جنوری ۱۹۵۹ء کو بنا ۔ راقم مرکزی کارکن اور جناب قدرت اللہ شہاب سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے ۔ اس کے بعد ابن انشا کا تعارف شہاب صاحب سے راقم کے ذریعے ہوا ۔ اس وقت وہ گلڈ کا اعزازی خازن نہیں تھا (عبدالعزیز خالد منتخب ہوئے تھے ۔ انھوں نے ۱۹۶۰ء کے وسط میں عہدہ چھوڑ دیا تو ابن انشا مقرر ہوا) لیکن میری دوستی کے سبب وہ میرے ساتھ شہاب صاحب کے پاس آنے جانے لگا اور بہت جلد دونوں میں اس کی طرف سے نیازمندانہ اور ان کی طرف

سے محبتانہ دوستی قائم ہوگئی ۔ مجھے اپنی ملازمت (محکمہ انکم ٹیکس) کے ساتھ ساتھ گلڈ کے تنظیمی مسائل میں بڑی شدید محنت کرنی پڑتی تھی۔ میں نے تو شہاب صاحب کو ضرورت سے زیادہ زحمت نہ دی۔ اس نے انھیں انجمن اور مولوی صاحب کے مسائل میں ہمدردی سے دل چسپی لینے پر مجبور کردیا۔ شہاب صاحب کئی برس سے گورنر جنرل ہاوس (اکتوبر ۱۹۵۸ء سے ایوان صدر) میں تعینات تھے مگر نہ تو گورنر جنرل ہاوس ادبی، ثقافتی معاملات میں مداخلت کرانے کا اختیار رکھتا تھا ۔ (بہرحال ایک پارلیمانی حکومت قائم تھی) نہ شہاب صاحب نے مولوی صاحب اور انجمن میں کوئی خاص ذاتی دل چسپی لی تھی ۔ حالات بدلے، شہاب صاحب میں بھی کچھ نہ کچھ طاقت آئی اور ابن انشا ان سے متعارف ہوا تو وہ اس کے ہمہ وقت اصرار پر اس طرف راغب ہوئے ۔ وفاقی وزارت تعلیم نے انجمن اور متعلقہ کالجوں کے معاملات پر انکوائری بٹھادی ۔ صدر ایوب کی ذاتی توجہ مبذول کرائی گئی ۔

انجمن کے پرانے اراکین منتظمہ میں سے بیشتر انتقال کرچکے تھے ۔ چند بوڑھے اور غیر فعال، ایک دو مولوی صاحب سے شدید اختلاف کے حامل .... چناں چہ صدر ایوب نے وہ پرانی، برائے نام، منتظمہ توڑ دی اور ایک دستوری کمیٹی بناکر مولوی صاحب کو صدر و نگران نامزد کردیا ۔ ہم چاہتے تھے کہ ابن انشا اس میں نامزد ہوجائے مگر وہ اپنے بقول "جھگڑوں" سے گھبراتا تھا ۔ اس کمیٹی میں کئی اراکین بلحاظ عہدہ نامزد ہوئے (کمشنر کراچی، مارشل لا ایڈمنسٹریٹر، نمایندہ وزارت خزانہ، کمشنر کراچی کے سیکرٹری، وزارت تعلیم کا نمایندہ وغیرہ) اور مولوی صاحب کے ایما پر ڈاکٹر ریاض الحسن مرحوم اور راقم الحروف غیر سرکاری .....

آگے انجمن کی کہانی ہے ۔ بہرحال مولوی صاحب کو ان کی محبت واپس دلانے میں ابن انشا کا یہ کردار راقم کی رائے میں اس کا انجمن پر ایک احسان تھا ۔اس کے بعد کریڈٹ شہاب صاحب اور ان کے بعد صدر ایوب مرحوم کو جاتا ہے ....(میں ایوان صدر میں ڈیپوٹیشن پر یکم اکتوبر ۱۹۵۹ء سے گیا ۔ یہ کارروائی پہلے ہوچکی تھی ۔ صرف حتمی احکام بارہ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو آئے تھے جو گزٹ میں موجودہ ہیں)۔

یقیناً ابن انشا اردو ادب میں اپنے مقام اور متنوع زندگی کی وجہ سے ایک ہی نہیں کئی سیرحاصل مقالوں (کتابوں) کا مستحق ہے ۔ اس کتاب کی اشاعت سے انجمن کا ایک ادبی مقصد بھی پورا ہوتا ہے لیکن خود دیکھ لیجیے کہ اس اشاعت کی ضخامت کیا ہے ۔ انجمن کے مالی حالات نسبتاً بہتر سہی، اس اکیلی کتاب پر ایک لاکھ سے زیادہ لاگت آرہی ہے جب کہ بازار میں ایسی سنجیدہ کتابوں کی تجارتی افادیت کا حال سب کو معلوم ہے.....

انجمن پروفیسر ریاض احمد ریاض (اب ڈاکٹر ریاض) کی ممنون ہے کہ انھوں نے ابن انشا پر کام کیا اور یہ مقالہ اشاعت کے لیے انجمن کو سونپ دیا ۔ وہ مرحوم سے ذاتی طور پر کوئی معاملاتی تعلق نہ رکھتے تھے کسی طرح اس کے زیر بار نہ تھے ....اور آج کل کوئی زیر بار بھی کب اپنا بار کم کرتا ہے .... بلکہ ہمارے یہاں تو ایسی مثالیں عام ہیں کہ کسی ادیب کے زیر بار ہونے والے کچھ ادیب ، مشاہیر تک ،غالباً اپنی نفسیاتی الجھنوں کے سبب اپنے محسن کے لیے بدخواہی کے آخری حدود سے بھی آگے نکل جاتے ہیں ... مکرر۔ ڈاکٹر ریاض احمد ریاض انجمن کی طرف سے ادب دوستوں کی طرف سے بھی مبارک باد کے مستحق ہیں ۔ انتخاب موضوع پر، محنت پر،صبر پر (کہ مقالہ کسی قدر تاخیر سے چھپ رہا

ہے اور اس امر کی اپنی وجوہ تھیں ۔ یہ الگ بات کہ اتنے ضخیم مسودات اشاعتی اداروں میں برسوں پڑے رہتے ہیں) ہمیں مشورہ دیا گیا کہ مقالے کو اشاعت سے پہلے ان ہی کے ہاتھوں ایڈٹ کرالیا جائے ورنہ بعض ضمیمے ہی نہیں بیانات بھی ضخامت کو غیر ضروری حد تک بڑا اور مہنگا کردیں گے لیکن ہم نے ابن انشا کے انجمن سے خصوصی تعلق اور ڈاکٹر صاحب کا اتنی محبت و محنت سے لکھا ہوا یہ اہم کام کسی ترمیم کے بغیر ہی شائع کرنا مناسب سمجھا ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ تاریخ انھیں ان کا انعام ضرور پیش کرے گی۔ ہم انھیں صرف تحفۂ تشکر اور فروخت پر مقررہ رائلٹی پیش کرسکتے ہیں ۔ (اس تالیف کے سلسلے میں ہونے والے تمام اخراجات سفر و قیام خود انھوں نے برداشت کیے ہیں) ۔

اب کچھ اس کے "احوال" سے متعلق چند مندرجات کے بارے میں :

احوال بہت پھیلا ہوا ہے اور جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا ابن انشا کے خاصے حالات اس کے پرانے دوستوں کے بیانات پر مشتمل ہیں، اتفاق یا کوئی وجہ جو مجھے معلوم نہیں(اور یقیناً بڑی کوتاہی بھی کنہ میں ازخود انھیں بہت کچھ بتاسکتا تھا مگر منتظر رہا)۔ ڈاکٹر ریاض نے مجھ سے کئی ملاقاتوں کے باوجود ابن انشا کے احوال پر کوئی انٹرویو نہیں لیا اس لیے کئی مقامات پر تشنگی بھی رہ گئی اور اس کے کام آنے والی کئی ایسی اہم شخصیات کا ذکر بھی نہیں آسکا جو اس پھیلاؤ کے مقالے میں جہاں ہر مرحلے اور ہر شخصیت کا ذکر آیا ہے ضروری تھا (ابتدائیہ کے صفحہ نمبر ۱۷ اور احوال میں صفحہ نمبر ۲۶۲ پر مجھ عاجز کا اتنا حوالہ ضرور ہے کہ میں ان حضرات میں شامل تھا جنھوں نے مقالے کے لیے کچھ مواد فراہم کیا۔ نوادر! میں نے

کوئی بھی نوادر پیش نہیں کیے تھے) یہ کہ میں نے اس کے انتقال پر ذاتی تاثرات بیان کیے (جب کہ میں نے بار بار اپنے اظہار یوں میں ہی سہی۔ اس کی جدائی پر لکھا ہے) اور یہ کہ میں اس کی بیماری پر اس کے ساتھ شفا ہسپتال گیا اور جنازہ وصول کرنے والوں میں شامل تھا ۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں اس کے دوستوں میں سے ہوں ۔ یہ بھی کہ میں نے اس مقالے میں دل چسپی لی ہے اور بس!

اس وقت میں ابن انشا سے اپنی پچیس سالہ دوستی کی تفصیل بتانی ضروری نہیں سمجھتا ۔ وہ کہانی کبھی میرے اپنے مقالے میں آئے گی ۔ اس کے جتنے معاملے میرے ساتھ پڑے شہاب صاحب سمیت کسی کے ساتھ نہیں پڑے سیکڑوں نازک وقت ،عجیب عجیب داستانیں مگر وہ اور مقامات ہیں ۔ جیسا کہ عرض کیا فی الوقت ایک گہرے واقف کی حیثیت سے متن کے "احوال" میں صرف چند اضافے کرنے ہیں ۔

<u>خودکشی :</u> اس نے خودکشی کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی ۔ میں اس قصّے سے واقف ہوں ۔ ان خاتون سے بھی واقف ہوں جو اپنے شوہر کے ساتھ مل کر اسے بیوقوف بناتی تھیں ۔ وہ سب اچھے،سچّے،شعرا کی طرح ایک سخت جذباتی آدمی تھا ۔ کئی لحاظ سے اس وقت تک بھولا بھی۔ ان کے "عشق" میں بہت غم زدہ رہتا تھا ۔ دوستوں سے خودکشی پر اس طرح گفتگو کرتا گویا خودکشی کرنے ہی والا ہے۔ دو تین بار مجھے سینڈزپٹ اور کیماڑی (سمندری علاقے) لے جاکر مقامات بھی دکھائے کہ یہاں سے کودوں گا ۔ ایک مرتبہ کئی روز ایک STALE زہر کی شیشی لیے پھرا۔ (وہ ہم دونوں کی جوانی کا زمانہ تھا) ۔ مجھے بھی ڈر رہتا تھا کہ یہ خودکشی نہ کرلے مگر اس وقت ہم دونوں بعد کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ کافی

قت گزارنے والے ساتھی نہیں تھے ۔ بالکل یک جانی
کلڈ کے قیام سے شروع ہوئی ۔ البتہ ہم پہلے بھی اکثر
ملتے اور اس حد تک راز کی باتیں بھی کرلیتے تھے ۔
کچھ معاملات بھی پیش آتے تھے۔ بعد میں جب ہم تقریباً
روز ملنے لگے اور سفروقیام بھی کرتے تھے میں وہ دن
یاد دلاکر چھیڑتا تھا ۔ وہ کہتا تھا میں سچ مچ
خودکشی کرنے والا تھا ۔
برسبیل تذکرہ: جب وہ مشہور اور آسودہ حال ہوگیا تو
وہ خاتون جو اپنے شوہر کی تعیناتی پرکراچی سے باہر
چلی گئی تھیں اس پر کھل کر مہربان ہوگئیں ۔ نیشنل
بک سینٹر میں ملازمت کے بعد اسے سفر کی سہولت حاصل
ہوگئی تھی ۔ وہ ہر مرتبہ ان کے گھر جاکر ملتا اور
پھر وہ اس سے ملنے آتیں ۔ کئی بار میری موجودگی میں
بھی ۔ میں نے انھیں کوئی خاص خاتون نہ پایا ۔ بس ،
کیا جانیے اس نے انھیں کس آن میں دیکھا ۔
۱۹۶۲ء آتے آتے وہ دیگر مداح خواتین کے رابطے
شوق سے قبول کرنے لگا تھا ۔ دوسری شادی تک اس کی
جذباتی زندگی خاصی دل چسپ اور آسودہ گزری (یہ الگ
بات کہ کسی کو اپنا آئیڈیل نہیں ملتا) رفتہ رفتہ
"جنگ" میں اتنا خوب صورت کالم چھپنے کی وجہ سے بہت
سی خواتین روز اس سے ملنے آنے لگی تھیں ..... آگے
کئی حدود ادب ہیں ... ایک بار ایک شادی شدہ خاتون
سے شادی پر بھی سوچا ۔ میں نے روکا ۔ نہیں مانتا
تھا ۔ میں نے تحقیق کرکے ثابت کیا (خود ان خاتون کی
زبانی بھی) کہ وہ اس سے پہلے کچھ دوسروں سے بھی
گہرا ربط رکھ چکی تھیں ۔ وہ زبانی تو بڑا آزادخیال
بنتا تھا ۔ یہ حالات معلوم ہوتے ہی سرد پڑگیا ۔ کہا
بھائی میں دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گا ...ایک مرتبہ
ایک غیرشادی شدہ خاتون سے شادی کا محکم مگر جھوٹا

وعدہ کیا ۔ وہ کم رُو تھیں ۔ یہ کنواری، خوب صورت ، شریف ، متین، ہزاروں خوبیوں سے متصف بیوی چاہتے تھے شادی نہ کی (ان خاتون نے آج تک شادی نہ کی)۔ ابن انشا کی دوسری بیگم ایک بہت قبول صورت ،شریف الطبع ،کم گو ایک اعلیٰ درجے کی شخصیت ہیں ۔ اس پر اپنی پہلی شادی کے نفسیاتی اثرات کچھ ایسے پیچیدہ تھے کہ ذکر آتے ہی اس کا رنگ سیاہ پڑجاتا تھا ۔ میں یہ دعوے نہیں کرسکتا کہ اس نے مجھے اپنی نجی زندگی کے تمام ماضی و حال پر اعتماد میں لے رکھا تھا ۔ نہیں ۔ کچھ بتانا نہ بتانا اسی کا فیصلہ ہوتا تھا۔ شاید دوسرے احباب بھی اس سے زیادہ ادعا نہیں رکھتے ..... مدتوں مجھ سے اپنی پہلی اولاد کو نہیں ملوایا۔ لڑکی کی شادی میں لاہور نہیں لے گیا ۔ بڑے بیٹے عبدالستار خاں کو اس وقت ملوایا جب وہ بہتر ملازمت کی تلاش کررہا تھا اور میں اس پوزیشن میں کہ کچھ مدد کرسکوں (عبدالستار ایک قابل، مستعد ،نیک جوان ہے ۔ نیشنل بنک میں جمیل نشتر مرحوم نے بطور افسر تقرر کردیا۔ ترقیاں پائیں ۔ اب ہمارے شراکت دار بنک الجزیرہ (سعودی عرب) کی ریاض برانچ میں تعینات ہے)۔ اس کا یہ رویۂ مجھے سخت ناپسند رہا مگر وہ پرواہ نہیں کرتا تھا ۔ اپنی بیان نہ کردہ وجوہ سے خود کو قابل معافی بھی کہتا تھا۔ میں اس وقت اپنی عمر اور ایک ذمہ دارانہ تحریر لکھنے کے باوجود خود کو اس کی محبت سے بری نہیں پاتا ۔ وہ اپنے اس رویئے اور دوسرے رویئوں میں قابل معافی ہوگا بھی ......

<u>معاملات :</u> وہ معاملات کا بہت صاف تھا ۔ یہ صفت ایسے خراب حالات ہی نہیں اچھے حالات سے گزرنے والے شعرا میں بھی کم پائی جاتی ہے ۔ کسی سے معاملاتی جھوٹ نہیں بولتا تھا ۔ کسی سے قرض لینا پسند نہیں کرتا تھا

برے حالات کے زمانے میں لیا بھی تو جلد از جلد واپس کردیا ۔ خود بہتوں کی ہر طرح مدد کی ۔ ان کی بھی جو اس سے حسد کا برملا اظہار کرتے تھے (ایسے لوگوں میں اس کے کئی برانے "احباب" بھی شامل تھے) دوسرے خوش حال دوستوں سے مستحقین کی مالی امداد بہت کراتا تھا ۔ خود جز رس آدمی تھا (اور اب میں سوچتا ہوں کہ بجا طورپر) اپنی رقم کم کسی کو دیتا تھا مگر کسی بہت ہی ضرورت مند کو چھوٹی موٹی رقم دے بھی دیتا تھا ۔ بہرحال ہر ایک سوالی کی امداد کرنے میں اپنا وقت ،وقار ، تعلقات سب استعمال کرسکتا تھا ۔ اس کی یہ صفات اس کتاب میں نہ ہونے کے برابر بیان ہوئی ہیں

کیرٹر کے حوالے سے چند باتیں

جب وہ قومی اسمبلی میں ترقی پاسکتا تھا تو خفیہ پولیس نے اس کے بارے میں سخت منفی رپورٹ مرتب کرکے اس کا پیچھا کیا ۔ وہ زمانہ ترقی پسند ادیبوں پر تو سخت تھا ہی، ان ادیبوں کو بھی خطرہ رہتا تھا جو سکہ بند ترقی پسند نہیں رہے تھے ۔ میں اسے اپنے ایک دوست محمد اطہر (مرحوم) کے پاس لے گیا جو اس وقت مرکزی انٹیلیجنس بیورو کے مرکز کراچی میں ایس ایس پی تھا (میری کتاب غزلیں دوہے گیت اسی اطہر کے نام معنون چلی آتی ہے ۔ وہ کالج کے زمانے سے میرا محبوب دوست تھا) اس نے میری خاطر اسے اس کے کاغذات میں سے کچھ دکھایا ۔ پھر اس نے مجھ سے ضمانت لکھوا کر اس کی بنیاد پر اپنی ضمانت ... رپورٹ نہیں ضمانت ... بھی تحریر کی کہ ابن انشا ریاست کے لیے ایک خطرناک آدمی نہیں ہے ۔ کیرٹر کے سلسلے میں محمد اطہر (مرحوم) کا کردار ریکارڈ پر رہنا چاہیے .(اطہر کراچی سے باہر کافی مدت تک تعینات رہا کراچی واپس آتے آتے مجھ سے ذہنی طور

پر بھی دور ہوگیا تھا ۔ پھر ہم تقریباً الگ ہوگئے ۔ پھر وہ مستقل مریض ہوکر، سرطان میں مبتلا ہوا اور ۱۹۷۹ء میں میری ہی گود میں مرگیا)۔

نیشنل بک کونسل کی ڈائریکٹرشپ جو پہلے سیکرٹری شپ تھی

یہ ایک چھوٹا سا زیرغور منصوبہ تھا۔ یونیسکو اس کے لیے زبانی یعنی مشاورتی امداد دے رہی تھی اور منصوبہ شروع ہوجانے کی صورت میں ایک گشتی وین VAN کا وعدہ تھا (وہ بعد میں ملی بھی) منصوبہ وزارت تعلیم میں پڑا سڑ رہا تھا ۔ میں نے ۱۹۶۰ء میں شہاب صاحب کی مدد سے ایک یونیسکو فیلوشپ (FELLOWSHIP FOR-READING MATERIALS) لیا اور جنوری ۱۹۶۱ء میں یورپ، امریکہ، جاپان، برما وغیرہ کے لیے روانہ ہوگیا یہ دس ماہ کا فیلوشپ تھا ۔ میں ایوان صدر میں محکمہ انکم ٹیکس سے ڈیپوٹیشن پر گیا ہوا تھا ۔ معلوم تھا کہ ایک دن ڈیپوٹیشن ختم ہونا ہے ۔ اپنے محکمے میں واپس جانا مجھے پسند نہیں تھا ۔ میں نے صدر ایوب سے عرض کیا کہ کسی طرح وزارت تعلیم سے اس منصوبے کے لیے میرا انتظار کرائیں میں تربیت لے کر آجاؤں تو اس کا مجوزہ عہدہ اور دائرہ کار بڑھا کر مجھے اس میں تعینات کرا دیں یہ آسان بھی تھا کیوں کہ میں پہلے سے ایک باقاعدہ اعلٰی سروس کا رکن تھا اور سینئر اسکیل میں بھی نئے عہدے کی ابتدائی تنخواہ وہی ہونی تھی ۔ دس ماہ بعد واپس آیا تو ابن انشا کا محکمہ (دیہات سدھار) بند ہونے والا تھا ۔ اس کی نوکری کا سوال سامنے آیا ۔ میں بہرحال ایک مستقل افسر تھا ۔ ہم نے یہ چاہا کہ نیشنل بک سینٹر کی ملازمت اس کو مل جائے۔ ایک انٹرویو بورڈ بنا ۔ اس کے رکن ڈاکٹر شریف معتمد وزارت تعلیم، قدرت اللہ شہاب اور یونیسکو مقامی مرکز کے ڈائریکٹر

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری مقرر ہوئے ۔ دوسرے واحد امیدوار ایک غیر ادیب تھے جنھیں ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری پسند کرتے تھے ۔ ان صاحب کو اشاعت کا تجربہ تو تھا مگر ابن انشا سے زیادہ فاضل اور اہل نہ پائے گئے ۔ ابن انشا ہی کو منتخب کرلیا گیا اور اسی مرکز سے اس کی اطمینان بخش زندگی کا آغاز ہوا۔ اس ضمن میں محترمی ممتاز مفتی کا بیان ڈرامائی ضرور ہے مگر سو فی صد وہ صحیح ہے جو میں نے بیان کیا ۔

ایک سخت مرحلہ ۔ تین افراد

جب جنرل یحیٰی خاں کا مارشل لا لگا شہاب صاحب (اپریل ۱۹۶۹ء میں) پیرس (برائے یونیسکو اجلاس منتظمہ) جاکر لندن پہنچ گئے اور واپس نہ آئے ۔ میں نیشنل بنک میں ملازم تھا مگر گلڈ کی طرف سے پریشان کہ یہ حکومت کیا سلوک کرتی ہے (گلڈ ۱۹۶۴ء سے ہی معمولی گرانٹ کے علاوہ حکومت کے زیرعتاب آگیا تھا ۔ اس کی کہانی الگ ہے) ابن انشا کا سینٹر تو خالص سرکاری ادارہ تھا ۔ اسے اپنی گرانٹ بھی بڑھوانی تھی ۔ ہم دونوں اسلام آباد گئے ۔ نچلی سطح پر وزارت تعلیم کے افسروں نے اسے دم دلاسا دے کر واپس کردیا ۔ اس نے مجھے وزارت خزانہ میں ایچ ۔ یو ۔ بیگ کے پاس بھیجا وہ اس وقت وہاں جوائنٹ سیکرٹری تھے ۔ اس معاملہ خاص سے متعلق نہ تھے مگر بہرحال وزارت میں کام کرتے تھے انھوں نے ایک ساتھی سے تفتیش کی کہ کیا گرانٹ تجویز ہوئی ہے ۔ انھوں نے کاغذات دیکھ کر بتایا کہ وزارت تعلیم کی تجاویز میں اس محکمے کا نام ہی نہیں ہے (اس وقت نیشنل بک سینٹر ایک سال بہ سال گرانٹ پر چلنے والا ادارہ تھا جو گرانٹ بند ہوتے ہی ختم ہوسکتا تھا ۔ وہ یونیسکو کی شاخ نہ تھی)۔اچھی طرح

تفتیش کے بعد بہت پریشان ہوٹل فلیش مین راولپنڈی آیا جہاں ہم ٹھیرے ہوئے تھے ۔ وہاں میرا لڑکپن کا دوست محمد عمر (اب ریٹائرڈ کنٹرولر ریڈیو پاکستان) مجھ سے ملنے آیا ... ابن انشا واپس نہیں پہنچا تھا میں عمر کو لے کر جناب نور الحسن جعفری (حال صدر انجمن) کے ہاں گیا جو اس وقت وزارت خزانہ کی طرف سے ایڈیشنل سیکرٹری کے عہدہ پر فنانشل ایڈوائزر تھے۔ انھوں نے فون کیے مگر متعلقہ افسران نہ ملے۔ اگلی صبح کی ملاقات طے کرکے ہوٹل آیا تو ابن انشا موجود تھا ۔ اسے بڑی احتیاط کے ساتھ یہ خبر سنائی مگر وہ فوراً بے ہوش ہوگیا ۔ عمر بھاگ کر صدر سے ایک ڈاکٹر کو لایا ۔ اسے ہوش آچکا تھا مگر حالت نہایت خراب ۔ ڈاکٹر نے کہا اعصابی دورہ پڑا ہے ۔ احتیاط رکھیں ۔ غم نہ کھائیں وغیرہ وغیرہ ۔ وہ بہت پریشان رہا ۔ وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی ۔ دوسری صبح ہم دونوں جعفری صاحب کے پاس گئے ۔ انھوں نے وزارت تعلیم کے فنانشل ایڈوائزر چودھری ذوالفقار علی (برادر خرد چودھری محمدؐ علی مرحوم) کو فون کیا ۔ چند ہی منٹ میں چودھری صاحب نے بتایا کہ ان کے ماتحت ڈپٹی فنانشیل ایڈوائزر نے یہ رپورٹ لکھی تھی کہ مرکز کی افادیت اس قابل نہیں کہ جز رسی کے جو اقدامات نئی پالیسی کے تحت ہو رہے ہیں ان کے باوجود اسے کوئی گرانٹ دی جائے ۔ چناں چہ اگلے بجٹ کے لیے کوئی گرانٹ تجویز نہیں کی ۔ چودھری صاحب نے بتایا کہ وہ اس مرکز کے متعلق کوئی ذاتی علم نہیں رکھتے تھے ۔ انھوں نے اس تجویز پر (جو مجموعی تجاویز کا ایک حصّہ ہوتی ہے) صادکر ادیا اور کم گرانٹ کی طلب وزارت خزانہ کو بھیج دی (مرکز کے بغیر) .... جعفری صاحب نے پورے خلوص اور بڑی شدت سے مرکز کی پیروی کی ۔ چودھری صاحب کو یہ

بھی بتایا کہ اس کا ڈائرکٹر ابن انشا ہے ۔ وہ نام سے
خوب واقف تھے ۔ بولے افسوس مگر میں تو اپنے ہاتھ
کٹوا چکا ۔ اب خود کس طرح ترمیم کروں ۔ جعفری صاحب
نے مجھے بیگ صاحب کے پاس بھیجا ۔ انھوں نے اپنے
شریک افسر متعلقہ سے چند نکات پر وضاحت طلبی کراکے
نوٹ وزارت تعلیم کو بھیجا ۔ چودھری صاحب نے ایک
پورے دن محنت کرکے گرانٹس کا سارا مجموعہ تجاویز
دوبارہ مرتب کیا ۔ پنڈی سے اسلام آباد جاکر جعفری
صاحب بھی اس ماہرانہ مشق میں شریک ہوئے ۔ کاغذ واپس
گئے ۔ گرانٹ مستقلاً شامل ہوئی ۔ مرکز بچ گیا ۔ ہمیں
اس مہم میں پورے تین دن لگے ۔ انشا کا رنگ سفید پڑ
گیا تھا ۔ وہ عمر بھر جعفری صاحب کا ممنون رہا اور میں
چودھری ذوالفقار علی صاحب کو بھی اس کا محسن سمجھتا
ہوں اور ایچ ۔ یو ۔ بیگ صاحب کو بھی ۔ اگر مرکز اس
وقت ختم ہوجاتا تو نہ صرف اسے دوسرے ذریعہ معاش کی
صعوبتیں برداشت کرنی پڑتیں بلکہ اتنے سیروسفر اور
تجربات اور متعلقہ تحریروں سے بھی محروم رہتا.....
یقیناً شہاب صاحب مرحوم نے اس کے کیرئیر اور تربیت
اور بعد میں بھی معاونت میں بڑا حصّہ لیا ہے لیکن سب
کا حق ایک کھاتے میں چلے جانا حق کے خلاف ہے ۔ ممکن
ہے ڈاکٹر ریاض ان واقعات سے بالکل واقف نہ ہوں ۔
بہرحال میں واقف ہوں اور چوں کہ احوال اتنا وسیع
ہوگیا اس لیے ان واقعات کو حوالۂ تاریخ کردینا ضروری
سمجھا ۔

برسبیل تذکرہ : مرکز (کونسل) ختم کرنے کی سفارش ایک
ایسے افسر نے کی تھی جن کے بہنوئی کو ابن انشا گلڈ
کا ایک انعام نہیں دلوا سکا تھا ۔ انھوں نے اس سے
کہا تھا مگر انعامی فیصلے میں اس کا دخل نہ تھا ۔ وہ
فیض صاحب کی صدارت میں کیا گیا تھا ۔

یہ بھی واضح کردیا جائے کہ اس مرکز (کونسل) کی معتمدی عہدوں میں کوئی قابل ذکر عہدہ نہیں تھا ۔ جب یہ شروع ہوا اس وقت تک یونیسکو نے اپنے پروگرام بھی اتنے نہیں پھیلائے تھے ۔ بعد میں یہ بھی کونسل بیرونی روابط کے معاملے میں گاہے گاہے نیابتی کردار ادا کرتی تھی ۔ اس کو نہ کبھی اتنی رقم دی گئی نہ اتنے اہل کار کہ یہ بیان کردہ مقاصد پورے کرے ۔ یہ ابن انشا کی دلاویز شخصیت تھی کہ اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں کی پبلسٹی ہوجاتی تھی ۔ در اصل یہ ایک شوئی قسم کا معمولی اور چھوٹا سا منصوبہ تھا جس کی "شاخیں" بعد میں جاکر لاہور اور ڈھاکا میں بھی قائم ہوئیں ۔ وہاں بھی عملہ ایک افسر اور ایک دو کم تنخواہ معاونین سے زیادہ پر مشتمل نہیں ہوتا تھا ۔ میں اس کونسل کی منتظمہ پر پہلی میقات اور کافی بعد چند سال اور رہا ۔ میں نے اس کی ابتدائی انتظامی مشکلات طے کرنے میں ابن انشا کی بڑی معاونت کی ۔ اس نے کام سیکھ لیا تھا مگر اپنی طبیعت ، مذاق اور آسان روی کی وجہ سے وہ بڑی گرانٹ ، بڑے لائحہ عمل، بڑے منصوبوں کے لیے تیار ہوتا تھا نہ دوڑ بھاگ کرسکتا تھا ۔ حکومت تو ازل سے ایسے منصوبوں کو خانہ پری کے علاوہ اور کسی کام کا نہیں سمجھتی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے سیر سپاٹے تو بہت کرلیے کہ یونیسکو ادھر ادھر چھوٹے موٹے جلسے کراتی ہی رہتی ہے اور ہمارا مرکز جنوبی ایشیا میں اس قسم کا پہلا منصوبہ تھا لیکن اس مقام پر نہ پہنچا جہاں اسے پہنچنا چاہیے تھا ۔ ابن انشا کے بعد تو کونسل اسی جیسے گریڈ بیس افسر کے تقرر کے باوجود بیٹھ ہی گئی ۔ چند برس سے اس کا احیا ہوتا ہے مگر پھر ٹھنڈی پڑجاتی ہے ۔ کونسل صرف ابن انشا کی وجہ سے معروف تھی ورنہ اعلیٰ سطحوں پر اور افادیت کار

کے لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت عام نہیں ہوسکی ۔ اب بھی نہیں ہوئی گو کہ ڈاکٹر افضل کی وزارت میں اس نے ایک بار پھر جھرجھری لی تھی، کئی قراردادیں ، کئی فیصلے ۔ کچھ پر عمل بھی ہوا مدتوں سے پھر تبدیلیوں کا شکار ہے ۔ میں پھر اس کی منتظمہ میں لایا گیا ہوں اور کچھ تجاویز منظور کرائی ہیں مگر ... دیکھیے....

لندن تعیناتی

لندن میں تعیناتی اس لیے نہیں ہوئی کہ حکومت یا انڈیا آفس کو اس کی "ضرورت" تھی۔ انڈیا آفس لائبریری میں تقسیم کا مسئلہ آزادی سے اب تک زیر غوروعمل رہتا ہے ۔ مختصر یہ کہ جب شہاب صاحب وزارت تعلیم کی معتمدی سے ریٹائر ہوئے تو ان کی بیگم عفت شہاب کو گردے کی تکلیف تھی ۔ جب اس سے پہلے وہ انگلستان میں اپنی "جلاوطنی" کے دن گزار رہے تھے تو بیگم کا علاج ہوتا رہتا تھا ۔ اسلام آباد میں وہ مشین ہر دو روز بعد میسّر نہیں آتی تھی(اسے DIALYSIS کا عمل کہتے ہیں ۔ کئی گھنٹے تک بدن کو دوا کے ساتھ خون پانی فراہم کیا جاتا ہے) انھوں نے بھٹو صاحب سے درخواست کرکے اپنی تعیناتی سفارت پاکستان میں انڈیا آفس لائبریری کے لیے کرالی ۔ علاج کرایا۔ وہ ناکام رہا عفت شہاب انتقال کرگئیں ۔ وہ واپس آگئے ۔آسامی ختم کردی گئی ۔

جب ابن انشا کا سرطان دریافت ہوا اور ہم سب گھبرا گئے تو طے ہوا کہ کسی طرح وہ آسامی زندہ کی جائے اور اس پر اسے بھیجا جائے ۔ شہاب صاحب حکومت سے باہر تھے ۔ مگر ڈاکٹر اجمل معتمد تعلیمات اور شہاب صاحب کے دوست تھے وہ بلحاظ عہدہ بک کونسل کے صدر نشین بھی تھے ۔ انھوں نے تجویز بناکر وزیر تعلیم

پیرزادہ صاحب کو دی مگر انھوں نے منظور نہیں کی ۔ وجہ یہ تھی کہ یہ ایک الطاف خسروانہ قسم کا تقرر تھا جو وہ کسی "اپنے" یعنی پارٹی کے منظور نظر کو دینا چاہتے تھے ۔ ڈاکٹر اجمل (جو زندہ ہیں اور گواہی دے سکتے ہیں) بہت پریشان ہوئے ۔ انھوں نے مجھے بلا کر صورت حال بتائی ۔ اس وقت شاہ خالد (سعودی عرب) کی آمد پر (ستمبر ۱۹۷۶ء) اسلام آباد کی ایک تاریخی ریلی کی وجہ سے میرے نغموں کا زورشور تھا ۔ بیس دسمبر ۱۹۷۶ء کو بھی بھٹو حکومت کی سالگرہ پر ویسی ہی ریلی ہوئی تھی اور ارباب اقتدار پر میری اس نئی شہرت کا بڑا اثر کہا جاتا تھا ۔ وہ ریلی وزیرتعلیم پیرزادہ صاحب ہی کے اہتمام میں ہوئی تھی۔ بیس دسمبر کی رات اسلام آباد کلب میں پیرزادہ صاحب نے بہت سے فن کاروں کو جمع کرکے وہاں بھی اپنی حکومت کا جشن منایا ۔ مجھے بھی بلایا ۔ ڈاکٹر اجمل بھی موجود تھے ۔ وہاں پیرزادہ صاحب نے مجھ سے سرخوشی کے عالم میں کہا آپ ہم سے کوئی انعام نہیں لیتے ۔ کچھ تو طلب کیجیے (بعد میں وہ انعام بن مانگے پیپلزپارٹی کے ٹکٹ کی صورت میں ملا جس کی مجھے نہ کوئی توقع تھی نہ امکان کیوں کہ میں قومیائے ہوئے بنک کا ملازم تھا اور ۷ جنوری ۱۹۷۷ء تک قواعد کی رو سے مجھ پر سرکاری ملازمت کے ضوابط عائد ہوتے تھے ۔ انھیں ۷ جنوری ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی نے نئے ضوابط انتخاب بناکر بدل دیا اور مجھ سے تمام یعنی کارپوریٹ سیکٹر کے ملازمین اس پابندی سے مستثنٰی ہوگئے)ڈاکٹر اجمل صاحب نے مجھے اشارہ کیا اور میں نے کہا مجھے کچھ دینا ہے تو میرے ایک دوست کو دے دیجیے جس کے لیے اتنی بڑی شخصیت ڈاکٹر اجمل نے بھی باضابطہ سفارش کی ہے۔ وہ حیران ہوئے ۔ پھر بولے آپ کو معلوم ہے ایسی آسامی

پیدا کرنے کے لیے وزیر اعظم صاحب سے منظوری لینی
پڑے گی ۔ یہ ایک FAVOUR ہے ۔ فوری ضرورت اور حق
کا مسئلہ نہیں ۔ میں نے کہا کہ یہ آپ جانیں ہم تو
حسب فرمائش کچھ حسب الحکم مانگ رہے ہیں ۔ اب ڈاکٹر
اجمل آگے بڑھے بولے جناب یہ کیس واقعی بہت اہم ہے ۔
ہم ان حوالوں سے محروم ہوتے جاتے ہیں۔ ہمیں واقعی
وہاں ایک اچھا افسر لگانا چاہیے ۔ وہ مسکرائے، بولے
کیا نام بتایا آپ نے کہا ابن انشا ۔ پوچھا اوہو ،
وہ مشہور کالم نگار ۔ کہا جی ہاں مگر وہ ہمارا
ڈائریکٹر جنرل بھی ہے ۔ بولے میں بھول گیا ہوں گا۔
ڈاکٹر صاحب آپ زبانی بات کرتے، میں اسی وقت وزیر اعظم
کو بھیج دیتا ۔ عالی صاحب کا انعام الگ رہا یہ تو
ہم کو کرنا ہی چاہیے ... انھوں نے سخن سازی ضرور کی
مگر اگلی صبح کام بھی کردیا .... معلوم رہے کہ وہ
آسامی ہر بار زیر تخفیف آجاتی ہے ۔ ابن انشا کے
ہوتے ہوتے جب تیسرا مارشل لا کی اکنومی کمیٹی سفارت
انگلستان پہنچی تو تخفیف کا آرا اس پر بھی چلا ۔ اس
نے مجھے فون کیا ۔ میں غلام اسحٰق خاں صاحب کے پاس
گیا جو سیکرٹری جنرل اور حکومت کے نفس ناطقہ تھے ۔
انھوں نے ایک عارضی توسیع کرادی ۔ اسی دوران میں
میری ملازمت بھی مارشل لا ضابطے ۲۵ کے تحت ختم ہوگئی
تھی ۔ میں اپنی پریشانیوں سے گزرتا رہا۔ مدت توسیع
ختم ہوتے ہی اسے سفارت خانے نے مطلع کردیا کہ آپ سے
معاملہ ختم ۔ اس کے ساتھ خاصی بے مہری بھی کی (تفصیل
موجود ہے) اس کی بیماری تو بڑھ ہی چکی تھی۔اس واقعے
نے اس کے ذہن پر بہت برا اثر کیا ۔ وہ بے ہوش ہوکر
کوما میں چلاگیا۔ سبب سرطان بڑھ جانے کے دیگر ناگزیر
جسمانی عوارض بھی تھے مگر یہ وجہ آخری ثابت ہوئی ۔
اس وقت میرا پاسپورٹ سرکاری تحویل میں تھا۔ میں اس

کی لاش ہی لینے ہوائی اڈے گیا جو دس دن کوما کے بعد آئی ۔

کالم نویسی

وہ ہمیشہ سے ماہر اور خفیہ کالم نویس تھا ۔ "حریّت" میں کھل کر لکھنے لگا مگر "حریّت" کا سرکولیشن بہت کم تھا ۔ جب اس کی خوبیاں ظاہر ہونے لگیں میں نے میر خلیل الرّحمن مالک "جنگ" سے کہا کہ آج ابن انشا جیسا مزاح کوئی نہیں لکھ رہا ہے ۔ اسے لے آئیے ۔ انھوں نے اس سے معاملہ طے کرلیا ۔ ۔ پھر اس کی شہرت ہر طرف پھیل گئی ۔ ۱۹۷۴ء میں فرہاد زیدی "حریّت" کے مدیر مقرر ہوئے تو انھوں نے نسبتاً زیادہ معاوضے پر اس کا کالم لینا چاہا ۔ اسے غالباً آٹھ سو ماہوار ملتے تھے، تیار ہوگیا ۔ فرہاد نے اپنی منتظمہ سے ہفتہ وار کالم کے پندرہ سو روپے ماہوار منظور کرائے جو اس وقت ایک بڑا معاوضہ تھا ۔ وہ فیصلہ بدلنے پر تیار ہوگیا ۔ میں نے منع کیا ۔ نہ مانا ۔ خود میر صاحب کو مطلع کردیا ۔ انھوں نے کہا ہم اس سے ڈھائی سو روپے زیادہ دیں گے ۔ فوراً فرہاد کو فون کرکے معذرت کرلی ۔ فرہاد زیدی اخبار خواتین میں بھی اس کا کالم چھاپتے رہتے تھے ۔ اس کے بڑے مدّاح تھے مگر اب انھیں اپنی منتظمہ کے آگے بہت شرمندہ ہونا پڑا ۔ انھوں نے مجھ سے بھی آزردگی ظاہر کی کہ میں نے فیصلہ کیوں بدلنے دیا مگر ایک تو مجھے خود "جنگ" اور "حریّت" کے مقابلے میں محتاط رہنا تھا دوسرے میں چاہتا تھا کہ "جنگ" کی کثیر الاشاعتی اس کا بے مثل کالم دور دور پہنچاتی رہے اس لیے میں نے زیادہ منع نہ کیا ۔ ہاں میں نے اسے ان قلابازیوں پر زجروتوبیخ کافی کی ۔ بولا مجھے اپنے بچّوں کے لیے کچھ جمع کرنا ہے ۔ یہاں

شہرت بھی زیادہ مل رہی ہے اور پیسے بھی ۔

یہ غلط ہے کہ یونیسکو نے اسے آخر میں اس کی (کونسل والی) تنخواہ سے بیس گنا زیادہ تنخواہ کی پیش کش کی اور وہ نہ گیا ۔ وہ رقم پاکستانی کرنسی میں ممکن ہے چند گنا زیادہ بنتی ہو لیکن تعیناتی کے مقام پر اس تنخواہ میں اچھی طرح گزارا نہ ہوتا ۔ ڈالر کا ترجمہ پاکستانی روپے میں کرنا درست نہیں ۔ اس نے اس وجہ سے انکار نہیں کیا تھا کہ پاکستان چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا بلکہ اس لیے کہ جو تنخواہ پیش ہوئی تھی اس میں باہر اس آرام سے بچّوں کو تعلیم دلاتے ہوئے بھائی بہنوں کے ساتھ خوش سلوکی کرتے ہوئے، اچھی خوراک ،آرام دہ رہائش اور اتنا سفر ممکن نہ تھا ۔ جناب ممتاز مفتیؔ کا بیان جو بہ ظاہر ابن انشا کے کسی بیان پر مبنی ہے تو کسی ہلکی سی گفتگو کے حوالے سے ہے ۔ یہ فیصلہ ہم دونوں نے خوب سوچ بچار کرکے اور قیمتوں،فیسوں، کرائے کا حساب لگا کر کیا تھا ۔ یقیناً وہ ایک محبّ وطن پاکستانی تھا ـــــ اور کیوں نہ ہوتا ـــــ لیکن اس ملازمت سے انکار کی وجہ حبّ پاکستان نہ تھی معاملات تھے ۔ آخر بہت سے محبّان وطن باہر کام پر جاتے ہی ہیں ۔

ایک اور ترجمہ

ابن انشا نے نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر گنارمر ڈال کی کتاب (ملخّص) AN APPROACH TO ASIAN DRAMA اکیلے چند ہی روز میں نصف سے زیادہ ترجمہ کی ۔ یہ میرے زیر اہتمام نیشنل بنک آف پاکستان کا منصوبہ تھا جسے میری گزارش پر بنک کے صدر جناب جمیل نشتر مرحوم نے ڈاکٹر گنارمرڈال کے شاگرد کمال اظفر کے ذریعے ڈاکٹر صاحب سے اجازت لے کر شروع کرایا تھا ۔ ابن انشا

کو اس کا خطیر معاوضہ پیش کیا گیا ۔ دیگر مترجمین بھی شامل تھے اور نگرانی میری تھی لیکن چوں کہ یہ ایک ادارہ جاتی اشاعت تھی اور ابن انشا اور مترجمین سرکاری ملازم تھے اس لیے اس پر کسی کا نام نہیں دیا گیا اب کہ اس کے احوال آتے ہیں ۔ اس کے کارناموں میں اس کا ذکر بھی ضروری ہے ۔ اس کتاب پر میرا نام بھی نہیں ہے ۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب کا کسی بھی ایشیائی زبان میں پہلا ترجمہ تھا ۔ عنوان "ایشین ڈرامہ" میں نے ڈاکٹر صاحب کو اس کے کوائف بھیجے تھے ۔ انھوں نے اسٹاک ہالم سے اسے فون کرکے شکریہ ادا کیا تھا ۔

اس کے کوائف میں اوائل عمر اور زمانہ طالب علمی کے بہت سے وہ حالات نہیں ملتے جو اس نے مجھے وقتاً فوقتاً بتائے تھے ۔ لیکن چوں کہ اس دیباچے میں ان کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس لیے میں نے نہیں لکھے ۔ اگر ڈاکٹر ریاض نے کبھی آیندہ چاہا اور حافظے نے ساتھ دیا تو یا انہیں بتادوں گا یا خود لکھوں گا ۔

ابن انشا کے بہت سے "پرانے دوست" اس سے سخت حسد کرنے لگے تھے ۔ ان میں ممتاز مفتی، اشفاق احمد اور احمد بشیر تو قطعی طور پر شامل نہیں باقی کا نام میں فہرست وار لینا نہیں چاہتا یعنی کون جلتا تھا کون نہیں جلتا تھا ۔ وہ اس کی بڑھتی ہوئی شہرت، خوش حالی، بیرونی سفر کی بہتات اور بے چاری گریڈ بیس کی افسری بھی برداشت نہیں کرتے تھے ۔ اس نے ان کے ساتھ وہی پرانا رویہ رکھا مگر کڑھتا بہت تھا ۔ وہ کہتا تھا میں کسی کی قیمت پر تو آگے نہیں بڑھ رہا ۔ کسی کا حق تو نہیں مار رہا ۔ لوگوں نے اس پر یہ الزام تک لگایا کہ وہ لاہور، اسلام آباد وغیرہ گلڈ کے خرچے پر جاتا ہے اور پانچ ستاروں کے ہوٹل میں ٹھیرتا ہے، وہ کونسل کے

خرچ پر جاتا تھا ۔ میرے پاس ہوٹل میں ضرور آتا تھا۔ لوگ دیکھ کر غلط سمجھتے تھے۔ میں گواہوں کہ ڈھاکا اور لاہور کے چند اجتماعی سفروں کے علاوہ اس نے کبھی گلڈ کے خرچ پر سفر نہیں کیا ۔ گلڈ میں اپنے کام کا اعزازیہ کبھی نہیں لیا ۔ سواری الاونس یا کسی اور نام پر بھی کوئی رقم نہیں لیتا تھا ۔

ایک وقت کے بعد قدرت اللہ شہاب نے انشا کی زندگی پر بڑا اثر ڈالا ۔ وہ بہت بڑا ادیب تھا مگر ہمارے معاشرتی پس منظر کی وجہ سے اعلیٰ افسروں کو بہت اہمیت دیتا تھا ۔ شہاب صاحب تو اس کی زندگی میں بہلنے اور واحد آئی ۔ سی ۔ ایس افسر تھے ۔ شہاب صاحب نے اس سے دوستی بھی خوب کی ۔ وہ بھی بہت سی عجیب و غریب صفات کے انسان تھے۔ میں شہاب صاحب کا ایک نہایت فعال معاون "ماتحت" شریک کار رہا اور انھوں نے ازراہ نوازش میری بڑی تعریف کی ہے مگر میں نے شروع سے ہی کافی وی ۔ آئی ۔ پی دیکھ رکھے تھے ۔ کچھ اس سبب سے یا میری اپنی کوتاہیوں کے سبب میری ان کی دوستی ان منازل تک نہ پہنچی جو ابن انشا اور ان کی دوستی نے طے کرلی تھیں۔ لیکن یہ دوستی یک طرفہ نہ تھی ۔ شہاب صاحب ابن انشا کے ادبی محاسن بھی خوب سمجھتے تھے ۔ اس کی سرپرستی اور اس کی مدد میں انھیں خود ایک فخر محسوس ہوتا تھا۔ وہ اس کی نثر و نظم کے دلدادہ تھے ۔ اس کی معیت میں بھی خوشی محسوس کرتے تھے ۔

حرفے چند طویل ہوگیا گو اب بھی ناکافی ہے ۔ میں نے کوشش کی ہے کہ صرف متعلقہ احوال میں چند ضروری اضافے کردوں ... بعض اب بھی رہ گئے ہوں گے.. اس کی تصانیف ایک الگ موضوع ہیں جن پر لکھنے والے تا عمر لکھتے رہیں گے ۔

امید ہے کہ یہ کتاب گہری دل چسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ ڈاکٹر ریاض احمد ریاض اپنے اسی ایک کارنامے سے تاریخِ ادبِ اردو کا ایک اہم حصہ بن گئے ہیں۔

۱۹۸۸ء

پنجابی زبان و ادب

حمیداللہ شاہ ہاشمی

پہلا ایڈیشن

تکلف برطرف یہ کتاب ہمارے علم کے مطابق پچھلے بیس پچیس برس میں اردو سے متعلق کسی وقیع علمی ادارے کی پہلی اشاعت ہے جو پنجابی ادب کے بارے میں شائع ہورہی ہے ۔

انجمن ترقی اردو ۱۹۰۳ء (سال تاسیس) سے لے کر بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کے انتقال تک مختلف ادوار سے گزری ۔ آزادی تک کی کہانی ہماری ہی ایک اشاعت میں موجود ہے ۔ نام "انجمن ترقی اردو کے پچاس سال" مرتبہ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی (مرحوم) یہ کراچی میں انجمن کی پنجاہ سالہ جوبلی کے موقع پر شائع ہوئی تھی ۔ کچھ ذکر بعد آزادی انجمن کی سرگرمیوں کا بھی تھا مگر سچ یہ ہے کہ پاکستان میں انجمن کو بڑی شدید مشکلات سے گزرنا پڑا ۔ ان دشواریوں کی داستان خود مولوی صاحب کے کتابچے "انجمن کا المیہ" میں مرقوم ہے ۔ اس وقت تک انجمن کی تحریکی مہمات ماند پڑچکی تھیں ۔ پاکستان میں اردو بنگلہ قومی زبانیں تسلیم کرلی گئی تھیں ۔

تنظیم نو مولوی صاحب کی زندگی میں ہی ۔ بلکہ ان کی سربراہی میں شروع ہوگئی تھی ۔ جب انھوں نے انتقال کیا (۱۶ اگست ۱۹۶۱ء) ان کی صدارت میں انجمن کا نیا دستور لکھا جارہا تھا ۔ انھوں نے راقم الحروف

کو اپنی متعلقہ کمیٹی میں نامزد کررکھا تھا۔ دستور ان کی وفات کے بعد ۱۹۶۲ء میں نافذ ہوا اور جناب اختر حسین مرحوم سابق وفاقی وزیر تعلیم اور گورنر مغربی پاکستان نے صدر انجمن اور راقم الحروف نے اعزازی معتمد کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ نئی منتظمہ تشکیل دی گئی جس میں بڑے بڑے نام شامل ہوئے. مثلاً جناب ڈاکٹر سیّد عبد اللہ (لاہور)، جناب جسٹس ایس اے رحمٰن (لاہور)، جناب جسٹس ایم مرشد (ڈھاکا)، جناب جسٹس انعام اللہ (کراچی)، جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (کراچی)، جناب ڈاکٹر رضی الدین صدیقی (حیدر آباد، سندھ) جناب پیر حسام الدین راشدی (حیدر آباد، سندھ)، جناب احسن احمد اشک (ڈھاکا)، جناب مولانا عبد القادر (پشاور) جناب ممتاز حسن (کراچی)، جناب ڈاکٹر نذیر احمد (کراچی)، جناب راجہ امیر محمد خاں محمود آباد (کراچی)، ڈویژنل کمشنر کراچی، جناب احمد داؤد (کراچی) ۔

نئی منتظمہ نے انجمن کو ہر طرح سے سنبھال لیا تھا ۔ مالی حالات بہتر ہوئے ۔ کالجوں کے قرض ادا ہوئے (جو چند برس میں پھر بڑھ گئے) اور یونی ورسٹی کے قیام پر سوچ بچار ہوا اور ۱۹۶۲ء میں اقامتی یونی ورسٹی کا منصوبہ بناکر ابتدا کے طور پر نئے اردو سائنس کالج کی بنیادیں بھی رکھ دی گئیں ۔ یہ کالج ہم نے پہلی منزل تک ۱۹۶۸ء میں مکمل کرلیا تھا نئے معمل لگالیے تھے۔ بہت کچھ کرلیا تھا مگر حکومت کی عدم توجہی، اہل دول کی بے نیازی اور اس زمانے میں اردو کے خلاف چلنے والی نئی تحریکوں نے ہمیں اس مختصر عرصے میں زیادہ کام نہ کرنے دیا تا آنکہ ۱۹۷۲ء میں تعلیم قومیائی گئی اور ہمارا خواب ادھورا رہ گیا ۔ نئے اشاعتی منصوبے بنے ۔ کچھ پر کام شروع بھی کردیا گیا ۔ بہرحال انجمن مرتے مرتے بچ گئی ۔

آگے اس کے کئی منصوبوں کی تکمیل، عدم تکمیل اور دوسری متعلقہ کہانیاں ہیں ۔

حقائق کا درست تجزیہ کرتے ہوئے اردو کی قومی ناگزیریت پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک نیا فیصلہ انجمن کی پرانی روایت سے ہٹ کر ہم نے یہ کیا کہ جس حد تک ممکن ہوا اردو میں پاکستانی زبانوں کے (جنھیں عرف عام میں علاقائی زبانیں کہا جاتا ہے) معیاری کاموں کی اشاعت کی جائے تاکہ اردو کے ذریعے ایک پاکستانی زبان جاننے والوں کا رابطہ دوسری پاکستانی زبان بولنے والوں سے اور بھی گہرا ہو اور خود اردو ان کے خزانوں سے مالامال ہوتی رہے ۔ ہم نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ ہم ترقی اردو کے سلسلے میں کسی پاکستانی زبان سے کوئی مناقشہ مول نہیں لیں گے اور اگر کسی طرف سے ہم پر راست حملے بھی ہوئے تو انجمن کی حفاظت کے علاوہ اور کسی طریقے سے ان کا جواب بھی نہیں دیں گے ۔ ہم کو مشرقی پاکستان کے حالات کا اذیت ناک مشاہدہ یاد تھا جہاں حکومت یا حکام کی غلطیوں اور تشدد نے اردو اور یک قومی تصوّر کو سخت نقصان پہنچایا تھا ۔ بحمد اللہ ہمارا موقف ہر حلقے میں سراہا گیا اور ہم اپنی محدودات کے اندر اندر اردو کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور وسیع البنیاد کرنے کے لیے خاموشی سے کام کرتے رہے انتہائی قلت سرمایہ کے باوجود ایک قومی (بین الصوبائی) اقامتی جامعہ کو منزل سمجھتے ہوئے کالجوں کے لیے ہمارا کام اور ہماری بہت سی وقیع اور نہایت اہم اشاعتیں اس بیان کی گواہ ہیں ۔

تنظیم نو کے بعد انجمن سابق کی طرح انتظامی بحران سے تو کبھی نہیں گزری لیکن بہت جلد مالی بحران میں مبتلا ہوگئی ۔ کالجوں کے اخراجات کا بار

بھی انجمن پر پڑتا تھا ۔ نوبت یہاں تک آگئی تھی
کہ ہم بینکوں سے کافی قرض لینے کے علاوہ پراویڈنٹ
فنڈ اور مخصوص فنڈ تک سے تنخواہیں ادا کرنے پر
مجبور ہوجاتے تھے ۔ ہمارے اولین اعزازی خازن نے
جو حکومت کے نامزد ایک کروڑپتی تھے انجمن کو ایک
دھیلے کا چندہ نہیں دیا ۔ وعدے ہی کرتے رہے۔وفاقی
حکومت نے اپنے زیر اہتمام دوسرے اردو ادارے بنانے
شروع کردیے تھے ۔ اس کی نیت ہی نہ تھی کہ اردو کے
نفاذ کے لیے تیار ہوجائے ۔ اگر معاملات انجمن کے
ذمے رہتے تو وہ معیار و رفتار کار کے ساتھ ساتھ
تدریجی نفاذ پر زور دیتی کہ ایک غیرسرکاری ارادہ
تھی ۔ سرکاری بورڈ بڑے فضلاء اور ماہروں پر مشتمل
ہوکر بھی راست سرکاری انتظام میں رہتے ہیں ۔اس کے
مضمرات سب سمجھ سکتے ہیں ۔ نتائج بھی سب کے سامنے
ہیں ۔ کتنے سرکاری ادارے لغات ،سائنسی کتب ،اصطلاحات ،
زبان (دفتری) ، ٹائپ اور ٹائپ کاری پر کتنے برس سے
کتنے خرچ پر کام کررہے ہیں ۔ ۱۹۸۸ء شروع ہوچکا ۔
ہر دستور نفاذ اردو کی تاریخ مقرر کرتا ہے جو کسی
نہ کسی طور بڑھا دی جاتی ہے ۔ خدا کرے موجودہ دستور
کے مطابق اردو ۱۹۸۸ء کے اندر اندر نافذ ہوجائے
لیکن راقم الحروف کو، اس قومی فیصلے کے ساتھ مسلسل
عناد حکام، اپنے مختلف النوع تجربوں اور موجودہ
رفتارکار کی روشنی میں شبہ ہے کہ شاید کوئی اور
تاریخ پڑجائے ... ان جملہائے معترضہ کے لیے معذرت
کہ یہ ایک مخصوص اشاعت کا حرفے چند ہے ۔

پاکستانی زبانوں کے سلسلے میں ہم نے مندرجہ ذیل
اشاعتیں پیش کیں جن کے انتخاب ،ترجمے اور تدوین
میں کافی وقت صرف ہوا ۔

۱۔ ابیات سلطان باہو ۔ منظوم ترجمہ
جناب عبد المجید بھٹی

۲۔ پشتو شاعری ۔ (پشتو کلاسیک کے منظوم ترجمے)
جناب فارغ بخاری اور جناب رضا ہمدانی

۳۔ پنجابی کے پانچ قدیم شاعر
جناب شفیع عقیل

۴۔ موج موج مہران ۔ جدید سندھی شعرا کے منظوم تراجم
جناب الیاس عشقی

ہمارے لیے جناب کامل القادری مرحوم نے "بلوچی ادب" کے عنوان سے ایک ضخیم اور قیمتی کتاب مرتب کی ۔ خاصا وقت اس کی کتابت میں بھی لگا لیکن اس دوران میں اسے چند بلوچ فضلاء کو دکھایا گیا تو انھوں نے چند قبیلوں کی تواریخ اور چند ترجموں کی اصل پر کچھ شبہ ظاہر کیا ۔ وہ زمانہ بلوچستان میں اضطراب اور ہمارے لیے بھی پریشانی کا تھا ۔ کامل القادری صاحب کسی ترمیم تنسیخ یا حذف کے لیے تیار نہیں ہوئے (اور یہ ان کا حق تھا) انجمن کسی سیاست آمیز تنازعے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی ۔ چناں چہ ہم نے افہام و تفہیم کے ذریعے کتابت شدہ مسودہ فاضل مرتب کو تحفتاً پیش کردیا ۔ پھر وہ کتاب اسی عنوان سے ایک اور محترم ناشر نے شائع کر دی (معلوم نہیں کہ وہ اندراجات بالاخر اسی طرح چھپے یا کوئی ترمیم کردی گئی تھی) ۔ وہ بہرحال مجموعی طور پر ایک کارنامے کی حیثیت رکھتی ہے ۔ انجمن اسے پوری طرح تو اپنے کھاتے میں نہیں ڈال سکتی لیکن یہ واقعہ ریکارڈ پر لے آنے سے مقصد یہ عرض کرنا تھا کہ انجمن نے اپنے اس منصوبے میں بلوچی زبان پر بھی شامل رکھا تھا۔

ایک شکوہ بھی ریکارڈ پر رہے ۔ ہم نے اس منصوبے کو کئی جہتوں میں لے جانے اور پھیلانے کی اپنی سی

کوشش کی لیکن جب ماہرین سے گفتگو ہوئی وہ بڑے معاوضوں کے بغیر کام کرنے کے لیے وقت نہیں نکال سکے ۔ ہم سرکاری انداز کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتے ۔ صرف مقررہ رائلٹی پیش کرسکتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ وہ کافی نہیں ۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ مالیاتی محدودات بڑے بڑے عزائم کو زخمی کرتی رہتی ہیں ۔

زیرنظر اشاعت فاضل مصنف پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کی خاص عنایت ہے جو انھوں نے انجمن پر کی ۔ راقم الحروف ۱۹۸۲ء میں بیجنگ گیا تو ان سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ وہ "پنجابی ادب" پر کام کررہے ہیں ۔ راقم نے اسی وقت ان سے وعدہ کیا اور وعدہ لیا کہ یہ مقالہ انجمن ترقی اردو پاکستان سے چھپے گا ۔ انھوں نے کتاب ۱۹۸۶ء میں اپنے ایک شناسا کے حوالے کردی تھی جو ہمیں مہینوں بعد ملی ... وہ بھی اس طرح کہ وہ یہاں آکر ہمیں مسودہ دینا بھول گئے۔ جب نقل مکانی کررہے تھے تو مسودہ ہاتھ آیا اور انھوں نے معذرت کے ساتھ راقم الحروف کے حوالے کیا ۔ مزید تاخیر اس لیے ہوئی کہ کراچی میں نستعلیق کتابت بہت مہنگی اور غیر یقینی ہوگئی ہے ۔ ٹائپ کار تقریباً نایاب ۔ ہمارے ایک ٹائپ کار ہیں جو بیک وقت کئی فرمائشیں پوری کرتے رہتے ہیں ۔ مالیات کا مسئلہ بھی تھا کہ یہ اشاعت بہرحال ایک ضخیم مجموعہ ہے ۔ شکر ہے کہ ہم اسے شائع کرنے میں کامیاب ہوئے۔

پروفیسر حمید اللہ ہاشمی پیدائش کے لحاظ سے پنجابی ہیں ۔ اردو اور پنجابی میں ایم ۔ اے کرچکے ہیں ۔ شعبۂ پنجابی، گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں صدر شعبۂ پنجابی رہ چکے ہیں اور چند برس سے پاکستان انٹرنیشنل کالج، بیجنگ (عوامی جمہوریہ چین) میں صدر شعبۂ علوم شرقیہ و ثقافت پاکستان ہیں ۔ ان کی

فضیلت .... اور محنت ... پوری کتاب کے متن سے ظاہر ہے ۔ خاص طور پر یہ مدنظر رکھتے ہوئے کہ انھیں ماٰخذات آسانی سے دستیاب نہ تھے ۔

پنجابی جمع سرائیکی ہمارے ملک کی سب سے بڑی مقامی زبانیں ہیں ۔ اس کا اور اردو کا قدیم رابطہ ایک پوری اور مسلسل تحقیق کا موضوع رہا ہے ۔ خود پنجابی ادب ایک بہت ہی بڑا ! موضوع ہے ۔ راقم الحروف ذاتی طور پر اس زرخیز زبان کی تاریخ و ادب سے کم واقفیت کی وجہ سے اس بڑے مقالے پر کوئی تبصرہ نہیں کرسکتا ۔ اتنا کہہ سکتا ہے کہ جس موہبے اور جس پاکستانی زبان کے اردو داں (خواہ دوسرے اردو داں بھی) پنجابی ادب کی تاریخ اور محاسن سے واقف ہونا چاہیں ان کے لیے یہ اشاعت ایک بڑے رہنما کی حیثیت میں نظر آتی ہے ۔

پنجابی پر آزادی سے پہلے بھی کام ہوا اور بعد میں ۔ اب بھی ہورہا ہے اور ہوتے رہنا چاہیے ، لیکن آزادی کے بعد ہندوستانی پنجاب کی تاریخوں میں مسلمان اثرات اور مسلمانوں کے کارناموں پر پوری توجہ کی کمی محسوس ہوتی ہے اور پاکستانی پنجاب میں کچھ کچھ جواب آں غزل بھی آجاتا ہے ۔ زبان و ادب کے حوالے سے یہ تمیز و تعصّب ایک خوش گوار اور منصفانہ فضا کے منافی ہے ۔

پنجابی ادب پر پاکستانی تالیفات بیشتر یا اکثر پنجابی سے متعلق اداروں اور افراد نے پیش کی ہیں (اس اشاعت کی کتابیات ملاحظہ ہوں) ، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ، انجمن تاحال واحد علمی ادارہ ہے جو اصلاً تو اردو سے متعلق ہے لیکن دوسری پاکستانی زبانوں پر وقیع اشاعتیں پیش کرنے میں امتیاز رکھتا ہے ۔ ۱۹۸۱ ء میں ادارۂ تحقیقات پاکستان متروکہ اوقاف بورڈ ،

۲۔ کلب روڈ لاہور نے ایک اعلی درجے کی کتاب شائع کی تھی ۔ "پاکستانی ادب" مرتب مخدومی و استادی ڈاکٹر عبدالشکور احسن ۔ اس میں پاکستانی زبانوں اور ان کے ادب پر ماہرین کے نہایت فاضلانہ مقالے شامل ہیں ۔ بر سبیل تذکرہ پنجابی ادب پر (صفحہ ۱۸۲ تا ۲۲۰) ایک خاصے طویل مضمون میں پروفیسر شریف کنجاہی نے زبان و ادب کے ماضی و حال پر بڑی سیر حاصل گفتگو کی ہے، مگر ضخامتی محدودات کی وجہ سے ایک تفصیل طلب طالب علم کو تشنگی محسوس ہوتی ہے ۔ زیر نظر اشاعت کمی لحاظ سے تشنہ نہیں ۔ سوائے اس کے کہ معاصرین کے انتخاب و ذکر میں ہر مصنف ناقد کی طرح پروفیسر حمید اللہ ہاشمی بھی اپنی پسند کے پابند نظر آئیں گے ۔ قدامت السان اور پھر اس کی آمیزش و ارتقا کے مفروضات ہر زبان کی طرح یہاں بھی مزید تحقیق طلب ملیں گے ، مثلاً پروفیسر شریف کنجاہی کے اندازے سے رگ وید کی زبان کا سلسلہ بھی پنجابی سے منسلک ہوسکتا ہے ، جب کہ پروفیسر حمید اللہ ہاشمی نے کھل کر ایسا دعوی نہیں کیا ، لیکن! یہ کتاب تاریخ ادب ہے تاریخ لسان نہیں ۔ لسانی تاریخ کے حوالے پس منظر کی حد تک ضروری سمجھے گئے اور کافی معلوم ہوتے ہیں ۔

پروفیسر حمید اللہ ہاشمی کی فضیلت متن سے ثابت ہے ۔ محنت کے باب میں قارئین کتابیات سے ہی اندازہ کرلیں گے کہ فاضل مرتب نے کتنی احتیاط کے ساتھ کتنی کاوش کی ہے ۔

انجمن ترقی اردو پاکستان، پنجابی ادب پر یہ وقیع اور جامع مقالہ تمام تر فخروانبساط کے ساتھ پیش کررہی ہے ۔ امید ہے کہ تمام اردو داں اس کے ذریعے پاک و ہند کی ایک بڑی اہم زبان اور اس کے ادب سے ان گنت مطالعاتی اور جمالیاتی فوائد حاصل کریں گے ۔

۱۹۸۸ء